HAZRATH ABUL-HASNATH ABDULA SHAH QUADRI MUJADADY - O - NAQSHBANDI HAYATH AUR KARNAMAI

DISSERTATION

Submitted to the University of Hyderbad in the partial fulfilment of the requirement for the award of the degree of **"Doctor of Philisophy"** in Urdu.

Submitted
by
AZAMTHULLAH KHAN

Suprevised
by
Dr. RAHMAT YOUSUF ZAI
Reader of Urdu

Department of Urdu
School of Humanities University of Hyderabad
Hyderabad - 500 046

1995

Dr. RAHMAT YOUSUF ZAI,
Reader of Urdu,
Department of Urdu,
University of Hyderabad,
HYDERABAD - 500 134.

Dated: 2.5.95

C E R T I F I C A T E

This is to certify that the dissertation entitled: HAZRATH ABUL HASNATH ABDULA SHAH QADRI, MUJADADY-O-NAQSHBANDI, HAYATH AUR KARNAME submitted by Mr.AZMATHULLAH KHAN, in fulfilment of the partial requirement for the Award of the Degree of Doctor of Philosophy in Urdu, is Original and the work has been carried out under my Supervision. The dissertation or a part there of has not been submitted for any other Degree at this University or any other University.

RAHMAT YOUSUF ZAI
Supervisor

D E C L A R A T I O N

I hereby declare that the work embodied in this dissertation entitled: HAZRATH ABUL HASNATH ABDULA SHAH QADRI, MUJADADY-O-NAQSHBANDI, HAYAT AUR KARNAME, carried out by me under the Supervision of Dr. RAHMATH YOUSUF ZAI, Reader of Urdu, University of Hyderabad, is original and this has not been submitted for any Degree either in part of in full to any other University or to this University.

Hyderabad - A.P.

Dated: 25.4-1995.

AZMATH ULLAH KHAN.

AZMATHULLAH KHAN,
Research Scholar,
Deptl. of URDU,
University of Hyderabad.

This is to certify that I, AZMATHULLAH KHAN, have carried out the Research work embodied in the present thesis for the full period prescribed under the Ph.D Ordinance of University.

I declare that no part of this thesis was earlier submitted for the award of any research Degree or Diploma to any University.

Date: 25.4-1995.

SIGNATURE

Dr.RAHMAT YOUSUF ZAI,
RESEARCH SUPERVISOR

HEAD
HEAD DEPARTMENT OF URDU
University of Hyderabad,
HYDERABAD-500 134

DEAN SCHOOL OF HUMANITIES

حضرت ابوالحسنات سیّد عبداللہ شاہؒ

قادری مجددی ونقشبندی

"حیات اور کارنامے"

مقالہ برائے : پی۔ ایچ۔ ڈی

۱۹۹۵ء

مقالہ نگار :

عظمت اللہ خان

ایم۔ اے، ایم۔ فل

نگران

ڈاکٹر رحمت یوسف زئی

ریڈر شعبہ اردو

شعبہ اُردو۔ یونیورسٹی اف حیدرآباد

حیدرآباد

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۝

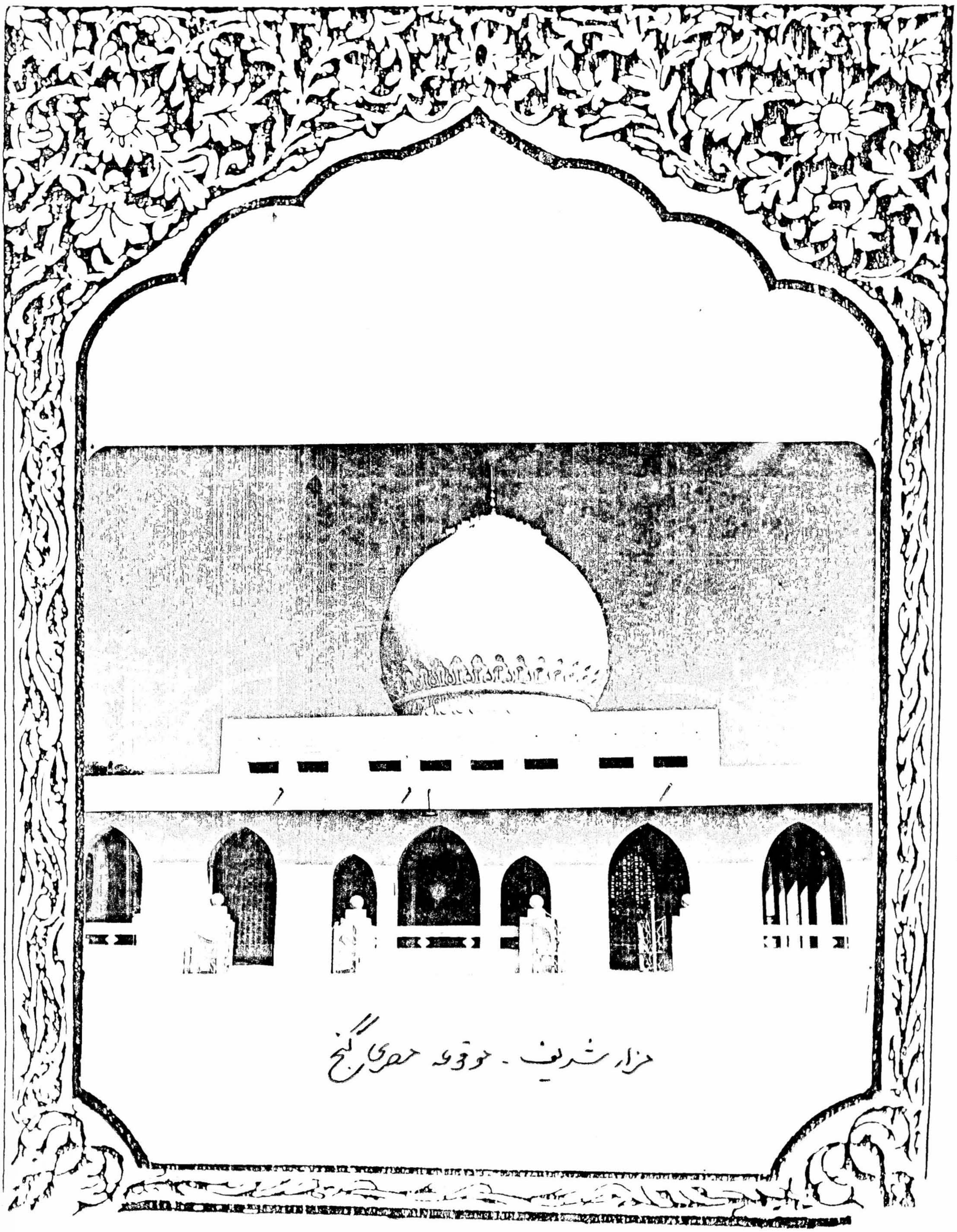
۹۶ : ۵

"وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِی عِلْمًا ۝"

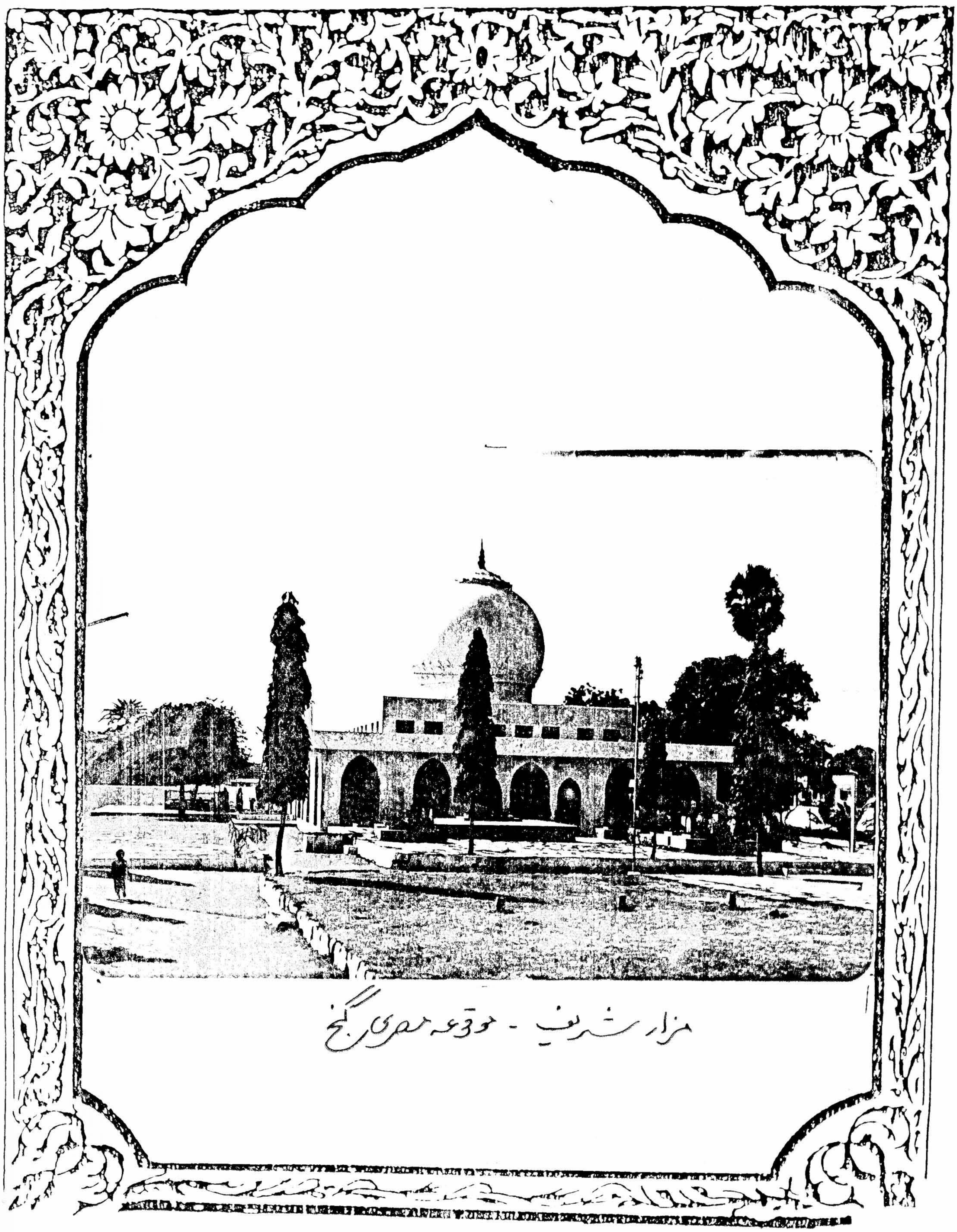
قرآن حکیم : ۲۰ - ۱۱۴



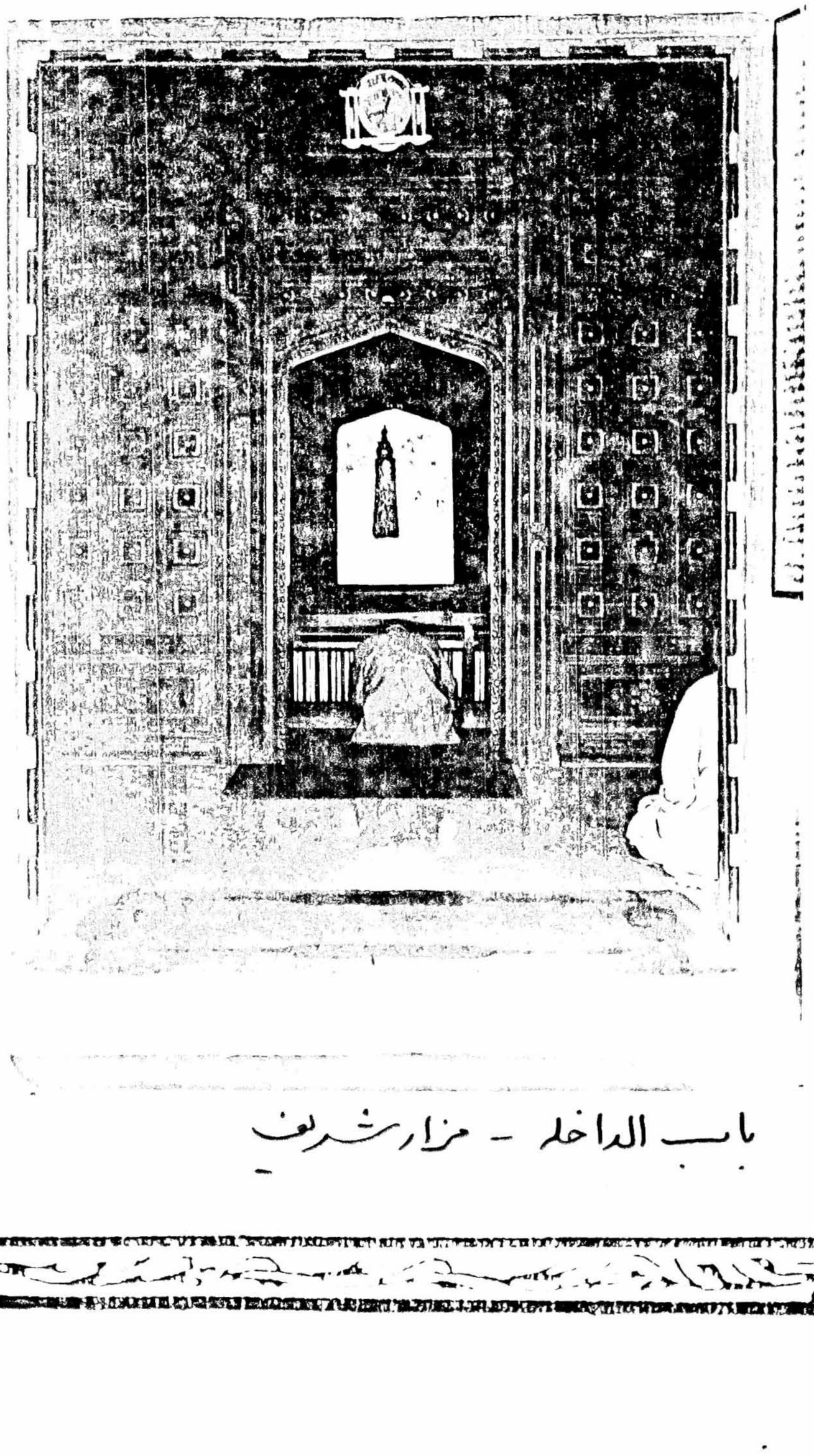
ابوالحسنات حضرت عبداللہ شاہ قادری مجددی نقشبندیؒ



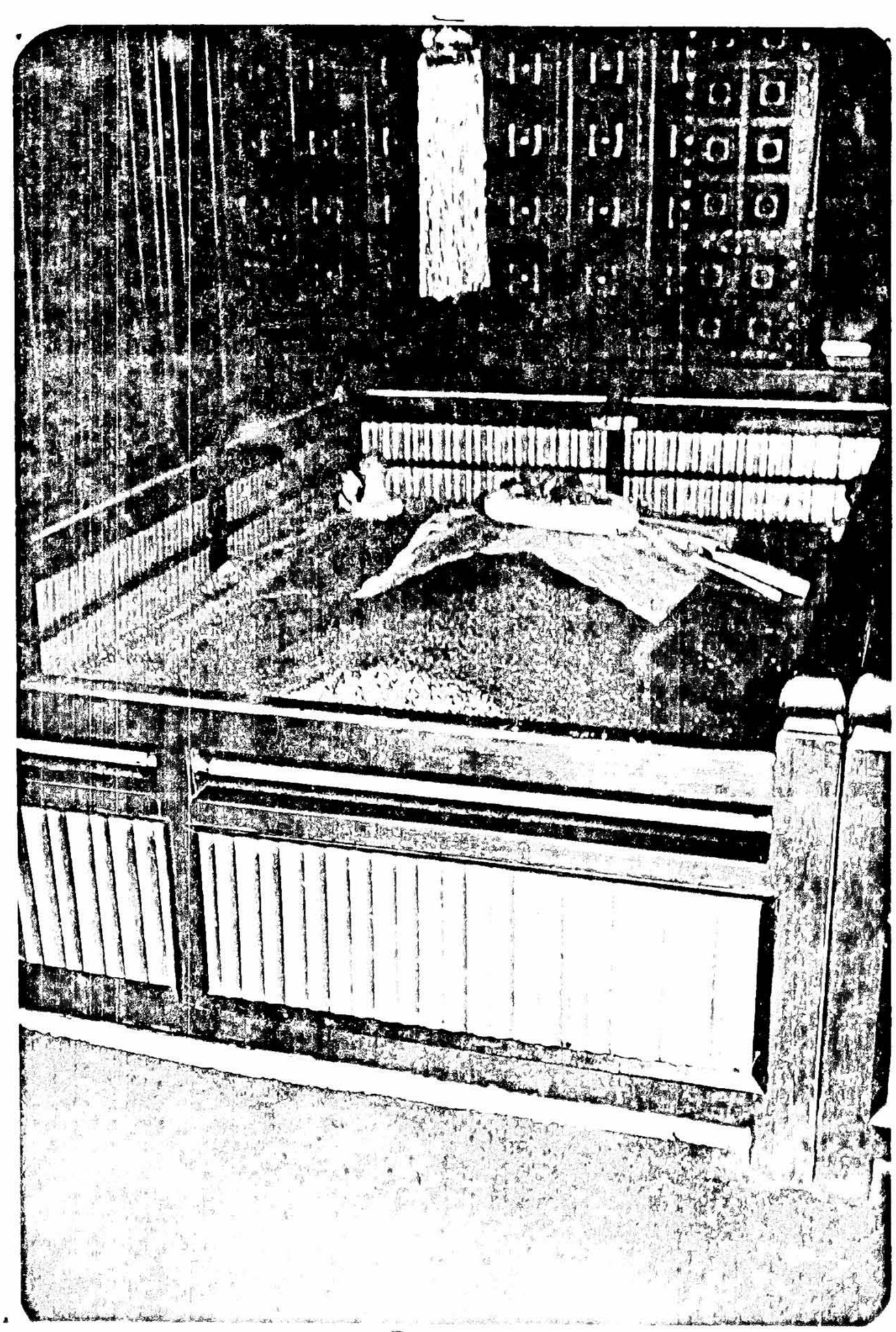
مزار شریف - حوزه حصار گنج



مزار شریف - موقوعہ مصری گنج



باب الداخل - مزار شريف



مزار شریف

فہرست

ابتدائیہ		ص 1 تا ۱۲
باب اول :	حالات زندگی	ص ۱۳ تا ۲۵
باب دوم :	تصوف کیا ہے ؟	ص ۲۶ تا ۸۲
باب سوم :	حضرت عبداللہ شاہؒ بحیثیت صوفی	ص ۸۳ تا ۸۷
باب چہارم :	تصنیفات	ص ۸۸ تا ۳۸۱
باب پنجم :	تعلیمات	ص ۳۸۲ تا ۴۰۱
اختتامیہ		ص ۴۰۲ تا ۴۰۷
کتابیات		ص ۴۰۸ تا ۴۱۰
منسلکات		ص ۴۱۱ تا ۴۳۵

شجرۂ حضرات نقشبندیہ و قادریہ، ہدایت نامہ مریدی، جدول تاریخ ولادت و وفات حضرات نقشبندیہ

ابتدائیہ

زیر نظر مقالہ حیدرآباد کے مشہور عالم دین اور
ایک صوفی بزرگ کی حیات اور کارناموں سے متعلق ہے۔
بادی النظر میں عنوان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ ایک مذہبی
موضوع ہے جس میں دکن کے ایک ممتاز و مقبول عالم دین
حضرت سید عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی و قادری کی حیات
کا اور ان کی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے ظاہر ہے صوفی
کی زندگی کی وضاحت کے لیے فن تصوف پر بھی ایک باب ہو
اس کے ساتھ ساتھ حضرت عبداللہ شاہ نقشبندیؒ کی تعلیمات
کا بھی احاطہ کیا گیا ہے ان ابواب اور موضوعات کو دیکھنے
کے بعد سرسری اندازہ اپنی جگہ درست ہے کہ یہ موضوع تصوف
اور مذہب کے قریب ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ متذکرہ موضوعات
ممدوح کی حیات کا احاطہ کرنے کے لیے ضروری ہیں لیکن راقم الحروف
کا مقصد تحقیق متذکرہ مذہبی موضوعات کی تعبید و تشریح نہیں ہے
بلکہ اردو تحقیق کی اہم روایات کو آگے بڑھانا بھی ہے اور اسکی
پاسداری بھی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اردو کی نشوونما میں
صوفیائے کرام کا جو حصہ رہا ہے وہ آج محتاج تعارف نہیں ہے
بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اس موضوع کی نشاندہی کی تھی
وہ اور ان کے کئی ساتھیوں نے اس انداز فکر کو سنوارا دیا تھا
اور یہ ثابت کیا تھا کہ اردو زبان و ادب کا نشوونما زندگی کے
صالح اقدار کی حفاظت کے تحت ہوا چنانچہ صوفیائے کرام نے

نہ صرف اردو کی نشوونما میں حصہ لیا بلکہ اردو ادب کے ابتدائی موضوعات تصوف ہی کے دامن میں پھلتے پھولتے رہے۔ اس ادبی تحقیق نے اردو زبان و ادب کو مضبوط سہارے دیئے اور اس بات کا ثبوت فراہم کیا کہ اردو زبان و ادب نے ہندوستان ہی کی سرزمین میں جنم لیا ترقی کی اور ترقی کی کئی منزلیں اتنی شاندار طے کیں کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں اس زبان نے اہم ترین فریضہ انجام دیا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد سے جمہوریت کا دور دورہ ہوا لیکن اقلیتوں کی زندگی پر جمہوریت کی برکتیں نازل نہ ہو سکیں۔ بقول شخصے ؎

چمن چمن ہی نہیں جس کے گوشے گوشے میں
کہیں بہار تو آئے کہیں بہار آئے۔

خاص طور پر اردو زبان جس نے ترقی کی شاندار منزلیں طے کیں تھیں ایک کشمکش کے دور سے گذر رہی ہیں ایسے وقت جب کہ اردو زبان و ادب کی تعلیم و ترقی کے لیے راستے مسدود ہوتے جا رہے ہیں۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ ایک بار پھر صوفیائے کرام کی نوازشات اردو زبان و ادب پر سورہی ہیں۔ اگر ہمارے مذہبی ادارے اردو زبان کے ذریعہ دینی تعلیم کے اہتمام سے غفلت برتیں تو اس بات کا یقین ہے کہ آزادی مدرسہ کے اور جو بھی اردو کی تعلیم کا انتظام دینی مدارس کے وساطت سے ہو رہا ہے وہ مسدود ہو جائے اسی طرح اردو زبان میں مذہبی تعلیم کے لئے ہمارے

علماء اور صوفیاء جس انداز سے خدمات انجام دے رہے ہیں
اس کو ہم محض یہ سمجھ کر نظر انداز نہیں کر سکتے کہ یہ "مذہبی موضوع" ہے۔
حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ اور ان کے معاصرین نے اپنے
علمی سفر کا آغاز اس عہد میں کیا تھا جس عہد کو ہم اردو کے سوا ح
کا عہد کہتے ہیں۔ خاص طور پر حیدرآباد میں "عہد عثمانی کی برکتیں"
اپنا رنگ جما چکی تھیں۔ جامعہ عثمانیہ کے قیام نے دو غیر ملکی
زبانوں کو اس منصب سے ناپدر کرنے کا اہتمام کیا تھا جو کبھی فارسی
کو حاصل تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اردو کی پہلی جامعہ نے انگریزی زبان کی تعلیم کی جگہ یا کم از کم
انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں اعلیٰ تعلیم کا
اہتمام کیا تھا۔ انہ نے جگہ درست ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ
ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ اردو زبان نے فارسی کو بھی بندوستان
سے بے دخل کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ حضرت شاہ صاحب قبلہؒ اور
آپ کے معاصرین دراصل اس نسل کی نمائندگی کرتے ہیں جنھوں نے اردو
فارسی اور عربی کی تعلیم کے حصول میں یکساں کوشش کی تھی لیکن
انہوں نے صرف اردو زبان کو وسیلہ اظہار بنانے میں سب سے زیادہ
توجہ دی۔ فارسی اور عربی زبان اور ان کا علمی سرمایہ ان حضرات کے لئے
"ماخذات" کی حیثیت رکھتا تھا۔ خاص طور پر حضرت عبداللہ شاہ قبلہؒ
نے عربی کے شہ پاروں کو سلیس اور آسان اردو میں منتقل کرنے کا
جو شاندار کارنامہ انجام دیا وہ بھی ہمارے موضوع تحقیق کا ایک اہم حصہ ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے قیام نے اردو زبان و ادب کے لئے ایک نئی بساط بچھادی تھی۔ سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ سماجی علوم میں گہرائی و گیرائی رکھنے والی تصانیف عام ہونے لگیں تھیں۔ فارسی کا اثر شدید سے ختم ہو چکا تھا تاہم ایک اہم حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا وہ یہ کہ جامعہ عثمانیہ کے قیام سے قبل حیدرآباد میں جامعہ نظامیہ کا فیض جاری تھا اور خود جامعہ نظامیہ سے قبل دارالعلوم کی تاسیس عمل میں آچکی تھی دکن کا یہ دارالعلوم علیگڈھ تحریک کے اثر سے قائم ہونے والے سرسید کے مدرسۃ العلوم سے قدیم ہے یہاں اس بات کا مطالعہ خریدلچسپی کا موجب ہوگا کہ دکن میں سالار جنگ اول کی زیر سرپرستی جو دارالعلوم قائم ہوا اس سے پہلے حیدرآباد میں مدرسہ شمسیہ نے دینی خدمات انجام دی تھیں جو بعد میں جامعہ نظامیہ نے انجام دیں۔ اختصار کو مدنظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں فتاوی عالمگیری کی تدوین کے ساتھ ساتھ درس نظامیہ کی تدوین کا کارنامہ انجام پا چکا تھا۔ عالمگیر کے اس عالم ناپائیدار کی چھوڑنے کے بعد جب میر قمرالدین خاں آصفجاہ اول نے دکن میں اپنی عملداری قائم کی تو انہوں نے عالمگیری روایات کی بھرپور پاسداری کی تھی۔ حیدرآباد میں انہوں نے اپنے ہم نام عالم قمرالدین کو مدرس اول کی حیثیت سے مقرر فرمایا تھا۔ اس دور کے مدارس میں مدرسہ قمرالدین کے ساتھ

مدرسہ سیدین نے وہی خدمات انجام دی تھیں جو بعد میں مدرسہ شجاعیہ دار العلوم اور مدرسہ نظامیہ نے انجام دیں۔ ان مدارس کے علماء نے تقریباً دو صدیوں تک فن و فکر کا اُجالا تقسیم کرنے کا گرانقدر کارنامہ انجام دیا تھا۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحب ؒ اس سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہیں انہوں نے نہ صرف جامعہ نظامیہ حیدرآباد کی روایتوں کی حفاظت کی بلکہ جامعہ عثمانیہ سے نکلنے والی نئی نسلوں کے ذہن کو بھی سمجھا اردو کے مؤثر ترین ولہجہ کی وساطت سے ایک ایسا اہم کارنامہ انجام دیا کہ تمام عناصر ایک متحدہ الخیالی کی علامت بن گئے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عبداللہ شاہ صاحب ؒ کے ارادت مندوں میں جہاں قدیم وضع کے فارغین جامعہ نظامیہ نظر آتے ہیں وہیں ہر ایک عظیم تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنھوں نے جدید وضع کی جامعاتی تعلیم میں خود کو رنگ لیا ہے۔

حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب ؒ نقشبندی کی ساری زندگی بدلتے ہوئے حالات کا نہایت خاموشی کے ساتھ اور بغیر کسی اظہار کے مقابلہ کرتے ہوئے گذری ہے انہوں نے کبھی حالات کے بدلنے کو موضوع گفتگو نہیں بنایا خدا اور رسول ؐ ان کے دو موضوعات ایمان کی سلامتی ان کا مقصد زندگی تھا۔ سیاسی حالات کا بدلنا یا زبان کے مختلف اسلوب کا پیدا ہونا ترقی کرنا پھر مرجانا اور ہر ایک نئے اسلوب کا معرض وجود میں آنا اپنی اپنی جگہ تاریخی حقائق ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ شاہ ؒ کی زندگی جو کم و بیش ایک صدی پر محیط ہے

اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ انہوں نے زمانے کے نشیب و فراز کو سنجیدگی شرافت اور خاص طور پر نرم و نازک لہجے کی مدد سے مارکسا۔

زیر نظر خاکہ میں ابوالحسنات حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب قبلہ کی حیات کے حوالے سے اس بات کا مطالعہ کیا گیا ہے کہ حیدرآباد میں جب جامعہ عثمانیہ قائم ہوئی اس وقت علماء و صوفیاء نے بھی محض اردو زبان کے سہارے اپنی شخصیت کی خوشبو سے اپنے ماحول کو معطر کیا تھا اور یہ ثابت کیا تھا کہ اردو زبان و ادب دراصل بقول محمد حسین آزاد "آب حیات" ہے جس کسی نے بھی اردو زبان و ادب سے کماحقہ وابستگی اختیار کی گویا اس نے آب حیات پی لیا اور ان کی حیات نہ صرف ناوتمار ہوگئی بلکہ بے مثل بھی بن گئی۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ اور ان کے معاصر صوفیاء نے انگریزی وضع کی جامعاتی تعلیم کو حاصل نہیں کیا تھا۔ لیکن اردو شعر کے سہارے ان تمام پاک شخصیتوں نے زندگی کے لیے درکار ان تمام اقداری خصائص کو جن کو ہمارے اسلاف مذہب، تصوف، سلوک وغیرہ جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں اگرچہ یہ تمام عنوانات اور موضوعات آج کے کمپیوٹر والے دور میں "اگلے وقتوں" سے متعلق سمجھے جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ زندگی کو سمجھ لاکھ خانوں میں بانٹیں زندگی زندگی ہی رہتی ہے اور زندگی کی تلاش ادبی تحقیق کا ایک اہم فریضہ ہے۔

ادبی تحقیق کے ذکر کے ساتھ زیر نظر خاکے کے موضوعات

کے حدود اور اس سے بھی اہم بات لفظی مقصد تحقیق کا ذکر ضروری ہے۔
اردو شعر و ادب میں کئی اصناف سخن اور نثری کارناموں کے مختلف
فنی موضوعات ہمیں ملتے ہیں مثلاً غزل، قصیدہ، مثنوی،
رباعی کے علاوہ داستان، ناول، افسانہ وغیرہ جیسے عنوانات
کے تحت ادب کی تاریخ مرتب ہوتے رہی ہے۔ ان سب اصناف ادب
کی عمر اتنی ہی قدیم ہیں جتنی اردو ادب کی عمر۔ لیکن ادبی تحقیق
ان سب میں کم عمر ہے۔ انیسویں صدی کی ابتدا جدید اردو ادب
کے آغاز کی ابتدا ہے جس نے تدریجی طور پر ترقی کر کے علیگڈھ
تحریک تک ایک شاندار سفر طے کیا اور ایسا ادب تخلیق پایا۔
جس نے بعد میں تحقیق کے لئے حالات پیدا کیئے خاص طور پر
انیسویں صدی کی ابتدا سے اردو زبان و ادب میں اتنی گہرائی و
گیرائی پیدا ہوگئی کہ وہ قدیم ترین زبانوں کے ادب سے آنکھیں ملانے
کی قابل ہوگئی یہ وہی دور ہے جب اس زبان کی مخالفت کا آغاز ہوا۔
اور سب سے سنگین الزام یہ عاید کیا گیا کہ اردو زبان غیر ملکی زبان ہے
اور اس کا ادب بھی غیر ملکی تمدن کی نمائندگی اور عکاسی کرتا ہے یہ ایک
ایسا چیلنج تھا کہ اردو کے دانشوروں نے اس پر توجہ دی۔ چنانچہ
تحقیق ہی ایک ایسا ہتھیار تھا جس کی مدد سے ہم اس وضع کے حملوں
کا جواب دے سکتے تھے چنانچہ ہماری تمام طاقت اور ذہنی صلاحیتیں
اس موضوع پر مرکوز ہوگئیں کہ کسی طرح سے اس الزام سے سبکدوشی
حاصل کی جائے کہ اردو غیر ملکی زبان نہیں ہے ہندوستانی زبان ہے

اور یہ کہ اس کا جملہ ادب و شاعری اس ملک کے دل کی دھڑکنوں کی ترجمانی کرتا ہے گویا اردو تحقیق کی ابتداء اردو زبان و ادب کا کھوج لگانے اس کی اصل کا پتہ دریافت کرنے اس کے مولد و منشاء کے بارے میں تحقیقی سرمایہ جمع کرنا تھا یہ کام کل ہند پیمانے پر بھی انجام دیا گیا اور علاقائی ادب بھی اس وضع کی تحقیق سے بہرہ ور ہوا۔ دکنی ادب کی جو متعدد تاریخیں مرتب ہوئی ہیں ان کا لب و لہجہ مختلف ہو سکتا ہے لیکن ان کا مقصد تحقیق ایک ہی ہے وہ یہ کہ اردو کی ہندو۔ ثانیت کے لیے مختلف طریقوں سے تحقیق کی بنیادوں پر مواد تلاش کیا جائے۔

گذشتہ صفحات میں ایک تاریخی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے دو علمی احسانات پر صفحہ ہستی پر ہمیشہ رہیں گے۔ ہماری مراد فتاوی عالمگیری اور درس نظامیہ کی تدوین سے ہے۔ مملکت خداداد میر قمر الدین خاں نظام الملک آصفجاہ اول دربار عالمگیری کے پروردہ تھے اور تربیت یافتہ بھی۔ چنانچہ ان کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے دکن میں اردو زبان و ادب کے لیے راہیں استوار ہونے لگیں جس طرح دہلی میں شاہ عبدالرحیم اور ان کے بعد ولی اللہی تحریک نے مذہبی تعلیمات کے لیے نئی نئی راہیں کھولیں خاص طور پر قرآن مجید کے تراجم اور مذہبی موضوعات پر کام کرنے کا رجحان عام ہوا۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ حضرت بالاکوٹ کے بعد حضرت سید احمد شہید اور ان کے ساتھیوں

نے جہاد فی السیف کے بجائے جہاد فی القلم کی جو تحریک چلائی اُس نے
اُردو زبان و ادب کو عوامی بنانے میں بڑی مدد دی۔ یہاں ہمیں فقہی
اختلافات اور مسالک کے ٹکراؤ کو نظر انداز کر کے صرف زبان و
ادب کے تناظر میں جائزہ لینا ہے اردو میں قرآن اور دینی علوم
کی دلچسپی کا نتیجہ یہ نکلا کہ دکن میں بھی اس معاملے میں عام دلچسپی
لی جانے لگی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بابا القادری نے قرآن مجید
کے چند پاروں کا ترجمہ کیا تھا یہ ترجمہ دراصل دلی کے شاہ عبدالقادر
اور شاہ رفیع الدین کی خدمات کا ایک طرح سے تسلسل ہے جنہوں نے دلی
اور دکن کے درمیان اتنا نامانوس ماحول ہے کہ دکن والے دلی کی دوری نہیں سمجھتے ہیں
لیکن فکر انسانی کا کارواں اس وضع کی دوری کو قبول نہیں کرتا وہ
اپنے عمل کے سہارے آگے بڑھتا ہی جاتا ہے اس منزل پر ہم
یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے محققین نے ادبی شہ پاروں کی تلاش میں تقریباً
گرانقدر خدمات انجام دیں لیکن مجموعی حیثیت سے دینی موضوعات
پر جو کام ہوا اور اُن میں ربط فکر کے ساتھ ساتھ اختلافات کی بھی جو
کیفیت نظر آتی ہے اُن سب کا احاطہ اس لئے ضروری ہے کہ ہم مذہب
کے سہارے زندگی کو کامیاب زندگی بنانے کی جو کوشش کرتے آئے ہیں
اور خاص طور پر اس ملک کو ایک عظیم ملک بنانے میں جس طرح کا
جتن کیا ہے وہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر کھلے ذہن سے تحقیق
ضروری ہے۔ ہم اب تک ادبی شہ پاروں کی تلاش کو تحقیق سمجھتے رہے ہیں
ان کی دریافت اور ان کے متنوں کی تدوین ادبی تحقیق کا دلچسپ مشغلہ رہا ہے

یہ ضروری بھی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ ہم فکر کو بھی تلاش کریں۔ مقصد زندگی کا وسعتوں کا بھی احاطہ کریں تاکہ ہماری زندگی ایک ایسی زندگی بن سکے جس میں سکون کے ساتھ ساتھ زندگی کے لیے درکار حسرتیں بھی مسترد آسکے ہم خیالی کی فضا جنم لے سکے نظام مختلف مذہبوں کی اور عقیدوں کی بوقلمونی ہمیں روکتی ہے لیکن تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اردو ادب کے ارتقاء میں فکر و نظر کی یک رنگی اور اس استقامت کو تلاش کریں جو زندگی کو صلابت عطا کرتی ہے بدلتے ہوئے حالات یہاں تک کہ عظیم سے عظیم تر انقلاب کے لیے یہی صلابت ہماری محافظ رہی ہے۔ حضرت عبداللہ شاہؒ نے اپنے دور کو متاثر کرنے کے لیے اپنے قاری کو جو اصابت فکر عنایت کی تھی وہ یہی تھی کہ انسان میں عبدیت کی شان پیدا کی جائے۔ سزاوار صفات کا ذکر کم اور بندگی کے رجحان کا اہتمام زیادہ ان کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

زیر نظر مقالہ میں اس بات کی سعی کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ شاہؒ کی شگفتہ سنجیدہ روح پرور اور خاص طور پر نرم و نازک لب و لہجہ والی باتوں کے اثرات کا مطالعہ کیا جائے جو نہ صرف اردو زبان کو مزید تحمل بنانے کا موجب بنا بلکہ اردو والوں کی سکون قلب و نظر کی دولت بھی عطا کی۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ بہر حال شامل رہا ہے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی دیگر محبوب ہستیوں کی نوازش راقم کے ساتھ رہی ہیں یہ عاجز خود کو ایک خوش نصیب انسان تصور کرتا ہے کہ ایک اللہ والے کی حیات اور سازگاروں پر تحقیقی کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

محدث دکن کے فرزند اکبر و خلف و جانشین الوالبرکات حضرت خلیل اللہ شاہؒ کی دعائیں بشیرہ محدث دکن کی اس کام کی طرف رہبری اور ڈاکٹر محمد عبدالنثار خان کا بھرپور تعاون نے میرے کام میں جلا بخشی۔

اس تحقیقی موضوع پر کام کرنے کے لیے سب سے پہلے محترم پروفیسر
سید محاور حسین رضوی نے متوجہ کیا تھا۔ ان کا ارشاد تھا کہ حیدرآباد کے اہم
صوفی بزرگوں کے کارناموں کو بھی تحقیقی اصولوں کی روشنی میں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

میرے مقالے کے نگران ڈاکٹر رحمت یوسف زئی حقیقی نگران رہنما
اور رہبر ثابت ہوئے۔ مقالہ کا ہر لفظ ان کی نگہ توجہ سے سرفراز ہے۔
موجودہ صدر شعبہ ڈاکٹر محمد ظہیر الدین صاحب نے میرے کام میں دلچسپی
ظاہر کی اور مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔ میں ان کا ممنون ہوں۔
اس کے علاوہ دیگر کرم فرماؤں کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا جن کا
مخلصانہ تعاون راقم کے ساتھ شامل رہا ہے۔ محترم پروفیسر رزاق ملاوقی صاحب
نے مجھے اپنا قیمتی وقت دیا اور اس مقالے کے بارے میں ہدایات دیں۔ میں ان
کا بے حد ممنون ہوں۔ ان کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر لیس۔ اے۔ باری
جناب ایم۔ ایم شریف لکچرر اردو عربی فارسی مدراس یونیورسٹی جناب غلام محمد
کیفی شاہ نظامی، جناب اے۔ ایم۔ اے عزیز ابرار، جناب شبیر زماں خاں صاحب
جناب خورشید الزماں خاں صاحب، جناب خلیل الزماں خاں خلیل کا تہہ دل سے
ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے تحقیقی کام میں مدد کی۔ میری شریک حیات
عزیزہ نعمت نے کام کے دوران ہر طرح میرا ساتھ دیا جس کا اعتراف
کرنا بھی ضروری ہے۔ میرے والدین نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں سرخروئی سے
جی سکوں یہ سب اُن ہی کا طفیل ہے۔ پروردگار انھیں اپنے سایہ رحمت
میں رکھے۔ آمین۔

میں نے ہر طرح سے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اِس

تعالے ہیں ہر وہ مواد اکھٹا کروں جس کا تعلق حضرت محدث دکن
سید عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ سے رہا ہو لیکن کوئی بھی کام
حرف آخر نہیں ہو سکتا کیونکہ تحقیق ایک مسلسل عمل ہے
یہ امید ضرور ہے کہ اس کام کو سراہا جائے گا اور
آئندہ تحقیق کے لیے راہیں ہموار کرنے میں یہ مقالہ
بڑی حد تک معاون ہوگا ۔

عظمت اللہ خان
ایم۔اے ایم۔ایل۔

حیدرآباد دکن

بَاب اوّل

"حالاتِ زندگی"

سلسلہ حسب و نسب :

آپؒ نجیب الطرفین سادات حسینی ہیں۔
۴۶ واسطوں سے آپ کا نسب مولائے کائنات حضرت
علی ابن ابی طالبؓ سے جا ملتا ہے۔

شجرہ نسب :

"امیر المومنین حضرت علی ابن
ابی طالبؓ" "امیر المومنین حضرت امام حسینؓ" "شہید
حضرت امام زین العابدینؒ" "حضرت امام باقرؒ" "حضرت امام
جعفر صادقؒ" "حضرت امام موسیٰ کاظمؒ" "حضرت خواجہ احمدؒ"
حضرت ابو الفضلؒ" "حضرت داؤدؒ" "حضرت سید حبیبؒ"
حضرت سید ثانیؒ" "حضرت سید ابو القاسمؒ" "حضرت سید طاہرؒ"
حضرت سید محمدؒ" "حضرت سید علیؒ" "حضرت سید محی الدینؒ"
حضرت سید فیروزؒ" "حضرت سید عوضؒ" "حضرت سید محمدؒ"
حضرت سید صالحؒ" "حضرت سید شاہ قطب الدینؒ" "حضرت
سید شاہ صفی الدینؒ" "حضرت سید علیؒ" "حضرت سید شاہ
ابراہیمؒ" "حضرت سید شاہ حیدرؒ" "حضرت سید شاہ اسمٰعیلؒ"
حضرت سید عبد القادرؒ" "حضرت سید نجم الدینؒ" "حضرت سید زین الدینؒ"
حضرت سید حزمیلؒ" "حضرت سید جنیدؒ" "حضرت سید ہاشمؒ"
حضرت سید حبیبؒ" "حضرت سید عبد اللہؒ" "حضرت سید حافظؒ"
حضرت سید اسمٰعیلؒ" "حضرت سید عبد الملکؒ" "حضرت سید علیؒ"
حضرت سید عبد القادرؒ" "حضرت سید علیؒ" "حضرت سید عبد الغنیؒ"

حضرت سید عبدالملک ؒ حضرت سید مظفر ؒ حضرت سید رسول ؒ ،
حضرت سید یعقوب ؒ حضرت مولانا سید مظفر حسن صاحب قبلہ ؒ ،
حضرت الحاج مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب قبلہ قادری
مجددی و نقشبندی ؒ ۱

جدِ اعلیٰ : آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت سید علی ؒ کو
باتمثال امر نبوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی
اور شہر بیجاپور جانے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ ؒ مکہ معظمہ
ہوتے ہوئے علی عادل شاہی دور میں شہر بیجاپور پہونچے ۲
" آپ کی دینداری علمی قابلیت کے متذکر علی عادل شاہ
اول نے شاہی جامع مسجد اندرون قلعہ نلدرگ عثمان آباد
(مہاراشٹرا) کی امامت کا پیش کش کرکے ملکر معیشت
سے بے نیاز رہنے کے لیے وسیع و زرخیز اراضات
بطور انعام سند تعدد نسل گزرانا۔ آپ نے دینی خدمات
کے شوق میں اسے قبول فرماکر ادائی فرائض کے علاوہ رشد و ہدایت
میں اپنی زندگی گذاردی۔ یہ عطیہ شاہی آج تک اسی خاندان کے
خلق اللہ کے قبضہ و تصرف میں ہے "

---

۱ : سوانح مبارک مع ارشادات عالیہ از مولانا ڈاکٹر محمد عبدالستار خان صاحب
سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ ، مرتبہ محمد علی خان مجددی نقشبندی
ص ۵ اور ص ۶ ۔

۲ : سوانح مبارک مع ارشادات عالیہ از مولانا ڈاکٹر محمد عبدالستار خان صاحب
ص ۶ اور ص ۷ ۔

زمانہ کے حالات نے نلدرگ کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔
نہ تو عادل شاہی حکومت رہی اور نہ وہ حالات رہتے۔
اس لئے نلدرگ چونکہ عادل شاہی حکومت کے لئے
اہم ترین مقام تھا۔ اس لیے بادشاہوں اور شہزادوں
کا قیام زیادہ تر یہیں رہا کرتا تھا۔ اس لیے علماء اور
بزرگان دین یہاں جمع تھے۔ جن کے منجملہ حضرت سید شاہ
محمد قادریؒ ایک بلند پایہ بزرگ کا مقام بھی یہیں تھا۔
جن کی درگاہ نلدرگ تعلقہ آبادی کے جنوبی جانب واقع ہے
آپ نے حضرت سید علیؒ کے تقوی و تقدس کے مدنظر
اپنی صاحبزادی کو آپ سے منسوب کیا۔

والد: آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا سید
حفظ حسن صاحب قبلہؒ عہد طفولیت میں بغرض حصول علم
نلدرگ سے حیدرآباد پہونچے اور علوم متداولہ کے علاوہ
دینی تعلیم جیسے فقہ حدیث میں بھی کافی دستگاہ
حاصل کی اور اپنے زمانے کے مشاہیر حیدرآباد سے تھے۔
بعد وفات خانقاہ حضرت شاہ راجے قتال حسینیؒ کے
احاطہ میں آسودہ ہیں۔

والدہ ماجدہ: حیدرآباد دکن میں ایک باخدا بزرگ حضرت
گل بادشاہ صاحبؒ تھے جنھوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ ریاضت و
مجاہدہ اور گمنامی میں بسر کیا۔ ان کے حلقہ ارادت میں

عوام وخواص سب ہی داخل تھے۔ نواب صاحب تاڑپتری ودیگر امرائے
عظام بلدہ بھی آپ کے معتقد تھے۔ حضرت گل بادشاہ صاحبؒ
نے اپنی اکلوتی بیٹی کو حضرت مولانا سید مظفر حسن شاہ صاحب قبلہؒ کے
عقد نکاح میں دے دیا۔ حضرت ابوالمحمدات سید عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ
ان ہی کے بطن سے ہیں۔ آپؒ کی والدہ ماجدہ حضرت سید شہزادہ قبلہ
قادری سجادہ نشین درگاہ حضرت سید شاہ عبدالوہاب صاحب قادری
سید علی گوڑہ (حیدرآباد) کی حقیقی خالہ زاد بہن تھی۔

حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ

"زمانہ حمل سے قبل ہی مجھے فرزند صالح کی بشارتیں
مل رہی تھیں آپؒ کے شکم مادر میں تشریف لانے سے
قبل ایک لڑکے کا زمانہ شیرخواری میں انتقال
ہو چکا تھا جس کی وجہ سے آپؒ کی والدہ محترمہ
رہتی تھیں اسی اثناء میں ایک مجذوب تشریف لائے
اور فرمایا کہ بیٹی غم نہ کرو۔ عنقریب تمہیں اللہ
مل رہا ہے وہ دیکھو آسمان کی طرف سے تمہارا
بچہ آتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جوں ہی میں نے
میں نے آسمان کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک نورانی
قندیل اتری ہوئی میرے گھر میں داخل ہوئی جس کا نور اتنا
تھا کہ نظر تک خیرہ اور میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں
اسکے بعد ہی ایام حمل کا آغاز ہوا"[1]

---

[1] : محمد علیخاں محبوبی نقشبندی القادری مقدس حالات زندگی حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ

ولادت: "حضرت الوالمحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ کی ولادت باسعادت بمقام بلدہ حیدرآباد بتاریخ ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ بروز جمعہ بوقت ۵ ساعت صبح ہوئی۔"[1]

پیدائش کے بعد سے آپ نے عام بچوں کی طرح اپنی والدہ کو کبھی ستایا اور نہ کسی قسم کی تکلیف دی۔ آپ کی ہر ضرورت کا وقت مقرر تھا جس سے والدہ صاحبہ کو سہولت پیدا ہو اور آپ کی طہارت میں کوئی دقت نہ ہوتی تھی۔ غرض پیدائش ہی سے آپ کے آثار تقویٰ و طہارت سے ظاہر تھے۔ اسی طرح دن گذرتے گئے اور تسمیہ خوانی کا زمانہ آپہنچا۔

"حضرت عاقبت شاہ صاحب قدس سرہ جو ایک عرصہ سے حیدرآباد میں مقیم تھے آپ کی بسم اللہ شریف کی۔ حضرت عاقبت شاہ کے متعلق صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ بڑے لمبا بزرگ تھے عاقبت شاہ کی بزرگی کے اظہار کے لیے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہے کہ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو عالم رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مدینہ منورہ والپس آجانے کی تلقین کی۔ چنانچہ عاقبت شاہ صاحب روانہ ہوگئے اور وہیں پر آپ کا وصال ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔"[2]

---

[1] : سید عبدالرؤف صاقب بحوالہ مخطوطہ جلد اول "حالات زندگی پیر و مرشد عبداللہ شاہ نقشبندی و قادری" ص ۹۔

[2] : " " " " " " " " " ص ۱۰۔

بچپن : حضرت عبداللہ شاہ نقشبندیؒ کی والدہ محترمہ فرماتی تھیں کہ مکان کے سامنے سے جب کبھی سبزی بیچنے والی عورتیں آواز دیتی ہوئی گذرتیں تو آپؒ والدہ سے پوچھتے کہ اماں جان یہ عورت کیا فروخت کر رہی ہے اگر وہ چیز آپؒ کے لیے مضر ہوتی تو جواب ملتا کہ غلیظ چیزیں ہیں بیٹے یہ سنکر آپؒ فرماتے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ نہیں ماں ہم ایسی غلیظ چیزیں خریدنا نہیں چاہتے اور جب کبھی مصروفیت کی وجہ وقت پر سالن نہ پکتا اور آپؒ کے مدرسہ جانے کا وقت آجاتا تو آپؒ کی والدہ چکنی سیاری کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے سجائے سالن کے روٹی کے ساتھ دے دیتیں اور آپؒ انہی سیاری کے ٹکڑوں سے روٹی کھا کر خوشی خوشی مدرسہ تشریف لے جاتے۔

تعلیم و تربیت : آپؒ حصول علم دینی کے لیے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب طے کرنے تیار ہو گئے۔ عبداللہ شاہ صاحبؒ کی ابتدائی فارسی تعلیم تو اپنے والد ماجد سے ہوئی۔ صرف و نحو کی تربیت ایک ایسے بزرگ سے حاصل کی جو جامعہ دیوبند کے تاریخ اتصال تھے۔ علم معقول و منطق مولانا منصور ملتانی (والد ماجد حکیم مقصود جنگ بہادر) سے حاصل کیا۔ آپ زمانے کے مشہور معقولی و فلسفی علماء سے تھے۔

اور شرح جامی و تفسیر و سنت و دیگر علوم متداولہ مولانا انوار اللہ خاں
بانی جامعہ نظامیہ شبلی گنج (فضلیت جنگ بہادر) سے، فقہ و اصول
فقہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سہارنپوری سے اور علم حدیث و
ادب مولانا حکیم عبدالرحمٰن سہارنپوری (جن کا سلسلہ حضرت شاہ
اسحاق صاحب محدث دہلوی سے جا ملتا ہے۔) سے حاصل فرمایا۔ ان
فاضل اساتذہ کی قابلیت مسلمہ تھی اور یہ اپنے وقت کے یکتا
مانے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ کی ذہانت و سعادت مندی
کے سبب آپؒ کے اساتذہ آپؒ کی بہت تعریف فرماتے اور مدت
سے پیش آتے تھے ہمیشہ جماعت میں آپؒ کو سبق پڑھنے کا موقع
دیا جاتا اور دیگر طلباء سنتے۔ غرض ان بزرگوں سے آپؒ نے جملہ علوم دینی
و ضروری تکمیل فرمائی اور فطری صلاحیت و وسعت مطالعہ سے شمار کے
علماء متبحرین میں شامل ہوئے۔

درس و تدریس: زمانہ طالب علمی ہی سے بلا معاوضہ درس و تدریس
شروع کر دیا تھا۔ عوام و خواص سب ہی مستفید ہوتے رہتے تھے۔
طالبان علم ظاہری کا تانتا بندھا ہوا رہتا۔ تعمیر و کاروباری حضرات
کی سہولت کی خاطر رات بارہ بجے تک حدیث و فقہ، دیگر علوم دینی
کی تدریس جاری رہتی تھی۔ "مسجد علی آغا" جنہی علم کے گوشہ میں
جہاں آپؒ تشریف رکھتے تھے علم کے دریا بہتے تھے۔ طالبان علم کے
علاوہ دیگر حضرات اس درس و تدریس کے وقت بغرض استفادہ
شریک رہا کرتے تھے۔

منہاج درس: حضرت قبلہؒ کا طریقہ تعلیم و طرز تفہیم کچھ ایسا تھا کہ جو بھی طالب علم ایک مرتبہ آپؒ کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا پھر درس اُسے جانے کی ضرورت لاحق نہیں تھی اور اگر کہیں اتفاق سے چلا بھی جاتا تو اسے تشفی نہ ہوتی۔ محدث دکن تعلیمات روحانی، علم لدنی، علم باطنی، سلوک بڑی عمدگی اور تحقیق سے سمجھاتے تھے۔ اور مشکل سے مشکل کتابوں کو ایسا پڑھاتے اور سمجھاتے کہ طالب علم پر کشف ہو جاتا کہ اگر مصنف کتاب بھی سامنے آجائے تو ہرگز ایسا نہیں سمجھا سکے گا۔ غرض کوئی مسئلہ ہو کوئی ادق بات ہو کوئی کتاب ہو کوئی سوال ہو اس عمدگی سے سمجھاتے کہ سننے والا نہ صرف آسانی سمجھ جاتا بلکہ آپؒ کے طریقہ تدریس سے اس قدر متاثر ہو جاتا کہ تمام عمر بھولے نہ بھول سکتا۔

حلقہ درس: آپؒ کے شاگردوں کا حلقہ کمی سے زیادہ وسیع تر ہوتا جاتا اور فیضان بھی کچھ ایسا رہا کہ ہر شاگرد کسی نہ کسی علم میں کمال حاصل کرکے کامیاب زندگی کی ابتدا پیدا کرلی۔ اکثر و بیشتر سرکاری اعلیٰ عہدوں پر مامور ہوگئے۔ اور بعض نے تو یہاں تک ترقی کی کہ بادشاہ وقت کی پیشی میں عرصہ دراز تک کام کرتے اور مقرب بنے رہے۔ آپؒ کے شاگرد نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہند و پاک اور دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں۔

مواعظ: محدث دکن ارشاد فرماتے تھے کہ مذہبی و روحانی مجالس و مواعظ زمانہ حاضرہ کی ذہنی اور قلبی اصلاح کا دوسرا نام ہے۔ یہ روحانی علاج ہے اور اخلاقی دنیا میں باطنی امراض کی تشخیص بھی ہے۔ چنانچہ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد آپؒ نے مواعظ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپؒ کا انداز بیان ایسا تھا کہ سامعین متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو اسی لئے بلا لحاظ مذہب و ملت مجالس وعظ میں بکثرت لوگ شریک رہا کرتے تھے۔ اگر کوئی آپؒ سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھتا تو آپؒ اسے تشفی بخش جواب دیتے۔

ریاست حیدرآباد دکن و بمبئی وغیرہ کے گوشہ گوشہ میں محدث دکن کے مریدین و معتقدین تھے۔ جب کبھی آپؒ ان کی دعوت پر جس کسی مقام پر تشریف لے جاتے تو وہاں کسی کھلے میدان میں مجالس وعظ منعقد ہوا کرتی تھیں۔ جہاں ہزار ہا سامعین کا مجمع ہوتا اور بآسانی آپؒ کے وعظ کی سماعت فرماتا۔

جذبہ خدمت خلق: آپؒ کے مستحضر علم و طرز تفہیم سے متاثر ہو کر ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ بلدہ حیدرآباد نے محدث دکن کا تقرر کر کے آپ کو بذریعہ تار اطلاع دی۔ اس وقت آپ موضع ساتے پھل جاگیر تعلقہ مومن آباد میں اپنی چھوٹی ہمشیرہ کے یہاں کسی تقریب میں تشریف لے گئے تھے۔ آپ کا دل اس قدر و منزلت کے لئے آمادہ نہ ہوا[1]

---

[1]: سید عبدالرؤف مسافر، مواعظ حسنہ جلد اول حالات زندگی پیر و مرشد ص ۱۳

آپ نے ناظم وقت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جواب دیا کہ
اسی وقت تک میں نے یہ تعلیم بلا معاوضہ دی ہے اور ارادہ
کرلیا ہے کہ تا عمر اسی طرح خدمت خلق انجام دیا کروں گا۔ مجھے
آپ کے دعوت نامے کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ کیونکہ بے لوث
اللہ کے بندوں کی خدمت انجام دینے سے اللہ تبارک وتعالیٰ
راضی رہتے ہیں اور اس کی جزا آخرت میں مل جاتی ہے۔

دنیا سے بے زاری: آپ کے ایک شاگرد نے جو عہدہ جلیلہ
پر فائز اور بادشاہ وقت کے مصاحب تھے۔ بادشاہ سے
آپ کی بہت تعریف و توصیف بیان فرمائی جس کی تائید دیگر مصاحبین
نے بھی کی۔ اس پر بادشاہ نے اشتیاق ملاقات ظاہر کیا۔ جب
ان کے شاگرد نے محدث دکن کی خدمت میں حاضر ہو کر ان خیال
سے کہ خوشنودی حاصل ہو یہ تفصیلات سنائیں تو حضرت
محدث دکن نے ارشاد فرمایا کہ "ہم فقیروں کو بادشاہوں سے
کیا سروکار اگر آپ میری خوشنودی چاہتے ہیں تو آئندہ وہاں
کبھی میرا تذکرہ نہ کرنا۔" یہ سنکر وہ شاگرد بے حد متاثر ہوئے
اور اس سلسلہ کو وہیں ختم کر دیا۔ بادشاہ وقت سے ملاقات کا موقع نہ آسکا۔

بیعت: آپ کے والد بزرگوار حضرت مظفر حسین شاہ صاحب قبلہ[1]
خود بھی ایک صاحب حال بزرگ تھے۔ انھیں حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہ
سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ اسی مناسبت سے حضرت محدث دکن
نے زمانہ طالب علمی میں حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہ کے دست مبارک پر

---

[1] : سید عبدالرؤف مسافر، مواعظ حسنہ جلد اول، حالات پیر و مرشد، ص ۱۳ -

بیعت فرمائی تھی۔ حصول علم ظاہری کے ساتھ ہی آپ نے اپنی توجہ تکمیل سلوک کی جانب مبذول فرمائی۔ اس وقت حضرت مسکین شاہ صاحب "قبلہ" کا وصال ہو چکا تھا۔ اس لئے آپ حضرت سید محمد[۲] بادشاہ بخاری" کی مریدی میں داخل ہو کر جادہ سلوک طے کیا۔[۱]

بیس سال تک چار میل کی پیادہ پا آمد و رفت :

"بیعت سے لیکر بخاری شاہ صاحب "قبلہ" کی حیات تک آپ روزانہ بلا لحاظ موسم بارش، سرما و گرما پابندی کے ساتھ حسنی علم سے روانہ ہو کر حضرت اجالے شاہ صاحب "قبلہ" کی درگاہ کے قریب جاتے جہاں آپ کے پیر و مرشد "قبلہ" قیام پذیر تھے اور تقریباً چار میل کی مسافت پیادہ طے کرتے تھے۔ واپسی بھی بدل نہ ہوا کرتی تھی یہ معمول کم و بیش بیس سال تک جاری و ساری رہا اور آپ نے کبھی اس معمول میں فرق آنے نہ دیا۔"[۲]

معمولات : آپ اکثر فجر کی نماز اپنے پیر و مرشد "قبلہ" کی مسجد میں ادا فرماتے تھے اور کبھی مسجد چوک میں ادا کر کے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ شغل و اذکار نماز اشراق و چاشت کے بعد والپسی عمل میں آتی۔ ضروریات سے فارغ ہو کر مراقبہ کرتے۔ اسی حال میں ظہر کا وقت آجاتا اور مسجد تشریف لے جاتے اور طالب علموں، عقیدت مندوں کے درمیان محو درس و تدریس رہتے۔ جہاں سے والپسی بعد مغرب ہوتی۔ رات کا خاصہ تناول کرنے کے بعد مسجد حاکر نماز عشاء ذکر وغیرہ میں نصف شب تک مصروف رہتے۔

---

۱ : سید عبدالرؤف مسافر حواشی حسنہ جلد اول، حالات زندگی پیر و مرشد ص ۱۲۔
۲ : محمد علی خان نقشبندی القادری، مقدس حالات زندگی حضرت قبلہ" ص ۱۱۔

اس کے بعد مکان تشریف لاکر استراحت فرماتے۔ دو بجے شب سے تہجد و تلاوت قرآن مجید دعا مناجات کا سلسلہ آہ وزاری کے ساتھ ادا کرتے پھر تھوڑے وقفہ کے لیے بستر پر لیٹ کر پھر نماز فجر کی تیاری میں مشغول ہو جاتے۔

خلافت: "بلدہ حیدر آباد و بیرون شہر میں حضرت بخاری شاہ صاحب "قبلہ" کے بے شمار مرید تھے۔ لیکن آپ کو خلافت عطا فرمائی گئی اور سند خلافت کے ساتھ عباء عمامہ عطا ہوا۔ جس کو آپ زیب تن فرما کر مکان تشریف لے آئے تو آپ کی حالت مجذوبانہ کیفیت میں تبدیل ہو گئی۔ نماز کے علاوہ کسی بات کا خیال نہ تھا۔ کچھ دنوں بعد حضرت قبلہ" کو اُن کے پیر و مرشد کی توجہ سے بتدریج سکون حاصل ہوا اور سابقہ حالات عود کر آئے"[1]

پیر و مرشد کا ادب: آپ" اپنے پیر و مرشد قبلہ" کی حیات میں بیعت کے سلسلے کا ادنا آغاز نہیں فرمایا اگر کوئی شخص بیعت کی خواہش بھی کرتا تو آپ اس کو اپنے پیر و مرشد سے رجوع کرتے۔ البتہ مرشد کے وصال کے بعد بیعت کا آغاز کیا۔ جس کے باعث اقطاع ہندوپاک کے بے شمار طالبان حق اس سرچشمہ فیض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔

حلقہ ارادت: حضرت قبلہ مورث دین" کے آخر زمانے تک پانچ لاکھ سے زائد لوگ حلقہ ارادت عالیہ نقشبندیہ و مادریہ میں داخل ہوتے رہے۔

---

[1]: محمد علیخاں مجددی نقشبندی تذکرہ ثانی پیر و مرشد قبلہ" ڈاکٹر عبدالستار خاں نیازی۔ سوانح مبارک حضرت قبلہ" ص ۱۵

عبادت : حضرت محدث دکن "نماز پنجگانہ جماعت سے ادا کیا کرتے۔ یہ عادت گویا آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ حتیٰ کہ ناسازی مزاج و موسمی حالات بھی آپ کے اس التزام میں مانع نہیں تھے۔ اوقات کی رعایت اس قدر ملحوظ خاطر رہتی کہ نماز عشاء ساڑھے دس بجے شب ادا کرتے۔ آپ ارکان نماز کو انتہائی اطمینان و سکون کے ساتھ ادا کرتے۔ ذوق عبادت میں آپ بکثرت نوافل کھڑے ہو کر ادا کرتے۔ یہاں تک کہ پائے مبارک متورم ہو جاتے۔

امامت : ایک مدت تک آپ مسجد علی آباد حسینی علم میں امامت کرتے رہے۔ قرآنی سورتیں فجر و عشاء میں طویل ظہر میں اوسط عصر و مغرب میں مختصر تلاوت کرتے۔ سر نماز پر کیف اور نشاط انگیز ہوتی۔ جس کا بخوبی اندازہ وہی کر سکتے ہیں۔ جنھوں نے کبھی آپ کی اقتداء کی ہو اور آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا ہو۔

نماز جمعہ : صبح سے نماز جمعہ تک تلاوت کلام مجید ذکر اوراد اور وظائف میں مصروف رہتے۔ اول وقت مکہ مسجد پہنچ کر صف اول میں امام کے عین پیچھے نماز ادا کرتے۔ بعد نماز ہزارہا لوگ آپ کے گرد جمع ہو کر مصافحہ کی سعادت حاصل کرتے۔

حج: آپؒ نے اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ حج و زیارت حرمین الشریفین کی سعادت حاصل کی۔ اس زمانے میں ارض مقدس ترکوں کی حکمرانی میں تھی ذرائع حمل و نقل کی موجودہ سہولت بھی حاصل نہ تھی۔ راستوں میں قافلے لوٹ لئے جاتے تھے۔ غرض اس زمانے میں حج ادا کرنا بہت بڑی بات تھی۔ تاہم ان تمام صعوبتوں کو گوارا کرتے ہوئے حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ اس اہم فریضہ سے مشرف ہوئے۔[1]

روضہ اقدس کی حاضری: دوران قیام مدینہ منورہ آپؒ روزانہ روضہ اقدس کی حاضری کے لئے حاکر مراقب ہوتے۔ آپؒ پر بے خودی کی کچھ عجیب و غریب کیفیت طاری رہتی جس سے وہی لوگ واقف تھے جو آپؒ کے ہمراہ تھے۔

صلوٰۃ کسوف: حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ قبلہ صلوٰۃ کسوف باجماعت ادا کرتے تھے۔ طویل قراۃ بالجہر ہوتی تھی۔ کثیر تعداد میں لوگ دور دور سے آکر شریک ہوا کرتے، بعد نماز حضرت عبداللہ شاہؒ نصیحت کہ آغاز اس طرح کرتے، صاحبو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسوف کی نماز کے بعد لوگوں کو مختصر طور پر پند و نصائح فرمایا کرتے تھے آج میں بھی اسی اتباع سنت میں آپ کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں۔

صبر: نماز عشاء کی امامت کے دوران ایک دن آپؒ کو بھوکے پُرزور مار آپؒ نے صبر کا مظاہرہ کیا اور کہا یہ کم بخت نمازی کو چھوڑ دے اور بے نمازی کو۔ الحمد للہ آج سنت کی ادائی کا نادر موقع ملا۔ کیوں کہ حضورؐ

---

[1]: محمد علی خاں نقشبندی القادری، مقدس مادر ثانی حضرت قبلہؒ، ص ۱۵۔

نے اسی طرح نماز کے وقت بجھونے خنک مارا تھا۔ اس کے بعد آپؒ
اسی حالت میں حسب معمول امامت فرمائی۔" [1]

وضو: حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ "ہمیشہ حوض کے اس کنارے پر
تشریف لاکر وضو کرتے جو قبلہ رُو تھے اگرچہ محل وقوع کے لحاظ
سے وہاں پانی خنک آپؒ کے لیے باعث زحمت تھا مگر اتباع سنت نبوی صلی اللہ
علیہ وسلم کے خیال سے ہمیشہ اسی کنارے پر قبلہ رو وضو کیا کرتے تھے۔ غرض
آپؒ کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف طور پر نظر آتا ہے کہ
آپؒ کا ہر فعل کسی نہ کسی سنت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

سنت غیر مولدہ:
آپؒ غیر مولدہ سنتوں پر بھی التزام عمل پیرا رہتے تھے
یہاں تک کہ کوئی مستحب عمل بھی آپؒ سے چھوٹتے نہیں پاتا تھا۔

عجز و انکساری:
اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے مزاج عالی میں عجز و انکساری اور خاکساری
کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ آپؒ سے ان صفات کا ظہور آئے
دن ہوا کرتا تھا۔

---

[1] سید عبدالرؤف مسافرؒ "مواعظ حسنہ" جلد اوّل "حالات زندگی پیر و مرشد
ص۔ ۱۹۔

مساوات : ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز (اقبال)

ایک دفعہ موسم گرما میں نماز تراویح صحن میں ادا کی جارہی تھی کہ دفعتاً بارش کا آغاز ہوا۔ جاء نمازیں اٹھادی گئیں۔ ختم بارش پر پھر صحن مسجد میں نماز پڑھنا قرار پایا۔ بارش کے خوف سے جا نمازیں بچھائی نہ گئیں۔ کسی نے آپؐ کے لیئے مصلے بچھانا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باہر کے آئے ہوئے لوگ مولس کی یکسانیت دیکھکر دریافت کرتے کہ تم میں رسول کون ہے؟ اس لیئے ہمکو بھی امتیاز نہیں برتنا چاہیئے۔"

ہمدردی و غمگساری : آپؐ کی ہمدردی و غمگساری کا وہ عالم تھا کہ ہر کس و ناکس یہ سمجھتا تھا کہ آپؐ سرے ساتھی ہیں۔ آپؐ کسی کو تکلیف میں مبتلا دیکھتا تو انہیں دیکھ سکتے آبدیدہ ہو جایا کرتے اور اس کی دلجوئی اور حتی الامکان امداد کیا کرتے تھے۔ روزمرہ واقعات سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ آپؐ نے خدمت خلق کے لیئے اپنی زندگی وقف کر دی۔

بلند ہمتی : حدیث دل کی بلند ہمتی و عالی حوصلگی سے ہر ارادت مند واقف تھا۔ آپؐ اپنے ارادت مندوں کو ہمیشہ خوش رکھنے کی فکر میں لگے رہتے۔

اوقات معین : آپؐ کے اوقات معین نہایت صبر آزما تھے۔ اوقات کی پابندی کیا کرتے اور ہر چیز کا ایک وقت مقررہ پر کام انجام دیتے۔ نماز فجر کے بعد مریدوں کو توجہ دیا کرتے۔ اس کے بعد بلا لحاظ مذہب و ملت اہل غرض کی طرف توجہ کرتے جس میں مرد، عورت، بچے، بوڑھے، جوان سب ہی شامل ہوتے۔ آپؐ ہر ایک کی بات سنتے اور اسے نصیحت فرماتے۔ اور ان کی ضرورتوں کو پورا فرماتے۔

حلم و بردباری : حضرت قبلہ رح کے حلم و بردباری کا یہ عالم تھا کہ اپنی ذات کے لیے تو آپ کبھی غصہ کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ ہاں جب اللہ اور اس کے رسول ص کے احکام کی خلاف ورزی یا اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی ہوتی ہوئی دیکھتے یا سنتے تو آپ کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ بغرض طبی ایک مجلس میں کسی بے ادب نے اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کی جو کہ اہانت و توہین کے باوجود اس نے [illegible] حضرت قبلہ رح نے بردباری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ جب بات بڑھ گئی تو حضرت قبلہ رح برداشت نہ کر سکے اور فوراً مجلس سے خود ہی روانہ شروع کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑے حلیم ہیں۔ اپنے لیے سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کو برداشت نہیں کرتے۔[1]

بزرگانہ شفقت : آپ ہر چھوٹے بڑے اپنے پرائے عزیز و اقارب ہمدرد و غیر ہمدرد مخالف و موافق معتقد و غیر معتقد بلا لحاظ مذہب و ملت سب سے بزرگانہ شفقت سے پیش آتے تھے اور آپ کا یہ طرز سلوک کچھ ایسا ہوتا تھا کہ ہر ایک یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ حضرت قبلہ رح سب سے زیادہ مجھی کو بہت زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

۱: محمد علی جان نقشبندی القادری، مقدس حالات زندگی حضرت قبلہ رح، ص ۱۸۔

دستِ کرم: یوں تو حلقہ ارادت میں شامل ہونے کا سہولت بخش وقت مستورات کے لیے گیارہ بجے دن سے دو بجے دن تک تھا۔ اور مرد حضرات کے لیے ظہر سے عصر تک مقرر تھا۔ لیکن جس وقت بھی طالبانِ خدا آپؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر بیعت کی خواہش کرتے تو آپؒ اسی وقت اپنا دستِ کرم بڑھا کر انھیں داخلِ سلسلہ کر لیتے۔ جس کے لیے کسی قسم کے تکلفات کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

طریقہ بیعت: آپؒ کا بیعت لینے کا طریقہ یہ تھا کہ مریدی کے وقت استغفار اور کلمہ طیبہ پڑھا کر ارشاد فرماتے۔ میں نے آپ کو حضرت سیدی عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت سیدی خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کی غلامی میں دے دیا۔ اس موقع پر مرید ہونے والا جواب دیتا کہ میں نے بھی اسے قبول کیا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا مادری و نقشبندی دونوں سلسلوں میں آپ کو مرید کیا ہوں۔ پھر حسب ذیل وصیت فرماتے۔

"میری پہلی وصیت یہ ہے کہ نماز پنجگانہ پابندی سے پڑھا کرو۔ مرد ہو تو ارشاد ہوتا کہ ہر نماز کو جماعت سے ادا کرنے کی کوشش کرو۔ پھر ارشاد فرماتے کہ نماز و قرآن کے بعد زبان کو روک کر خیال کو دل کی طرف لے جا کر اللہ اللہ اس طرح کہتا کہ دل سے ادا ہوتا رہے۔ اس کے لیے وضو و طہارت کی ضرورت نہیں۔ ہر وقت چلتے پھرتے کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں یہ جاری رکھنا۔ عادت نہ ہونے سے بھول ہو جائے تو حرج نہیں جب یاد آجائے تو پھر ایسا ہی عمل شروع کر دینا۔ اس کے علاوہ جو بھی

وقت فرصت کا متقاضی ہو آنکھیں بند کر کے تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ
کا ذکر کم از کم دو ہزار مرتبہ قلب کے ذریعہ ادا کرنا۔ منہ کو بند رکھنا اس
کے ساتھ میرا تصور اس طرح کرے کہ میرے دل سے اللہ اللہ کا فیض
تھلکتا آپ کے دل میں آرہا ہو۔ اس کو زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں۔
صرف خیال کرنا چاہیئے۔ محدث دکن علیہ الرحمہ کا یہ پہلا سبق ہے۔ اس کا
نام لطیفہ قلب ہے۔ اور روزانہ کسی وقت بھی درود شریف گیارہ
سو مرتبہ پڑھے۔

شخصیت: آپ ایک جلیل القدر عالی مرتبت عالم باعمل صاحب
قلب و نظر بلند پایہ شخصیت کے حامل بزرگ تھے۔ آپ کو اہل دنیا سے
کوئی واسطہ نہ تھا۔ نہ شاہوں کے دربار میں رسوخ کے لیے کوشاں رہتے اور
نہ ہی امراء سے شناسا تھے۔ وعظ گوئی کی تمنا اور نہ شہرت کی خواہش
پیری مریدی کے متوجہ تکلفات سے بے نیاز۔ ہمہ وقت خدمت خلق
کے لیے موجود و مستعد۔ الحاصل آپ کی زندگی احکام خداوندی اور اتباع
سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جیتا جاگتا عملی نمونہ تھی۔

مقبولیت: آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ تم اس لڑکے کو اپنا لو سب
تمہارے ہو جائیں گے۔ آج آپ کی اسقدر شہرت اور مقبولیت کہ
آپ کا نام نامی اسم گرامی زبان زد خاص و عام اسی وجہ سے ہے
کہ اس ایک کو آپ نے اپنا بنا لیا تھا۔

حلیہ: حضرت محدث دکن عبداللہ شاہ صاحب "قبلہ" کا حلیہ حسب ذیل ہے۔

قد میانہ، جسم موزوں، جلد نہایت نرم، رنگ سرخ و سفید سرگول چہرہ کھڑا اور متبسم رخسار بھرے ریش و سر کے موے مبارک نہایت ملایم پیشانی کشادہ اور دونوں آبروں کے درمیان پیشانی پر ہلال نما سجدہ کا نشان، گردن اونچی، آنکھیں سیاہ پلکیں دراز، ابرو کمانی جو باہم ملے ہوئے نہ تھے۔ سینہ کشادہ ہاتھ پاؤں متوسط اور پنجے سڈول، ہتھیلیاں پر گوشت، کلائیاں چوڑی، پاؤں کی ایڑیاں باریک، تلوے درمیان سے خالی گفتگو شستہ و شگفتہ، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں پتلی دست چپ کی چھوٹی انگلی پر مزید ایک چھوٹی سی انگلی کا نشان تھا۔ آپؐ کے سر کے بال مسنون طریقہ پر کانوں کی لو تک رہتے تھے اور لب مبارک (مونچھ) قینچی سے ترشواتے چہرہ پر کبھی استرہ آنے نہ دیا۔

مزاج: آپؐ کی مزاج میں انتہائی نفاست و لطافت تھی۔ اور آپ کو عطریات، خوشبو اور پھول بہت مرغوب تھے۔ آپ ہمیشہ عطر اور پھولوں کی خوشبو میں بسے رہتے تھے اور متوسط پائنچوں والے نصف ساق تک اونچا ازار کا پائجامہ اور پورے آستین کا بنین پہنتے اور کرتا ہاتھ کا سلا ہوا پہنتے تھے۔ کرتے کی لمبائی گھٹنوں سے نیچے تک رہتی تھی۔ اور آستین کی لمبائی ہاتھ کی انگلیوں تک اور سر پر عمامہ

اور اس پر چادر اوڑھتے تھے۔ چادر کندھوں کو ڈھانپ لیتی تھی۔ عمامہ ہلکے زرد رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے۔ کہیں باہر تشریف لے جانا ہوتا تو چادریں اوڑھتے یا عبا پہنتے۔ دونوں بیک وقت کبھی استعمال نہ کرتے۔ بدل چلتے وقت بایاں ہاتھ سینہ کی طرف مائل رہتا اور کہنی کے اندرونی حصے پر رومال پڑا رہتا تھا۔

علالت: حضرت محدث کچھوچھوی کے مسلسل علالت کی اطلاعات مسلسل گشت کر رہی تھیں۔ صحت اور درازی عمر کے لیے جگہ جگہ دعائیں کی جانے لگیں۔ ۲۶ / و ۲۷ / اگست ۱۹۶۴ء کے درمیانی شب میں آپؒ پر غنودگی طاری ہو گئی اور تنفس بڑھ گیا۔ ڈاکٹر ابوالحسن صاحب، صدیقی اور ڈاکٹر محمد علی صاحب نے آپؒ کا معائنہ فرمایا۔ آپؒ کو اسی سال ماہ مئی ۱۹۶۴ء کے دوران میں ٹائیفائڈ ہو گیا تھا۔ اکیس ۲۱ دن کے بعد آپ صحت یاب ہوئے تھے پھر کچھ عرصہ بعد آپؒ کے قلب پر حملہ ہوا۔ آپ دو ماہ علیل رہے۔ معالجین میں ڈاکٹر عبدالمنان صاحب اور ڈاکٹر عبدالباری صاحب بھی شامل تھے۔ آخر کار ۲۷ / اگست ۱۹۶۴ء کو صبح چار بجے ہی سے آپؒ کی طبیعت بگڑ گئی فوری ڈاکٹر ابوالحسن صاحب اور ڈاکٹر محمد علی صاحب کو بلوایا گیا۔ صبح سات بجے سے نبض اور تنفس دونوں جواب دے چکے تھے لیکن آپؒ کی حرکت قلب برابر جاری تھی۔ اس پر ڈاکٹروں

کو بڑا تعجب ہوا۔ اس منزل پر چند منٹ تک ڈاکٹروں کو بڑا اس و پیش رہا۔ وہ زندگی اور موت کے درمیان کی کوئی حد فاصل قائم نہ کر سکے۔ بالآخر صبح کے آٹھ بجے ڈاکٹروں نے آپؒ کے وصال کا اعلان کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ بے شک ہم اللہ کے لیے ہے اور بے شک ہمیں اس کی طرف لوٹنا ہے۔

وصال: محدث دکن علیہ الرحمہ کا وصال ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ ۲۷ اگست ۱۹۶۶ء بروز جمعرات بمقام حسنی علم صبح ۸/ بجے ڈاکٹروں نے اعلان کر دیا۔

سانحہ ارتحال: حضرت محدثؒ کے سانحہ ارتحال کی اطلاع برق رفتاری کے ساتھ پھیل گئی۔ اس اندوہناک اطلاع پر وابستگان، مریدین و معتقدین، ارادت مند، علمائے کرام مشائخین عظام کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ ہر آنکھ پرنم اور ہر دل مضطرب تھا۔

آخری دیدار: حضرت محدث دکنؒ کے جسد مبارک کو مکان کے سامنے کھلے میدان میں رکھا گیا۔ جہاں شائقین زیارت کئے گئے تھے۔ لوگ حق در حق آخری دیدار کے لیے آرہے تھے رات دیر گئے تک تقریباً دو لاکھ سے زائد وابستگان اور عقیدت مندوں نے آخری دیدار کیا۔ مجمع کی کثرت کی وجہ سے کئی سو افراد بے ہوش ہو گئے۔ پولیس کے وسیع اور عریض

انتظام کے باوجود عقیدت مندوں کا سیلاب بڑھتا ہی گیا۔ آمدورفت بیحد مشکل ہوگیا۔ صرف پیدل راہ گیروں کو حسنی علم تک آنے کی اجازت تھی۔ آخری دیدار کے لیے عورتوں اور مردوں کی الگ الگ قطاریں بنادی گئیں تھیں۔ تلاوت کلام پاک جاری تھا۔ آخری دیدار کے لیے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو موقع فراہم ہونے کے لیے تدفین ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ م ۲۸ اگست ۱۹۶۴ء بروز جمعہ کو مقرر کی گئی۔

غسل میت: ۲۷ اگست کو قبل نماز مغرب آپ کے جسد مبارک کو غسل دیا گیا۔ مولوی حافظ قاری صدیق حسن صاحب، الحاج مولوی محمد عبدالستار خاں صاحب، الحاج مولوی سید حسن شاہ صاحب، خطیب مسجد حوک اور الحاج معلم حیدرآبادی صاحب نے میت کو غسل دے کر کفن پہنایا۔

جلوس جنازہ: اعلان قبل از وقت کردیا گیا تھا کہ جلوس جنازہ ۲۰ ربیع الثانی بروز جمعہ علی الصبح آپ کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ کے لیے عیدگاہ واقع میر عالم تالاب لے جایا جائے گا۔ اس لئے فجر کی نماز کے بعد ہی سے شہر و بیرون شہر سے لوگ حسنی علم کی طرف آتے رہے اور عیدگاہ کی طرف جانے والے راستوں پر دونوں طرف فٹ پاتھ پر مکانوں، دوکانوں، چھتوں اور درختوں پر تک لوگ دیکھے گئے۔ پردہ پوش خواتین بھی موجود تھیں۔

دیگر مذاہب اور فرقوں کے لوگوں کی کثیر تعداد نے جلوس جنازہ روانہ ہوتے وقت احتراماً کھڑے ہو کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ میت کے اطراف بھیڑ کی وجہ سے حلقہ بنا دیا گیا تھا۔ جس بلڈنگ پر میت لے جائی گئی اسے بڑے بڑے بمبو لگا دیے گئے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کندھا دے سکیں حکومت آندھرا پردیش کے سرکاری ملازمین اور طلباء کی تاخیر کے ساتھ دفتر اور مدرسہ آنے کی اجازت دے دی تھی تاکہ وہ جلوس جنازہ میں شرکت کر سکیں۔ تمام راستوں پر محمد علی صاحب ڈپٹی کمشنر پولس ٹرافک کی نگرانی میں بہترین انتظامات کیے گئے تھے۔ حلم و وقف تورڈنے پر پولس لوٹ جاری کیا جس میں جلوس جنازہ میں شرکت کرنے والوں کے لیے مختلف سہولتوں کی فراہمی کا اعلان کیا گیا تھا۔ جلوس جنازہ سراہ کو کہ گئی دروازہ پرانا پل بہادر پورہ سے نوتا ہوا۔ عیدگاہ صبر عالم ہوتا ہوا لاکھوں افراد کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ حیدرآباد دکن کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی ایسا مجمع جلوس جنازہ میں نظر نہیں آیا۔ حسینی علم سے عیدگاہ اور عیدگاہ سے مقبرہ نقشبندی جس راستہ سے گنج شہیداں میں برگزیدہ ہستی کے جسد خاکی کو سپرد لحد کیا گیا۔ حد نظر تک انسانوں کا سمندر نظر آرہا تھا۔

نماز جنازہ: عوام کے بے پناہ ازدحام کی وجہ سے جلوس جنازہ ساڑھے نو بجے صبح عیدگاہ پر پہونچا۔ تین گھنٹے سے زائد سامان

عیدگاہ اور عیدگاہ کے باہر دور دور تک جمع ہو چکے تھے۔ ٹھیک دس بجے حضرت "قبلہ" کے فرزند اکبر حضرت خلیل اللہ شاہ" جانشین محدث دکن نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جس میں ڈھائی لاکھ افراد نے شرکت کی۔

تدفین: نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد جلوس مدت تاڑبن خواجہ پہاڑی اور جہاں نما سے ہوتا ہوا درگاہ حضرت شاہ راجو قتال حسینی (مرشد الواکلین "تاتا شاہ") پہنچا جہاں آپ کے پدر بزرگوار مولوی مظفر حسن صاحب کی ابدی آرام گاہ ہے۔ یہاں مدت کچھ دیر کے لئے ٹھہرائی گئی۔ اس کے بعد جلوس مدت نقشبندی چمن روانہ ہوا۔ جہاں پہلے ہی سے لاکھوں وابستگان آخری دیدار کے لئے جمع ہو چکے تھے۔ پونے بارہ بجے حضرت عبداللہ شاہ صاحب "قبلہ" کے فرزند اکبر مولوی حضرت ابوالبرکات سید خلیل اللہ شاہ صاحب "قبلہ" اور دیگر صاحبزادوں مولوی سید احمد اللہ صاحب، مولوی سید حبیب اللہ صاحب، مولوی سید رحمت اللہ صاحب نے آپ کی مدت کو مزار کے اندر اتارا۔ اس وقت نقشبندی چمن میں ایک کہرام بپا تھا۔ ہر شخص کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ایک متاع عزیز زندگی سایہ شفقت بھرا شانہ اور دکھ درد کی غم انگیز حالت میں مداوا اور چارہ جوئی کرنے والی ہمدرد دو مونس شخصیت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی۔ وصال کے وقت آپ کی عمر ۹۲ سال تھی۔

ماتحہ سیوم: مورخہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ ۳۰ اگست ۱۹۶۴ء بروز یکشنبہ بمقام مصری گنج نقشبندی چمن ماتحہ سیوم عمل میں آئی۔ جہاں لاکھوں مریدین و ارادتمندان و عقیدت مندوں نے شریک ہوکر بے شمار مرتبہ قرآن شریف کو ختم کیا اور ماتحہ خوانی کی سعادت حاصل کی۔

دستار بندی: ماتحہ خوانی کے بعد حضرت عبداللہ شاہؒ کی وصیت کے مطابق آپؒ کے فرزند اکبر و خلف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید خلیل اللہ شاہ صاحب قبلہؒ قادری مجددی و نقشبندی کی رسم جانشینی عمل میں آئی۔ مولانا ابوالوفا صاحب قبلہؒ نے دستار بندی کی رسم انجام دی۔

وصال کی پیشن گوئی: آپؒ اپنے وصال کی پیشن گوئی خود فرمادی تھی۔ آپؒ کے وصال سے دو تین دن قبل آپؒ کے ہمعصر شیخ الاسلام حضرت سید محمد بادشاہ حسینیؒ معتمد مجلس علمائے دکن و واعظ مکہ مسجد نے مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۶۴ء کو وصال فرمایا۔ اس موقع پر آپؒ نے یہ فرمایا تھا کہ ہم بھی دو دن میں اس دار فانی کو چھوڑنے والے ہیں"۔[1]

گنبد و مسجد: آپؒ کی مزار مبارک پر شاندار گنبد تعمیر کیا گیا اور گنبد کے روبرو ایک عالیشان مسجد بھی بنائی گئی ہے جو طرز تعمیر کے اعتبار سے بہت ہی سادہ اور خوبصورت ہے جس کو آپؒ کے ایک مرید فقیر پاشاہ اور دیگر معتقدین حضرات نے بنوایا۔ خیر الدین صدیقی و دیگر قادری بھائی انجینئرس و آرکیٹکٹ کی خدمات حاصل کی گئیں۔

ع ۱: محمد علی خان مجددی و نقشبندی سوانح مبارک حضرت قبلہؒ ص ۲۳

ہم عصر مشاہیر کرام: آپؒ کے معاصرین بڑے بڑے علماء دین علم دوست مشاہیر گذرے ہیں۔ اُن کا عوام سے رات دن ربط رہا تھا۔ اس کے برعکس حضرت قدہؒ گوشہ نشین تھے۔ اس کے باوجود حضرت قدہؒ کا ملک اور بیرون ملک شہرہ بھی تھا۔ آپ کے معاصرین میں مولانا مفتی حضرت ابوالوفا صاحب، مولانا حضرت عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ، مولانا حضرت بادشاہ حسینی قادری حضرت محمد حسن صاحب ناظم و منیجر حضرت امجد حیدرآبادی، مولانا حسام الدین صاحب فاضلؒ، مولانا یحییٰ پاشاہ صاحب قبلہؒ، علامہ ضیاء یار جنگؒ، حکیم نواب مقصود جنگ، نائب ملت نواب بہادر یار جنگ، مولانا خیر المبلغین حضرت غوثی شاہ مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاری، مولانا الیاس برنی قبلہؒ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مناظر احسن گیلانی، حضرت سید یعقوب صاحب مجددی و نقشبندیؒ المعروف بہ منحنی میاں صاحب، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالقدیر بدایونی شاہ نقلی، مولانا منظور احمد نعمانی الفرقان کے مدیر کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

حضرت محدث دکنؒ کے خلفاء: آپؒ اپنے وصال سے کچھ عرصہ قبل چند مریدان طریقت کو خرقہ خلافت عطا کیا جبکہ آپؒ کے مریدوں کی تعداد ایک محتاط اندازہ کے مطابق پانچ لاکھ سے متجاوز ہے۔ ذیل میں آپؒ کے خلفاء کے نام درج کیے گئے ہیں[1]۔

---

[1]: سید عبدالرؤف مسافرؒ مرقع حسنات (حالات زندگی حضرت قبلہؒ)

(۱) مولانا حضرت ابوالبرکات سید خلیل اللہ شاہ صاحب قبلہ رح
جانشین محدث دکن و فرزند ارشد بمقام حسنی علم صدر آباد دکن۔

(۲) مولوی حضرت سید شاہ رحمت اللہ صاحب قبلہ مدظلہ العالی
فرزند اصغر، وظیفہ یاب محکمہ اگریکلچرل آندھرا پردیش مقیم حسنی علم

(۳) مولوی سید عبدالروف صاحب۔ مسافر قبلہ رح (داماد)

(۴) مولوی محمد عبدالستار خان صاحب ڈاکٹر قبلہ وظیفہ یاب ہیڈ مسٹر صدر مدرس جامعہ عثمانیہ

(۵) حضرت غلام جیلانی صاحب قبلہ رح

(۶) حضرت حافظ صدیق حسین صاحب قبلہ رح

(۷) جناب صاحب۔ زادہ لطف علی خاں صاحب قبلہ رح

(۸) جناب عبدالرزاق صاحب قبلہ

(۹) جناب محمد عبدالحمید صاحب قبلہ

(۱۰) قاضی مولوی عبدالوہاب صاحب قبلہ

(۱۱) حاجی محمد حسین صاحب قبلہ

(۱۲) مولوی جعفر علی صاحب قبلہ

حضرت قبلہ رح کے تمام خلفاء عالی مرتبت اور وجیہ کمال ہیں۔
اور ان تمام کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ اپنے شیخ
کی خدمات میں شب و روز حاضر رہا کرتے تھے۔ اور علم و فیض و برکات سے مستفید ہوتے تھے۔

مولانا ابوالبرکات حضرت مرشد کامل سید خلیل اللہ شاہ صاحب قبلہ رح
جانشین محدث دکن علیہ الرحمہ کے فرزند اکبر تھے۔ خلافت کا
رشتہ بھی آپ کے ظاہر و باطن کی ظاہر کر سکتا ہے۔ لیکن جانشینی
آپ کے اس اعزاز کو چار چاند لگا دینے کے لئے کم نہیں ہے
آپ کے حال و مال میں حضرت محدث دکن سے مماثلت اتنی
آپ مثال تھی۔ صورت، سیرت، چہرہ، خندہ پیشانی،
افکار، اذکار، روزہ، نماز، حقیقت، مجاز، تکلم، تبسم،
جلال، جمال، ظاہر، باطن وغیرہ التماثل ع
آئینہ السا بھی ہے اک آئینہ کے روبرو۔
حضرت ابوالبرکات سید خلیل اللہ شاہ صاحب قبلہ رح کو جو
علوم و فیوض کی نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔ وہ آپ کے والد
بزرگوار ہی سے آپ کو منتقل ہوئی ہیں۔ پھر آپ میں
موجود خداداد صلاحیتوں نے ان نعمتوں کو سونے پر سہاگہ
بنا دیا۔

حضرت خلیل اللہ شاہ قبلہ رح محکمہ زراعت عطیات میں بحیثیت
اردو مائیپڈ سے وابستہ بھی رہے۔ لیکن مسند نشینی کے بعد ملازمت
ترک کر دی۔ دوران ملازمت بھی آپ نے اپنے فرائض کے
بعد سلک کی پابندیوں کی بیڑیں چھوڑا۔ آپ کے وصال کے کم و بیش
چھ یا آٹھ ماہ بعد وقوعیم اور ذمہ داریوں کے بارگراں سے صحت بھی
متاثر رہی اور بیماری بھی ظاہر ہونے لگی۔ آپ میں بھی روشن ضمیری وسیع القلبی

کے پورے پورے اوصاف نمایاں تھے۔

حضرت محدث دکن کی علالت اور نقاہت کے دوران بحکم پیر و مرشد آپ نمازوں میں جماعت کی امامت کیا کرتے تھے اور لوگوں کو ضروری اذکار اور مناسب وظائف دیا کرتے۔

خلیفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں صاحب سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ اپنی کم عمری ہی سے حضرت محدث دکن کی خدمت بابرکات میں حاضر رہا کرتے تھے۔ پھر بیعت سے مشرف ہوکر اپنے شیخ کے دست راست کہلائے۔ آپ کو محدث دکن کے گھر میں ایک خاندانی فرد کی حیثیت حاصل تھی۔ اپنے شیخ کے مزاج داں رہے ہیں۔ کیونکہ شیخ کے علمی کاموں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ ادھر شیخ کی خدمت میں حاضری برابر جاری رہتی تھی۔

مولانا کے علمی خدمات کے اعتراف کے لیے یہ کافی ہے کہ آپ نے حضرت محدث دکن کی رہنمائی میں زجاجۃ المصابیح کی طباعت و اشاعت کا کام انجام دیا۔ اور اس کے اردو ترجمہ نور المصابیح کے کام میں برسوں سے لگے ہوئے ہیں۔

نبیرہ محدث دکن مولانا انوار اللہ شاہ صاحب مدظلہ جانشین ابوالبرکات سید خلیل اللہ شاہ قادری محدثی و نقشبندی ہیں۔ آپ نے جد امجد کے وصال کے وقت عنفوان شباب میں قدم رکھا تھا۔ بالیں سے آپ کی کمسنی میں حضرت محدث دکن کی خصوصی تربیت کا شرف

حاصل رہا۔ چنانچہ حضرت محدث دکن کی شریعت کی آپ کی تمنی
نے ایسا قبول کیا کہ عمر رسیدہ افراد بھی آپ پر رشک کرتے ہیں۔
آپ نے مختصر عرصے کے لیے ملازمت اختیار کی۔ تعلیم و تعلم
پیشہ رہا۔ لیکن دینی علم اور دینی امور پر تحقیق اور دسترس
حاصل کرنے کو فرض عین سمجھ کر ملازمت کو خیرباد کہہ دیا۔
آپ اپنے پیر طریقت اور جد امجد کے مسلک پر چلتے آئے
آج بھی سالکوں اور طالبوں کی کثیر تعداد آپ سے استفادہ حاصل کرتی ہے۔

آپ مولانا ابوالبرکات حضرت سید خلیل اللہ
شاہ صاحب قبلہ کے جانشین حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ کی خانقاہ
کے باب الداخلہ کہلاتے ہیں اور آپ کی حضرت ابوالبرکات قبلہ
کے وصال پر گدی نشینی سونپی گئی ہے۔ حضرت خلیل اللہ شاہ صاحب
کا وصال ہوکر چار سال کا عرصہ گذر چکا ہے یعنی ۱۹۹۲ء جمادی الاخر۔

حوالے کے لیے سوانح عمری حضرت محدث دکن مولفہ پروفیسر ڈاکٹر
محمد عبدالستار خان صاحب قادری محدثی و نقشبندی اور مرقع حسنات
مولف مولوی عبدالرؤف صاحب مسافر (داماد حضرت محدث دکن قبلہ) دیکھی جاسکتی ہے۔

اس باب کی تکمیل کے بعد ضمن حالات زندگی و تصرہ
زجاجۃ المصابیح محدث دکن علیہ الرحمہ جناب مرزا شکور بیگ صاحب۔
خادم و مرید بحوالہ ایڈیٹر صدق جدید لکھنو مولانا عبدالماجد دریابادی
کی جلد ۱۷ شمارہ ۱۱ مورخہ ۳ر جمادی الاول ۱۳۸۲ھ مطابق
۱۱ر ستمبر ۱۹۶۲ء بروز جمعہ کی اشاعت میں یہ تحریر فرمایا:

"۱۸ر ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ
(اکتوبر ۱۹۶۲ء) بروز پنجشنبہ
بوقت ۸/ بجے صبح۔ "دکن کا آفتاب
طریقت غروب ہو گیا۔"

جہاں مرزا شکور بیگ صاحب نے قمری و شمسی دونوں تواریخ کا حوالہ دیا ہے۔ قمری تاریخ درست ہی لکھی ہے مگر شمسی تاریخ کا حوالہ غیر درست ہے۔ شاید اسی لیے انہوں نے اس تاریخ کو قوسین کی مدد سے تحریر فرمایا جو قیاس پر مبنی ہے۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ قوت حافظہ سے کام نہیں لیا اور دوسرے حوالے پر بھروسہ کیا۔ اس کے علاوہ ان کا مقصد خمون شعر زجاجۃ المصابیح سے ہے نہ کہ تاریخ وصال۔ اس لئے وہ اپنے خمون سے کام لیتے ہے۔ حالانکہ آپ بذات خود بوقت وصال حضرت محدث دکن کے پاس موجود تھے۔

اس طرح آپؒ کی تاریخ وصال دیگر کتب حالات زندگی
وارشادات عالیہ مرتبہ محمد علی خاں محدّثی ونقشبندی
ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ
وخلف محدث دکن، مولوی عبدالرؤف مسافر خواہرزادہ
محدث دکن بلدرگی، کلیم قریشی آبروئے دکن حنفی اورتقویم
کے حوالوں سے حسب ذیل قرار پاتی ہے۔

تاریخ وصال حضرت ابوالحسنات حضرت عبداللہ شاہ صاحب
قادری محدّثی ونقشبندی نور اللہ

تاریخ - دن - وقت - مقام - ماہ - سن -
۱۸ر - پنجشنبہ - ۸/۰ بجے صبح - حنفی علم - ربیع الثانی - ۱۳۸۴ھ (قمری)
۲۷ر - " - " - " - اگسٹ - ۱۹۶۴ء (شمسی)

اس طرح آپؒ کی تاریخ وصال شمسی ۲۷ر اگسٹ بروز
جمعرات آٹھ بجے صبح ۱۹۶۴ء بمقام حنفی علم ہے نہ کہ
(اکتوبر ۱۹۶۳ء)

۱؎ تبصرہ زجاجۃ المصابیح، مرزا شکور بیگ خادم ومرید محدث دکن،
روزنامہ سیاست، بروز دوشنبہ ۱۶ر جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ
۲۱ر نومبر ۱۹۹۴ء

بَاب دوم

"تصوف کیا ہے"

صوفیاء کا وہ مقام ہے کہ جو صرف اپنے مولیٰ جل شانہ کے طلبگار ہو جاتے ہیں۔ اُن کا ہر کام صرف اللہ کی رضاجوئی حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اُن کے تن کا ہر عضو صدا دینے لگتا ہے۔ احکام الٰہی اور حبّ رسول اُن کے دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ جس کے وہ سختی کے ساتھ پابند ہو جاتے ہیں۔ جو رب العالمین سے محبت کرتے ہیں اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں پروردگار عالم اُن کے درجات میں سرفرازی و سربلندی عطا کرتا ہے۔ اُن کے وصال کے بعد بھی اُن کا تذکرہ کرواتا ہے اور ترقی کے بلند ترین درجات پر فائز فرما کر انھیں جملہ فیوض و برکات سے نوازتا ہے۔

تصوف کے بارے میں مختلف لوگ مختلف انداز سے اظہار خیال کرتے رہے ہیں۔ غیر مسلم نقطہ نظر اس سلسلے میں کچھ گمراہ کن سا ہے۔ لیکن خود مسلمانوں میں بھی تصوف کے بارے میں واضح نقطہ نظر موجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ صوفیا اکرام نے قرب الٰہی کے لیے جو بھی طریقہ کار اختیار کیا وہی تصوف قرار پایا۔ اصل میں جتنی تعریفیں کی گئی ہیں۔ اُن میں تصوف کے صرف ایک پہلو یا اس کی صرف ایک جہت کو پیش کیا گیا ہے۔

۱ "تصوف کے معنے بہت سے بیان کیے گئے ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کا نام تصوف ہے۔ بعد فقہ، عظم علوم علم احسان تصوف است۔ اعنی آنچہ امروز باسم علم سلوک جسمی شود قوت القلوب و احیاء العلوم اور ان مصنف شدہ است۔ اس سے یہ ثابت ہے کہ یہ عربی لفظ ہے اور یہ اس علم کا نام ہے جو آدمی کو زندگی تعلیم دیتا ہے۔"

۲ "صوفی کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے کیا معنے ہیں۔ صوفی کے متعلق بہت کچھ اختلافات ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ اصحاب صفہ کی نسبت سے ہے اور عربی لفظ ہے۔

اصحاب صفہ وہ صحابی کہلاتے تھے جو مسجد نبوی میں رات دن ایک چبوترہ پر رہتے تھے اور ریاضت و عبادت تعلیم میں مشغول رہتے تھے یہ لوگ جہاد کے سوا کہیں نہ جاتے تھے۔ لیکن لغوی اعتبار سے صفہ سے صفوی ہونا چاہیے تھا نہ کہ صوفی۔ بعض کا خیال ہے کہ صف سے ہے چونکہ قرب الٰہی میں سب سے اول صف میں ہیں۔ اس لیئے اس لقب سے ملقب ہوئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ اصل میں صفوی تھا۔ کثرت استعمال سے صوفی ہو گیا۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ چونکہ صوفیہ صوف پہنتے تھے اس لئے صوفی کہلائے۔ یہ خیال اس لیئے صحیح نہیں کہ صوفیائے کرام کے یہاں صوف پہننا لازمی نہیں ہے۔ امام الصوفیہ امام قشیری رسالہ قشیریہ میں فرماتے

"پشمینہ پہننا" اس فرقے کی خصوصیت نہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ
اصل میں یونانی لفظ (سوف) سے بنا ہے جو بمعنی حکمت ہے۔
چونکہ صوفیاء میں اشراقی حکماء کا سا رنگ انداز پایا جاتا تھا۔
اس لئے یہ صوفی مشہور ہو گیا اور اہل عرب اسے (ص) سے
لکھنے لگے۔ میرے نزدیک یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمارے
حضرات صوفیاء کرام میں ہرگز اشراقی حکماء کا سا انداز نہ تھا۔ ان
کو اشراقی حکماء کے طور و طریق سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔
کیونکہ حقائق اشیاء کو جاننے کی چار گروہ ہیں۔
(۱) صوفی: یہ نور نبوت، اتباع رسول، ریاضات و مجاہدات و عقل سلیم
سے دیکھتا ہے اس کے بانی انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان کی ترقی
کی کوئی حد نہیں ہے۔"

محمد الباری صاحب تصوف کی حقیقت کے بارے میں بیان
کرتے ہیں کہ:۔ ع۱

"اور یہاں اصطلاحی تصوف کی حقیقت
بیان کرنا منظور ہے جو نام ہے باطن کو رذائل
سے خالی کرنے اور فضائل سے آراستہ کرنے کا
جس میں توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے عام
اس لئے کہ وہ کسی عمل شرعی سے ہو۔"

آگے مزید فرماتے ہیں کہ:۔ ع۲

ع۱ اور ع۲: مواد ماخوذ "الباب فی التاریخ" تصوف کس زبان کا
لفظ ہے اور اس کے کیا معنے ہیں؟" تاریخ تصوف" عبدالصمد صارم الازہری
ص ۷، ادارہ علمیہ ۵، دھنی رام روڈ، نئی انارکلی لاہور، باہتمام مولوی
محمد یعقوب خاں ڈیروی منیجر بار اول ۱۹۶۹ء۔

"تصوف میں درحقیقت یہ بڑی اہم تجدید و
اصلاح تھی کہ اعمال و اخلاق کے مواخذہ
و معالجہ کے مقابلہ میں مروجہ اوراد و اشغال
اور اوراد و وظائف کی حیثیت بالکل ثانوی
اور تیسرے درجہ کی تھی ان کا ذکر مجلس میں
شاذ و نادر ہی آتا۔ لیکن اعمال و اخلاق
پر روک ٹوک دن رات رہتی۔"

تصوف کیا ہے؟ کے ضمن میں جناب ضیاء الحسن فاروقی اپنے
مضمون "ہندوستان میں تصوف" میں یوں رقمطراز ہیں کہ:[۳]

"سماع کا مسئلہ ایک مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے۔
لیکن جنید شرائط کے ساتھ اکثر اکابر صوفیہ
نے اسے جائز سمجھا ہے۔ جن بزرگوں نے
اس سے منع فرمایا ہے وہ درحقیقت
اسے قضاء کا مسئلہ سمجھتے ہوں گے اور
یہ دیکھ کر کہ اس سے معاشرہ میں خرابیاں
پیدا ہو رہی ہیں اور تصوف بدنام ہو رہا ہے
اس سے باز رہنے کی تلقین کی ہوگی۔ معروف
کا عشق نیر شور تھا۔ اس میں جوش و سرمستی
غالب تھی اس لئے انہوں نے سماع اور اہل سماع
کی منشیت بھی بڑی بلند و آستگی اور نشاط
انگیزی کے ساتھ کی۔"

۱: تصوف کی حقیقت، تجدید تصوف و سلوک، عبدالباری،
ص ۱۷، مکتبہ اشرفیہ، یوپی، ۲۷ دسمبر ۱۹۷۳ء۔

۲: " " " " " " " "
ص ۵۷،

۳: ہندوستان میں تصوف، ضیاء الحسن فاروقی، از آل احمد سرور، تصوف کیا ہے؟
ص ۵۶۔

عبدالصمد صارم الازہری، سماع اولیائے کرام کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ: ع۱

"ہندوستان میں سلسلہ عالیہ چشتیہ میں سماع کی ترویج خاندان عالیہ سہروردیہ کے بزرگ آعظم خواجہ ماضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے ذوق روحانی کی مرہون منت ہے۔"

آپ آگے لکھتے ہیں کہ: ع۲

"کہ جب ماضی صاحب ایران سے دہلی آرہے تھے تو راستہ میں ایک خوش الحان پرندہ کی آواز سنکر بیہوش ہوگئے جب ہوش آیا تو حضرت خضر کو دیکھا انہوں نے کہا حمید الدین آج تم نے سماع سنا دیگر اولیاء اللہ نے بھی سماع سنا ہے یہ الفاظ گویا سماع سننے کی اجازت پر محمول تھے۔"

آخر میں مروجہ قوالی کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ع۳

"زمانہ موجودہ میں جو قوالی رائج ہے اور جس کو محض گرمی محفل کا سامان یا تفریح دماغ کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔ اس میں اور اس میں (قدیم سماع میں) زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

دہلی میں ایک بزرگ صوفی صابر علی شاہ چشتی تھے وہ گانا نا سنا کرتے تھے۔ جب ان کا

ع۱ اور ع۲: سماع اولیائے کرام، عبدالصمد صارم الازہری، ص ۲۴۷ اور ۲۴۸۔

ع۳: سماع اولیائے کرام، عبدالصمد صارم الازہری، ص ۲۴۸۔

وقت آخر ہوا تو حضرت شاہ اسحاق صاحب
کو بلایا اور کہا سب کو معلوم ہے کہ میں گانا
بجانا مزامیر کے سنتا تھا مگر یہ جائز نہیں
اس لیے آپ میرا منہ کالا کر کے گدھے
پر سوار کر کے مجھے خانقاہ میں تشہیر
کیجیے یہ امر میں نے اس لئے تجویز کیا ہے
کہ مرید پیروں کے افعال کو سند پکڑتے
ہیں۔ ممکن ہے کہ میرے بعد میرے مرید
گانا سنیں لہٰذا ان کو معلوم ہو جائے
کہ یہ جائز نہیں ہے اور میں نے گناہ کیا
ہے جس کی یہ سزا ہے۔"

ڈاکٹر تاراچند ایک بہت اہم مورخ ہیں۔ انھوں نے اسلامی موضوعات اور اسلامی اثرات پر سیر حاصل کتابیں تحریر کیں ہیں۔ لیکن تصوف کے بارے میں ان کا ذہن بھی صاف نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ۱؎

"تصوف ایک ایسا مسلک ہے جس میں
انتہا ہی خود سپردگی ہے اور جس کا جذبہ عشق ہے"

یہاں تو یہ بات ٹھیک ہے کہ تصوف کا بنیادی جذبہ واصل عشق الٰہی ہے۔ لیکن آگے تاراچند تحریر فرماتے ہیں۔ ۲؎

"شاعری اور رقص و سرود اس کا ذریعہ
عبادت ہے اور فنا فی اللہ ہو جانا اس کا
منتہائے مقصود۔"

فنا فی اللہ ہو جانے کی بات بھی تاراچند نے درست ہی لکھی ہے۔ کیونکہ تصوف نہ صرف رضائے الٰہی کے لیے ایک راستہ ہے بلکہ عشق رب العزت میں اپنے آپ کو فنا کرنے کی خواہش بھی صوفی کا مقصود ہوتی ہے۔ لیکن تاراچند نے شاعری اور رقص و سرود کو اس کا ذریعہ عبادت بتایا ہے اور یہ بات پوری طرح سے غلط ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ ہر صوفی نے شاعری نہیں کی، یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ صوفی کو شاعری سے دلچسپی ہو۔ ہر صوفی کو رقص

۱؎: بحوالہ ڈاکٹر تاراچند، تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ترجمہ محمد مسعود احمد، ص ۱۴۶، مجلس ترقی ادب لاہور پاکستان ۱۹۶۶ء

۲؎: بحوالہ ڈاکٹر تاراچند، تمدن ہند پر اسلامی اثرات ص ۱۴۶

وسرود سے دلچسپی رکھنا بھی لازمی نہیں ہے۔ دراصل ذہنی ارتکاز کے لیے موسیقی اور شعر معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اسی لیے صوفیا کے ایک خاص مسلک میں موسیقی کو کچھ اہمیت دی گئی۔ لیکن یہاں بھی ایک بات بہت اہم ہے کہ موسیقی کے ساتھ لفظ بھی شامل ہو جائے۔ یہ بات مسلم ہے کہ شعر اور موسیقی کے امتزاج سے کیفیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ صوفیا کے ایک خاص گروہ نے سماع کو جائز قرار دیا جبکہ صوفیا کے بعض گروہ سماع و موسیقی کو غیر درست مانتے ہیں۔ تاہم جنہوں نے محفل سماع کو دیکھا ہوگا یا شرکت کی ہوگی۔ لیکن انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ شاعری، رقص و سرود تصوف کا ذریعہ عبادت ہے بے حد گمراہ کن ہے۔

ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری نے تصوف پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لوگوں نے اس کی کئی تعریفیں بنا رکھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ع ۱

"ایک جماعت تو کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کملی اوڑھتا ہے۔"

لیکن یہ تعریف صحیح نہیں ہے۔ اصل میں خرقہ پوش کا ایسا گروہ جنہوں نے دنیا کو صرف کملی تک محدود کر دیا ہو یعنی عیش پسندی

ع ۱ : بحوالہ ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، مترجم ابوالحسنات سید محمد احمد قادری ص ۱۱۲، اردو ترجمہ نسخہ سمرقند، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور - پاکستان مطبع عارف پرنٹنگ پریس لاہور، ۱۹۷۸ء

اور عشرت کے سازوسامان ترک کر دیے ہوں۔ ہجویری آگے لکھتے ہیں۔ ع ۱

"ایک جماعت کثتی ہے صوفی کو اس لیے
صوفی کہا جاتا ہے کہ وہ سرورِ قیامت
صفِ اول میں ہوں گے۔"

یہ تعریف بھی پوری طرح مکمل نہیں ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ کرنا کہ سرورِ قیامت صفِ اول میں کون ہو گا۔ اس کا فیصلہ بدرجہ اتم عمل امر ہے۔ لیکن یہاں دراصل صفہ اور صوفی کا تعلق پیدا کیا گیا ہے۔ صوفیا کے ایک اور گروہ کے بارے میں ہجویری لکھتے ہیں۔ ع ۲

"ایک گروہ صوفی کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ
اصحابِ صفہ کے ساتھ محبت و والہانہ رابطہ رکھتے"

اصحابِ صفہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اصحاب ہیں۔ جن کے لیے مسجد نبوی میں ایک علیحدہ مقام بنا دیا گیا تھا۔ جو صرف ذکر و عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ یہ جگہ مسجد نبوی میں آج بھی موجود ہے اور اس طہارت و پاکیزگی کا علامت ہے جو اصحابِ صفہ سے تعلق رکھتی تھی یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے دنیا کے تمام آسائشوں کو خدا اور اس کے رسول کے لئے قربان کر دیا تھا دنیا ان کے نزدیک ہیچ تھی اور طبعی ضروریات کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

ع ۱ : بحوالہ ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب ص ۱۱۲،

ع ۲ : " " " " " " " " " "

۔ لوگ کچھ ملتا تو کھا لیتے ورنہ صبر کرتے اور ذکر الٰہی میں منہمک رہا کرتے تھے۔ ہجویری کے بیان کردہ اس وضاحت سے یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید اصحاب صفہ کا طریقہ اختیار کرنے والا صوفی کہلائے۔ ہجویری نے آگے ایک اور فرقہ سے منسوب کر کے لکھا ہے کہ :[1]

"ایک فرقہ کہنے لگا کہ صوفی ایک اسم ہے جو صفا سے مشتق ہے یعنی جس کے اندر باطن صفائی ہے وہ صوفی کہلانے کا حقدار ہے۔"

وہ آگے لکھتے ہیں کہ :[2]

"اہل تصوف نے اپنے تمام معاملات اخلاق معاشی مادی اور ملی معذرت کر لینے اور اپنا دل کدورت و آلات دنیا سے صاف فرما لیا اس لیے انھیں صوفی کہا گیا۔"

مختلف گروہوں کی ان تعریفوں سے تصوف کی مکمل وضاحت تو نہیں ہوتی کیونکہ یہ تعریفیں صرف ایک جہت رکھتی ہیں۔ مسلک صوفیا سمجھنے کے لیے ہجویری نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر تصوف کا مطلب دل کا غیر اللہ سے منقطع ہونا ہے یا دنیا کی محبت سے خالی کر دینا ہے تو پہلے صوفی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کہے جا سکتے ہیں۔ جنھوں نے محبت رسولؐ میں مصیبتیں بھی جھیلیں،

ع۱ : ہجویری، کشف المحجوب ص ۱۱۲

ع۲ : " " " ص ۱۱۳

تکلیفیں اٹھائیں، ہجرت کیئے اور مال و اسباب کو ہیچ سمجھا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں۔ ع ۱

"صوفی وہ ہے کہ جب کلام کرے تو اس کا
کلام اس کے حال کے حقیقت کا مظہر ہو۔"

حضرت جنید بغدادیؒ تصوف کو ایک صفت کہا تھا۔ الٰہی
صفت جو بندے کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کا مفہوم ہجویریؒ
نے یوں بیان کیا ہے ع ۲

"حقیقت تصوف یہ ہے کہ بندے کی
صفت کو فنا کردے اور صفات عبد کا
فنا ہونا صفت حق باقی رہنے کرے
اور یہی صفت حق ہے اور رسم تصوف
دو امر ہیں بندے سے مجاہدات و ریاضات
کا تقاضہ کرتی ہے۔ اور فنائے صفت
استقامت و استمرار اس مجاہدے پر
رکھنا یہ بندے کی شان ہے۔"

تصوف کے ضمن میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ صوفیا دنیا کی آسائشوں کو آلائش سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ابوالحسن نوری کے مطابق تصوف نام ہے تمام حظوظ نفسانیہ کا ترک۔

ع ۱ : بحوالہ ہجویری، کشف المحجوب ص ۱۲۱ -

ع ۲ : " " " " " ص ۱۲۲ -

نفس کی لذتوں کا ترک کرنا بندے کے اختیار میں ہے
یعنی انسان اپنی مرضی سے دنیا کی لذتوں کو اور نفس کے حظ کو
ترک کر سکتا ہے۔ دوسری صورت اس کی یہ ہے کہ یہ لذتیں
فنا ہو جائیں جو اللہ کا عمل ہے یعنی اپنی خوشی سے ترک کرنا
الگ بات ہے اور اللہ تعالیٰ ان لذتوں کو فنا کر دے یہ ایک
الگ بات ہے اور صوفیاء سلوک کے اعتبار سے ارفع
ترین صورت اپنی مرضی سے ترک لذت ہے۔
حضرت محمد بن علی الحکیم ترمذی فرماتے ہیں۔ [1]

"تصوف ایک نیک خصلت ہے جو زیادہ
نیک خصلت ہے وہ اعلیٰ صوفی ہے اور
نیک خصلت دو قسم پر ہے۔ ایک خصلت
نیک بحق دوسری خصلت نیک بمخلوق۔"

ڈاکٹر محمد حسن نے ملا جامی کے قول کو پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: [2]

"صوفی کی اصطلاح سب سے پہلے ابو ہاشم
(۷۷۷ء/۸۷۷ء وفات) کے لیے
استعمال ہوا اور امام قشیری کی تحقیق
کی رو سے لفظ صوفی ۲۰۰ھ کے لگ بھگ
مشہور ہوا۔"

---

[1] : ہجویری، کشف المحجوب، ص ۱۲۵۔
[2] : میر ولی الدین، قرآن اور تصوف، ص ۹، دہلی ۱۹۷۸ء

لیکن احمد ڈار نے ان تمام توضیحات سے استفادہ کرتے ہوئے جو نتیجہ برآمد کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ: [1]

"تصوف عملی طور پر وہ طریقہ عبادت ہے
جس کا مقصود عملی طور پر ذات خداوندی
سے بلا واسطہ ربط پیدا کرنا ہے اور اس سے
رابطے کے حصول کے لیے ہر شخص کو چند
نفسیاتی تجربات سے گزرنا پڑتا ہے۔
یہ تجربات اور وارداتیں مختلف صوفیا
کا بہترین سرمایہ ہیں۔ جن کی بنیاد پر انھیں
حقائق حیات اور ذات خداوندی پر یقین
وثوق پیدا ہوتا ہے ان کا علم کتابی اور بالواسطہ
نہیں بلکہ ان کے اپنے نفس کی گہرائیوں سے ابھرتا ہے
اس لیے مشاہدہ اور کشف کے نام سے موسوم ہے۔"

لیکن احمد ڈار کے قول کے مطابق بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عملی طور پر بلا واسطہ ربط پیدا کرتا ہے۔ جس کے لیے وہ فرماتے ہیں کہ اس ایک رابطے کے حصول کے لیے ہر شخص کو نفسیاتی تجربات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور آگے چل کر یہی تجربات واردات میں تبدیل ہوتے ہیں۔ جس کی واردات طلب کہا جاتا ہے جو صوفیا اکرام کا بہترین سرمایہ بنتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بندہ اپنی زندگی کی

---

[1]: بحوالہ لیکن احمد ڈار "تاریخ تصوف" ص ۱، ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، پاکستان ۱۹۶۲ء

حقیقی لذتوں کو پاتا ہے۔ جس کے بے اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو ضائع نہیں کیا بلکہ اسے نعمت عظمیٰ
حاصل ہو گئی۔ جس کے بے رشید احمد ڈار لکھتے ہیں کہ اس کا علم نہ
کتابوں سے ملتا ہے اور نہ بالواسطہ ہے بلکہ صوفی کے نفس کی
گہرائیوں سے ان کا تعلق رہتا ہے۔ اسی لئے اسے مشاہدہ اور
کشف کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اسی لئے موسوم کیا گیا ہے
کہ صوفی کو ان دونوں مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور یہ دونوں
الگ الگ اور متضاد شئے ہیں۔ جہاں تک مشاہدہ کا تعلق ہے
صوفی عبادات و ریاضتوں کے ذریعہ سے نورالٰہی کے جلووں
کا نظارہ کرنے لگتا ہے اور برعکس اس کے کشف ایسی
علیحدہ چیز ہے جہاں صوفی کا تعلق اپنی ذات میں گم ہو کر
یعنی اصلیت کھو بیٹھتا ہے اور روحانی درجات کو اپنا کر
غیب کی باتوں کا علم حاصل کرتا اور حالت اصلی پر پہونچ کر
اس کا اظہار کرتا ہے جو کشف کی یقینی صورتحال ہے۔ ان
دونوں میں صوفی بڑی گہرائی و گیرائی سے کام لیتے ہوئے منزل مقصود
کو پاتا ہے اور اپنی ذات کو ان دونوں علوم کا مانند بنا دیتا
ہے۔ جبکہ مشاہدہ کا تعلق علم سے ہے۔ اور کشف کا
تعلق نتیجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

نسیم الدین کے خیال میں :[1]

"دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب اپنا
اپنا ایک مخصوص نظام تصوف رکھتے ہیں۔
مختلف مذاہب کے فلسفہ ہائے تصوف میں
چند تصورات کے اشتراک کے باوجود
انھیں ایک دوسرے سے بہ آسانی ممیز کیا
جاسکتا ہے۔"

نسیم الدین کے کہنے کے مطابق یہ بات درست ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب اپنا اپنا ایک مخصوص نظام تصوف رکھتے ہیں۔ یعنی ہر مذہب میں اس کے جداگانہ نظریات موجود ہیں۔ تصوف انسانی فطرت کی گونج ہے۔ اس راہ پر چلنے والے نہ صرف مسلمانوں میں ہی صوفی کہلائے گئے بلکہ ہندوؤں میں بھی ہیں۔ جن کو سادھو کہا جاتا ہے۔ جن کے پاس حیرت انگیز علم موجود ہے اور وہ قوت پرواز بھی رکھتے تھے۔ اس طرح عیسائیوں میں بھی ہیں۔ جنکو Adepts کہا جاتا ہے۔ اس طرح یہودیوں میں بھی ہیں۔ جنھیں احبار کہا جاتا ہے۔ صوفیا نظام فطرت کی ایسی ہوئی قوتوں کے ہیں جو اسلام کا اٹل قانون اور دین صحیح سمجھتا ہے جو ذوق حضوریؐ کی نشوونما کرکے اس درجہ کمال کو پہنچا دیتا ہے

---

[1] : بحوالہ نسیم الدین، دکن کے صوفیانہ نگریت، مقالہ برائے ایم۔فل غیر مطبوعہ، ص ۱۲، ۱۹۹۲ء

جہاں دنیا کا کوئی دوسرا مذہب فطرت کا یہ اہم کام سرانجام
نہیں دے سکتا سوائے اسلام کے۔

شیخ الاسلام ذکریا الانصاریؒ فرماتے ہیں۔ ع ۱

"تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفس
تصفیہ اخلاق تعمیر ظاہر و باطن سے
اور اس کی غائت و مقصد سعادت
ابدی کا حاصل کرنا ہے۔"

امام غزالیؒ کے ہاں تصوف کا مفہوم یوں بیان ہوتا ہے کہ: ع ۲

"اخلاق ذمیمہ و صفات خبیثہ
سے پاک و منزہ ہونا ہے تاکہ اس
کے ذریعہ قلب کو غیر اللہ سے خالی کیا
جائے اور اس کو ذکر الٰہی سے آراستہ
کیا جائے۔"

مندرجہ بالا دونوں تعریفوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تصوف ایک ایسا علم ہے۔ جس کے ذریعہ صوفی تزکیہ نفس تصفیہ اخلاق ظاہر و باطن کو پیش نظر رکھتا ہے اور اخلاق ذمیمہ و صفات خبیثہ سے پاک صاف ہو کر اپنے دل کو غیر اللہ سے خالی کر کے اللہ کے ذکر سے آراستہ و پیراستہ کرتا ہے۔

ع ۱ : بحوالہ ڈاکٹر مصیر ولی الدین، قرآن اور تصوف ص ۱۶-۱۱ -

ع ۲ : " " " " " " " " " " " " " " " "

نسیم الدین تصوف کا ایک اجمالی خاکہ کھینچتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ علم صوفیا میں رائج تصوف وہ ہے جو زمانے قدیم سے حلد آرہا ہے جہاں علم صوفیا کے چند نام بھی گنوائے ہیں۔ جیسے فضیل بن عیاض، ابراہیم ادھم معروف کرخی وغیرھم قابل ذکر صوفیا ہیں۔ جن کے پاس تصوف وہی تھا جو آج کے دور کے صوفیا میں پایا جاتا ہے وہی افکار، وہی اشغال و اعمال تھے جو قرآن و سنت سے ماخوذ تھے اور ان سب کا وہی مقصود تھا جو اسلام کا مقصود بھی ہے یعنی اخلاق باللہ اور توجہ الی اللہ۔ انسان کے اندر ایک تڑپ ایک ذوق ہوا کرتا ہے جو اس کو کشاں کشاں خالق لایزال کی طرف لے جاتا ہے یہی عشق الٰہی کی منزل جب وہ طے کرتا ہے تو بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

تصوف کے ضمن میں حکیم محمود نہاری لکھتے ہیں:[1]

"بہ ظاہر یہ علم تصوف الٰہیات میں شامل نظر آتا ہے مگر اس کی ابتدا وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے کیونکہ الٰہیات کا آلہ کار عقل ہے اور تصوف کا آلہ کار ماورائے عقل ہے اور اسی کا نام وحی، الہام، کشف اور اشراق ہے۔"

---

[1]: بحوالہ حکیم محمود نہاری، شہ میری اولیاء، مقدمہ، ص ۸ - گڑھے کا نہاری خاندان اور تصوف۔

یہاں یہ بات جو تصوف کے بارے میں بیان کی گئی ہے جس کو
علم الہیات سے تعبیر کیا گیا ہے درست بات ہے یعنی یہ
ایک ایسا علم ہے جہاں وجود ذات و صفات باری تعالیٰ پر
مکمل بحث پیش کی گئی ہے مگر اس کی ابتدا
کی وہ اختتام عقل کی پرواز سے منسوب کرتے ہیں جو ایک
مبہم سی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ چونکہ یہ علم الہیات
کا آلہ کار ضرور ہے مگر اس کا آلہ کار عقل ہے جو غیر درست
امر ہے۔ جہاں تک تصوف کا معاملہ ہے عقل سے اس کا
تعلق نہیں ہے بلکہ اس کی ہم آئینہ دل میں ٹٹولتے ہیں۔ جہاں
ظاہر و باطن، تزکیہ نفس، تصفیہ اخلاق پیش نظر ہوتا ہے
اور اسے انسان کے ماورائے عقل سے جوڑا گیا ایک تاسیمی سی
گفتگو ہے البتہ آخر میں چار اجزاء نفی وحی الہام کشف
اور اشراق سے زشتہ سموار کیا گیا ہے جو درست بات
کی تصدیق کرتا ہے اور یہ تصوف کے چار اہم اجزاء ہیں۔ جہاں
صوفی اپنے علم کے ذریعہ سے ان چاروں اجزاء میں منہمک
ہو جاتا ہے۔ جن میں باہمی گرا ربط پایا گیا ہے۔ وحی کے ذریعہ
سے صوفی پیغام الٰہی کا طلبگار ہوتا ہے اور یہ پیغام الٰہی
ایک صوفی کو اسی صورت میں ملا کرتے ہیں۔ جبکہ وہ صفائی
قلب میں ایک دوسرے پر برتری جتاتے ہیں۔ تب ہی تو اللہ تعالیٰ اپنے
پیغام حق سمجھاتا ہے۔

الہام بھی اسی کو اسی وقت ملتے رہتے ہیں جبکہ وہ اپنی ذات سے بلکل نظر آنے لگے۔ کشف بھی صوفی کو اسی وقت منکشف آتا ہے جبکہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے غافل رہے اور اللہ سے اپنا گہرا واسطہ برقرار رکھے جہاں اسے غیب کی باتوں کا علم ہوا کرتا ہے اور اس کی آخری صورت دیدار الٰہی سے متعلق بتلائی گئی ہے جس کو تصوف کی اصطلاح میں اشراق کہا گیا ہے۔ اسے عرفان اور معرفت بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ طبقہ صوفیا کے نزدیک علم وجد، اصلاح نفس، خدا کی تلاش اور اس سے سکون حاصل کرنا شامل ہوتا ہے۔ جہاں وہ انتہائی عالم محویت میں فنا فی اللہ ہو جاتے ہیں جو فنا بعد از بقاء کا درجہ ہے۔

تصوف کے بارے میں ایک اور بات کی طرف نشاندہی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ تصوف ایک ایسی مجموعے کا نام ہے۔ جہاں ہر وقت ہر حال اور ہر مقام پر ہمیں ایک بھرپور ادب کی رہنمائی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوحفص نیشاپوری فرماتے ہیں۔ جس نے اس راہ میں ملازمت آداب و ادعیات کو متعین کر لیا وہ مردان حق کے درجہ کو پہونچ گیا اور جس نے اس راہ کی رسم ادب کو ترک کر دیا اور جملہ آداب و اوصاف کو ضائع کر دیئے یقیناً وہ ان درجہ پانے والوں سے دور ہو گیا اور اس کے باوجود اس کا یہ گمان کہ میں

اللہ کے قریب ہوں۔ بلکہ غلط معنی و مفہوم پیش کرنے
بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ معبود حق کی بارگاہ سے مردود ہوگیا
اور غلط فہمی میں مبتلا درباری وہ قرب کے درجہ پر گامزن ہے۔

حضرت مرتعشؒ کے الفاظ میں تصوف ان چھ خصلتوں
پر منحصر ہے جہاں اوامر و نواہی سے متعلق مکمل بحث کی جاتی ہے
اور خصائل حمیدہ تین قسم کے متعلم گئے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اوامر اللہ ادا کرنے میں کسی قسم کا دکھاوا یا
ریاکاری نہ ہو اور ہمیشہ اپنے رب کی رضا جوئی کا طلبگار رہے
اور فرائض و حقوق کی ادائگی میں پیش پیش رہے۔

۲۔ دوسری خصلت یہ بتائی ہے کہ عوام کے ساتھ حد درجہ
محبت کا برتاؤ ہو ہر معاملہ میں انصاف کو پیش نظر رکھے
کسی سے کچھ معاوضہ یا اجرت کی آس گمان نہ رکھے۔

۳۔ تیسری خصلت یہ ہے کہ اپنے شیطانی وساوس سے
محفوظ رکھنے کی بھرپور کوشش کرتا رہے اور خواہشات نفسانی
کا غلام نہ بنائے۔

تصوف کے متعلق ہجویریؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے
حوالے سے فرماتے ہیں: ع ا

"تصوف آٹھ خصلتوں پر دلالت
کرتا ہوا قرآن سے یعنی آٹھ پیغمبران
اولوالعزم کی اقتدا سے صوفی صوفی

نتائے:"

۱۔ "سخاوۃ ابراہیم سے حاصل کرے وہ
وہ تھی کہ رضاء محبوب میں اپنے لختِ جگر
کو فدا کر دیا۔"

یعنی حقیقی تصوف ابراہیم علیہ السلام کی سخاوت کے پس منظر میں حاصل کیا جا سکتا ہے جہاں انہوں نے اللہ کی رضا جوئی کی خاطر اپنے اکلوتے لختِ جگر کو جو کئی برسوں کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ اللہ کے حکم پر قربان کر دیا۔ مگر یہ ایک طرح سے آزمائش تھی جس میں ابراہیم علیہ السلام کی ثابت قدمی کو سخاوۃ ابراہیمؑ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو تصوف کا ایک اہم ثبوت پیش کرتا ہے

۲۔ "رضا اسحٰقؑ علیہ السلام کی اقتداء میں
رضاء مولا پر اس درجہ راضی ہو کہ جان
کی پرواہ نہ کرے۔"

جنھوں نے اللہ کے حکم پر ثابت قدم رہے اور اللہ کی آزمائش پر پورے اترے اور صبر سے کام لیا۔ یہ ادا مولا کو بہت پسند آئی۔ جس کی تکمیل ہر سال قیامت تک ہوتی رہے گی جو تصوف کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

۳۔ "اور صبر ایوبؑ علیہ السلام کے اقتداء
میں کٹھنائیوں کے ساتھ بھی اگر امتحان ہو
تو خوشی سے برداشت کرے اور عبدِ ربانی پر
صبر سے کام لے۔"

۱: ہجویری، کشف المحجوب، ص ۱۲۶، ۱۲۷ اور ۱۲۸۔

۵: اسحٰق علیہ السلام سے یہاں مراد شاید اسماعیل علیہ السلام ہوں۔

یہ بھی تصوف کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ جب آدمی صبر سے کام لیتا ہے تو اس کی مراد پوری ہوتی ہے اور وہ ہر دو مقام پر کامیاب و کامران رہتا ہے۔

۴۔ "اور اشارہ ذکریا علیہ السلام یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا۔ (تم لوگوں سے تین دن تک نہ بول سکو گے مگر اشارے سے) اور اسی سورۃ میں فرمایا: اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا۔ (جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا خفیہ طور سے) تو صوفی کو بھی اس اشارہ کی اقتداء کرنا ہوتی ہے۔"

۵۔ "اور غربت میں یحییٰ علیہ السلام کی اقتداء کرے کہ وہ اپنے وطن میں اپنے آپ کو مسافر سمجھتے تھے اور رشتہ دار عزیز و آشنا سب میں رہ کر سب سے بیگانہ تھے۔"

چنانچہ صوفی کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے مولا کے حمد و تقدیس کے ترانے بجاتا رہتا ہے اور ہر معاملے میں راضی بہ رضا ہوا کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس دو روزہ زندگی میں ایک مسافر کی طرح سمجھتا ہے سب میں رہ کر سب سے جدا رہتا ہے۔

۶۔ "ادریس صوف میں اتباع سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہو کہ آپ کا لباس ہمیشہ

پشمینہ کا رستا تھا۔"

یہاں صوفی بھی یہی عمل دھراتا ہے کہ وہ موٹا کپڑا پہنتا ہے جس کو لباس پشمینہ کہا گیا۔ قرآن سے بھی صاف ظاہر ہے کہ "اون کملی والے" کہہ کر پکارا گیا۔ اس طرح یہ لباس صوفیوں کو اللہ کی یاد دلاتا ہے۔

۷۔ "اور سیاحت عیسیٰ علیہ السلام
کی اقتدا ہو کہ آپ اپنے سفر
میں اس قدر محو تھے کہ سوائے
ایک پیالہ اور کنگھی کے ہمراہ
کچھ نہ رکھا۔ حتیٰ کہ جب ایک شخص
کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے
پانی پی رہا ہے تو اپنے پیالہ کو
پھینک دیا اور جب ایک شخص کو
دیکھا کہ بالوں میں انگلیوں سے خلال
کر رہا ہے تو کنگھی
بھی ضائع فرما دی۔"

یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی سیاحت کا تذکرہ کرتے ہوئے فقر و بے نیازی کی طرف واضح نشاندہی کی گئی ہے تاکہ صوفی بھی جب کبھی سفر درپیش ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اقتدا کرے تاکہ قرب خداوندی حاصل ہو۔

۸۔ "اور فقر میں سید الانبیا حبیب کبریا
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا
کی جائے کہ یہ آنکہ حق تعالیٰ شانہ
نے خزانہائے روئے زمین کی کنجی

حضور کی خدمت میں بھیجی اور فرمایا
اے محبوب اپنی جان پاک پر محنت
و مشقت نہ ڈالیے اور خزانوں سے
جسقدر چاہیے خرچ فرما کر اپنی شان
تجمل دوبالا کیجیے۔ حضور سید یوم النشور
صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ جل مجدہ میں
عرض کی کہ الٰہی میں یہ نہیں چاہتا بلکہ یہ
چاہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور
ایک روز سو کر رہوں اور یہ اصول معاملہ
تصوف میں بہترین خصلت ہے۔"

تصوف کے امام حضورؐ کی اقتدار ہم سب کا اولین فرض ہے
سنت سے روگردانی کرنا روز قیامت حضورؐ کے سامنے
شرمناک پیدا کرنا ہے۔ آپؐ کی اتباع ہمارا فرض العین
اور عین فریضہ ہے کیوں کہ آپؐ کو ہمارے لیئے رحمت بنا کر
بھیجا گیا ہے اور ہمیں اسی بات کا فخر حاصل ہے کہ آپؐ کے
امتی ہیں۔ چنانچہ آپؐ سے ہمارا تعلق گہرا ہو اور صوفی آپؐ
کا اتباع کرنا اپنا حقیقی مقصد حیات تصور کرتا ہے اور
عمل پیرا ہو کر دین و دنیا کا فلاح و بہبود حاصل کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا:[1]

"

تصوف شرک طریقت ہے

اسی لئے کہ متصوف اپنے

دل کو محفوظ کرتا ہے غیر

کے دیکھنے سے اور صوفی کی

نظر میں وجود غیر معدوم ہے۔"

یعنی جب صوفی پر وحدت ذات کا سیر تو پڑھائے تو مقام توحید میں روایت غیر کو شرک طریقت کہا گیا اس لئے کہ جب تک صوفی میں وجود غیر کی کوئی قدر و منزلت ہی نہیں تو اس سے حفاظت کرنا یا اس کے وہم میں ذکر عبث آنا ہی محال ہے۔

تصوف کے چار مدارج ہیں۔

(۱) شریعت (۲) طریقت (۳) حقیقت (۴) معرفت۔

---

[1] ہجویری، کشف المحجوب، ص۔ ۱۲۴ اور ۱۲۵۔

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان چاروں مراتب کو اخروٹ سے مثال دے کر سمجھایا ہے۔ عالم شریعت نیم ہے کہ بعد حصول علم کے مسائل کے جھگڑوں میں گرفتار رہا اور وہمی کو علم کلام کے زور سے لپیا کر دے۔ ان مدعیوں کو علمائے ظواہر کہا جاتا ہے جن کی مثال اخروٹ کے پوست کی سی ہے۔

عالم طریقت وہ ہے جو ان علماء سے کنارا کر الگ ہوا اور جادہ اتقاء پیش کر مجاہدہ نفس پر کمر باندھی۔ لیکن انانیت باقی رہی کہ گناہگاروں سے بھاگتا ہے اور غیر شرع سے نفرت کرتا ہے یہ نفرت دلیل اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہتر سمجھتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ طریقت میں پہلا قدم دوئی اور انانیت کا مٹانا ہے۔ اس کی مثال استخواں کی ہے۔

تیسرا درجہ عالم حقیقت سے متعلق ہے کہ وہ رہبر کامل کے وسیلہ سے طریقت سے حقیقت میں آئے اور اس وقت جملہ مخلوقات کو اپنے آپ سے بہتر اور افضل مانتا ہے۔ اس کی مثال مغز کی سی ہے۔

چوتھا درجہ معرفت ربانی کا بیان کیا جاتا ہے جہاں صوفی حقیقت سے مقام معرفت میں پہنچتا ہے۔ اس مقام میں اسرار حقیقت سے واقف ہو کر اسرار سے مقربین میں داخل ہوتا ہے۔ اور اس طرح مقام قرب حاصل کرتا ہے۔ یہ مثال روغن کی ہے۔

چنانچہ اس طریق کو راہ سلوک و تصوف کہتے ہیں۔ پس تصوف ایک درخت کے مانند ہے۔ جس کا بیج شریعت،

شاخ طریقت پھول حقیقت اور پھل معرفت ہیں۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ تصوف سراپا اضطراب و بے چینی کی کیفیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اگر اس میں سکون و انجماد آجائے تو تصوف برقرار نہیں رہے گا۔ اس حقیقت میں راز مضمر ہے کہ روح کی کشش ہمیشہ بارگاہ الٰہی کی طرف ہوتی ہے لہٰذا صوفی کی روح ہمیشہ بلند مقامات و قرب الٰہی تک پہنچنے کی تگ و دو کرتی ہے مگر اس کے برعکس اس کا نفس اپنی وضع کے مطابق عالم سفلی میں تہہ نشین ہو کر پیچھے کی طرف لوٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے صوفی کو روح و نفس کی اس عظیم تر کشمکش میں مسلسل جدوجہد سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ ہمیشہ خدا کا محتاج بندہ بنکر رہتا، تلاش کرتا ہے اور اس کی کھوج میں رات دن مشغول رہتا ہے اور اپنے نفس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا ہے۔

ابتدائے تصوف کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ خدا سے محبت کی جائے اور جو خدا سے محبت کرتے ہیں محبت حقیقی کہلاتی ہے۔ ان سے اللہ بھی محبت کرتا ہے جیسا کہ خود اللہ کا فرمان ہے کہ اے رسول کہہ دو اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ احادیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں سے تقاضائے فطرت کے مطابق عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا ہے اور جب بندہ اس کے فرامین پر عمل کرتا ہے تو اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

تصوف کے اس اونچے مقام پر پہنچنے کے لیے نوافل کی کثرت سے پہلے اپنے حواس، ہاتھ پاؤں، آنکھ کان کی ان تمام امور سے بچانا ضروری ہے جو اللہ کو ناپسندیدہ ہیں۔ اور ہر حرام فعل سے اعضاء کو باز رکھنا ہر مسلم کا فرض ہے۔ اس میں صوفی یا غیر صوفی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ نہ صرف اعضاء و جوارح کو ہر مذموم فعل سے باز رکھنے بلکہ ناپاک اور مذموم ارادوں سے باز رکھنا ضروری جو عبادت کا ایک مقصود بھی ہے۔

تصوف کی اساس عشق ہے۔ صحابہ کرام کی زندگیوں میں اللہ اور اس کے رسول ؐ کے ساتھ جذبۂ عشق کارفرما تھا۔ اور اللہ کے ساتھ رسول ؐ کا عشق اور ان کی وارفتگی کا بیان خود قرآن میں ہے۔ جس طریقہ کی اساس قرآن و حدیث میں موجود ہے اسے اسلام سے مغائر نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ عین اسلام ہے۔ جذبۂ عشق جب صرف خواص میں نہ رہا تو عام لوگوں سے ممتاز کرنے کے لیے ایک الگ اصطلاح وضع کی گئی جس کو تصوف کا نام دیا گیا۔ مومن کی صفت قرآن میں بھی یہی بتائی گئی ہے کہ وہ عشق الٰہی میں سرشار رہتے ہیں۔

تصوف ایک نعمت عظمیٰ ہے جس کی قدر کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے حلاوت ایمان بخشا ہے۔

"بغداد اور تصوف"

بغداد ہمیشہ سے ہی علم و عمل کا گہوارہ رہا ہے جہاں طالبان علم اپنے گوہر نایاب کی مدد سے علم کی پیاس بجھاتے رہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بغداد علم تصوف کا ایک اہم ترین مرکز تھا جہاں صوفیا علماء اولیاء اکابر سبھوں نے اس مرکز سے اپنی پیاس بجھائی۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لیے شبانہ روز اسی مرکز سے وابستہ رہے اور علم و عمل میں نئے نئے نکتے نکلے۔ جس کا سلسلہ شروع دنیا سے ہے کر آج تک چلا آتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ماہر تصوف کے لیے شیخ کامل کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جو ہمارے لئے اشد ضروری ہے جس کی رہنمائی میں ہم تصوف کی منازل کو بہ آسانی طے کر سکتے ہیں۔ بے شک کتاب و سنت ایسی کچھ واضح ہے کہ جب تک اس کے سامنے کوئی نمونہ نہ ہو کوئی رہبری کرنے والا نہ ہو۔ انسان آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس لئے خلاق کریم وقتاً فوقتاً انبیاء کو مبعوث کرتا رہا۔ قرآن تو آج بھی وہی ہے۔ لیکن ہم مسلمانوں کی وہ حالت اب کہاں نظر نہیں آتی جو عہد رسالت میں تھی۔ اس لئے کہ تعلیم موجود ہے معلم یعنی کامل شیخ ماہر تصوف موجود نہیں ہے۔ یہ کام معلم یعنی ماہر تصوف ہی انجام دے سکتا ہے کہ وہ انسانوں کی زہد و تقویٰ، اخلاص و عمل، صبر و توکل، تسلیم و رضا اور اخلاق کا کامل

001759

پیکر بنا دے۔ عوام کی مثال تو ایک عام بات ہے۔ جن علماء کو کسی شیخ کامل کے روبرو زانوئے ادب تہہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا وہ آیات اور احادیث میں تو بال کی کھال اتاریں گے مگر روحانیت سے بے بہرہ، حرص، غرض و ریا، تحد لیڈری و نفس پرستی کے بندے بنے ہوئے ہوں گے۔ احکام شریعت کی پابندی جس کا اثر باطن پیرنہ ہی محض ایک رسم و عادت ہے۔ نماز کو خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا، نفس کا تزکیہ کرنا، تربیت شیخ کے بغیر ناممکن ہے۔ تربیت کا یہ کام بغداد میں انجام پاتا رہا۔ ہزارہا کتابیں پڑھ لی جائیں، احادیث و فقہ کے دفتر چھان لئے جائیں بہت کم لوگوں کے دلوں پر اثر ہوگا، متاثر ہوں گے تو دیر میں مگر انبیاء و اولیاء لمحوں میں انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ لقینا قرآن اس سلسلے میں بہت موثر ہے اور سلیم الفطرت افراد اس سے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن معلم سامنے ہو تو اس کی تاثیر کہیں سے کہیں پہونچا دیتی ہے۔

بغداد کے ضمن میں سلطان الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ روحانی تربیت کا سلسلہ اس طرح قائم کرتے ہیں جس کی بنیاد تصوف پر رکھی گئی ہے۔ آپؒ کا فرمان ہے کہ ایک فیض وسیلے اور دوسرا فیض، لقا ہے۔ انبیاء ان کے جانشین حواری و صحابہ اور ان کے بعد ان کے تربیت یافتہ علیٰ ہذا القیاس تا قیام قیامت یہی سلسلہ چلتا رہے گا۔ اس ضمن میں بغداد

ہی کے ایک بڑے جید عالم علامہ حافظ ابن حجرؒ محدث نے بھی شیخ کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ حضرت امام حنبلؒ حضرت ابو حمزہ بغدادیؒ اور شیخ عزیز الدین محدثؒ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کے آگے سر نیاز خم اور فیض و برکات حاصل کرنے پر مجبور ہوئے کیوں کہ آپ زمانے کے بہت بڑے جید عالم صوفی و محدث تھے۔ جن کی بنیاد تصوف پر رکھی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک ولی اللہ اور اس کے کمال باطنی کا موازانہ کرنے کے لیے جسم بصیرت ہی نہیں جسم باطنی کی بھی ضرورت ہے اور یہ کام بغداد شریف میں آئے دن ہوتا رہا۔ اس طرح سے بغداد شریف تصوف اور اہل تصوف کی آماجگاہ بن گیا۔

"تصوف کا ہندوستان کی طرف مراجعت"

ہندوستان میں تصوف کی داغ بیل حسن غزنوی کی آمد کے بعد پڑی پہلے پہل یہاں تصوف اولیاء اللہ روشن ضمیر کے ذریعہ سے ہی پھیلا۔ جس میں سرفہرست مخدوم الاولیاء سلطان الاصفیاء حضرت ابوالحسن بن علی بن عثمان علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ ہیں جنہوں نے اپنی حیات میں ہند میں اسلام کا پرچم لہرایا اور اپنی روحانی

قوت اور نظر کیمیا کے اثر سے بے شمار گم گشتگان بادیہ کفر و ضلالت کو گمراہی کے راستے سے باہر نکالا اور صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ اُن کے سینوں کو نورِ اسلام سے منور کیا۔ سندھ میں تشریف لانے کے بعد لاہور میں شمع ہدایت روشن کی کیونکہ اُس وقت مسلمانوں کے قدم وہاں جم رہے تھے۔ ابھی پورے طور سے سیاسی استحکام حاصل نہیں ہوا تھا۔ ان سے ایک شعر منسوب ہے۔ ؎

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا
نہ خدا را پیر کامل کاملاں را رہنما ۔

آپ کے بعد خواجگان سندھ الولی حضرت خواجہ معین الدین چشتی حسن سنجری اجمیری خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ کا تذکرہ ملتا ہے جو مدینہ منورہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایماء پر سندھ میں تشریف لائے اور تصوف کے علم کی شمع روشن کی۔ ہر طرف بت پرستی تھی۔ ایسے میں خواجہ غریب نواز نے تصوف کے ذریعہ اُن میں دینِ اسلام کو فروغ دیا۔

آپ کے بعد مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہٗ کا تذکرہ ملتا ہے جنھوں نے ہمیشہ سے حق کی تابعداری کی اور باطل کے خلاف صف جنگ کو آراستہ کیا اور وقت کے شہنشاہ کے ناروا سلوک سے منہ نہیں موڑا اللہ کے آگے یہ ثابت کر کے دکھایا کہ یہ سر سوائے اللہ کے کسی کے آگے نہیں جھک سکتا اور باطل کی نفی کرتا ہے۔

جیل میں بھی رہ کر بھی وہ اخلاق حسنہ اور تصوف کی اعلیٰ ترین مثال پیش کرتے ہیں۔ بادشاہ وقت کو مجبور ہوتا پڑتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کے نقش قدم کو اپنایا جائے جو تصوف کما اعلیٰ ترین نمونہ سمجھا جاتا ہے۔

آپ کے بعد دلی کے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء المعروف محبوب الٰہی کی زندگی پر جب نظر پڑتی ہے تو آپ عشق الٰہی و معرفت کی دشوار گذار منزلیں طے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو بے نظیر عالم تھے۔

آپ کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کا ذکر ملتا ہے جو بڑے کرامتی بزرگ تھے۔ آپ کے وصال کے ساتھ ہی چشتیہ سلسلے کا سلسلہ دور ختم ہو گیا۔ ان کے ایک وارث سید محمد گیسو دراز تھے جو دکن میں گرنا ٹک کے شہر گلبرگہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ اردو کے قدیم ترین مصنفوں و شاعروں میں سے ایک تھے۔

ہندوستان میں تصوف کے آغاز کا

سلسلہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری سے ملتا ہے جنہوں نے ہندوستان کو تصوف کا ایک مرکز بنا دیا۔

یوں تو شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی ہی میں شروع ہو گیا تھا اور ان کے ساتھ عرب ایران ترکی ثقافت سے بھی ہندوستان آشنا ہونے لگا تھا جس کا خمیدہ وسط الدشاء ایران و خراسان میں علمی و فکری سطح پر مذہب و فلسفہ اور تصوف و اخلاق سے تیار ہوا تھا لیکن تیرہویں صدی کے آغاز میں جب دہلی میں مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوئی تو گویا ہندوستان میں اسلامی ثقافت کے اس خاص رنگ کو جمنے اور پھلنے کا موقع ملا۔ یہ ثقافت جو منگولوں کی تباہ کاریوں کے ہاتھوں اپنے مولد و گہوارہ میں برباد ہو کر رہ گئی تھی اس ملک میں خوب پھلی پھولی جہاں سلاطین دہلی نے اپنی فوجی قوت و صلاحیت اپنے تدبر و معاملہ فہمی اور اپنی سمجھ بوجھ اور دانشمندی سے سرحدوں ہی پر منگولوں کو روکے رکھا اور یہاں ٹھہرنے اور جمنے کا موقع نہیں دیا۔

تصوف کے موضوع پر جو کچھ پہلے لکھا گیا تھا مثلاً ابو طالب مکی کی قوت القلوب، ابو نصر سراج کی کتاب اللمع اور امام قشیری کے رسالہ قشیریہ میں ڈھل ڈھلا کر، ہجویری کی کشف المحجوب اور شیخ شہاب سہروردی کی عوارف المعارف میں آگیا تھا۔ اور انھیں کے ساتھ امام غزالیؒ کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت تھی اور یہی کتابیں عرصہ تک ہندوستان میں

تصوف کی بنیادی اصطلاحی کتابیں رہیں۔ ابن عربی کی فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ پہلے پہل تک ہندوستان کے عالموں اور صوفیہ کے حلقوں تک پہونچیں، اور اسی طرح مولانا رومؒ کی مثنوی بھی سلطان کے عہد حکومت میں پہلے پہل ہندوستان آئی۔ تعلیق فصوص میں وحدت الوجود کے جس تصور کو ایک باضابطہ اور منظم نظریے کے طور پر پیش کیا گیا اور جس کی تشریح اپنے خاص انداز میں عراقی کی لمعات اور مولانا روم کی مثنوی معنوی میں کی گئی ہے وہ کسی نہ کسی روپ میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں صدی میں مذکورہ بالا کتابیں صوفی حلقوں میں متداول رہیں اور اصحاب حال و قال اور ارباب شعر و تصوف ان سے فیضان حاصل کرتے رہے۔ اس عہد کے تصنیفات، ملفوظات اور مکتوبات میں بھی ان کتابوں اور ابو سعید ابو الخیر، خواجہ فرید الدین عطار، سنائی اور مولانا روم وغیرہ صوفی شعراء کے اشعار اور ان کے تصوف کی گونج سنائی دیتی ہے۔

مولانا ابو الحسن ندوی "ہندوستان کے صوفیائے کرام اور ہندوستانی معاشرہ پر ان کے اثرات" میں لکھتے ہیں کہ:

"تصوف کے مشہور و معروف سلسلے اگرچہ ہندوستان سے باہر پیدا ہوئے لیکن انہیں مقبولیت ہندوستان کے مخصوص حالات اور ہندوستان

کو بھی اسی طرح نماز کے وقت بچھو نے ڈنک مارا تھا۔ اس کے بعد آپؒ نے اسی حالت میں حسب معمول امامت فرمائی۔[1]

وضو: حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ ہمیشہ حوض کے اُس کنارے پر تشریف لاکر وضو کرتے جو قبلہ رُو ہے اگرچہ محل وقوع کے لحاظ سے وہاں پہونچنا آپؒ کے لیے باعث زحمت تھا۔ مگر اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے ہمیشہ اسی کنارے پر قبلہ رُو وضو کیا کرتے تھے۔ غرض آپؒ کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف طور پر نظر آتا ہے کہ آپؒ کا ہر فعل کسی نہ کسی سنّت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

سنّت غیر موکدہ: آپؒ غیر موکدہ سنتوں پر بھی بالتزام عمل پیرا رہتے تھے۔ یہاں تک کہ کوئی مستحب عمل بھی آپؒ سے چھوٹنے نہیں پاتا تھا۔

عجز و انکساری: اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے مزاج عالی میں عجز و انکساری اور خدا ترسی کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ آپؒ سے ان صفات کا ظہور آئے دن ہوا کرتا تھا۔

---

[1]: سید عبدالرؤف صفاؒ خواجہ حضرت جلد اوّل حالات زندگی پیر و مرشد ص 19۔

کے مخصوص مزاج کی وجہ سے ہندوستان میں ہوئی۔
مشہور سلاسل تصوف طریقہ قادریہ، طریقہ
چشتیہ، طریقہ نقشبندیہ، طریقہ سہروردیہ
کے علاوہ وہ جنہوں نے ہندوستان میں آکر بڑی
ترقی کی۔ اس کے علاوہ ایسے طریق سلاسل بھی ہیں
جو خاص ہندوستان کی پیداوار ہیں۔ مولانا ابوالحسن
ندوی کے خیال میں ہندوستان میں مسلمانوں کے دور
کا آغاز صوفیا کرام ہی کی ذات سے ہوا خاص طور
پر حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے ہاتھوں یہاں
چشتی سلسلے کی مضبوط بنیاد پڑی۔ اور اس کے بعد
اس برا عظم کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک
خانقاہوں اور روحانی مراکز کا جال پھیلا۔ روحانی
مصلحین نے مطلق العنان سلاطین اور شہنشاہوں
کے خلاف آواز اٹھائی اور تباہی سے آگاہ کیا۔
بے حوالی ان کے وجود کا حصہ رہی ہے۔ زہد و استغنا
خودداری، ایثار قربانی۔ اشاعت علم میں خانقاہیں
بڑی اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ مناظر احسن گیلانی
کے خیال میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیا
اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں
بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی یہ انسانیت کی پناہ
گاہیں جہاں انسانوں سے بلا تفریق مذہب و ملت
اور بلا تخصیص نسل و ذات محبت کرنے کا درس ملتا ہے
سارے جہاں کا درد ان کے جگر میں تھا۔ ڈاکٹر
عابد حسین "ہندوستانی روح کا بحران" میں ہنگامہ
آرائیوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس حقیقت
توجہ دلاتے ہیں کہ یہ مرض ہندوستانی مزاج کو
مدتوں سے رہا ہے جس سے ہمارا وجود بحیثیت
قوم خطرے میں پڑ گیا ہے، ہمیں یہ اعصابی تناؤ

کی شکل میں ہمارے فکر و عمل کی قوتوں کو معاوق
نہ کر دے۔ ہندوستان میں تنگ، محدود، ذاتی
جماعتی، مذہبی، لسانی، علاقائی وفاداریوں نے چھوٹے
چھوٹے مقصدوں میں الجھا دیا ہے۔ اسی لئے
ہمیں دھرتی کے لال بربریت اور درندگی کا مظاہرہ
کرتے ہیں۔ خود پرستانہ حصار ذات پات کا نظام
کلنہ پروری جماعتی خود پرستی، مذہبی جنون، سیاسی
جبریت، لسانی، مذہبی، علاقائی ایثار اور برتری
کا مسخ توہمی اتحاد میں مزاحم ہے اندیشہ ہے کہ
فرقہ پرستی کی ہوا اس ملک کی وحدت کو متاثر نہ
کر دے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں ابھی تک
وسیع تر اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات سیاسی
تاریخی اور خود پرست عناصر فرقہ پرست عناصر
کی رقابت دونوں کا نتیجہ ہے۔ ایک طرف تو جارحانہ
فرقہ پرستی سر اٹھا رہی ہے تو دوسری طرف حصار
کے اندر زندگی گذارنے میں ایک خود لذتی ہے۔
ہیومنزم یا سیکولرزم ہیومنزم ابھی اس سماج
کا حصہ نہیں ہوا۔ اگرچہ دستور ہمارا سیکولر
ہے۔

۱۔ ہندوستان میں تصوف، دھون، ابو علی قلندر، مسعود سعد سلمان اور
جمالی کی شاعری کے آئینہ میں، ضیاء الحسن فاروقی، مرتب پروفیسر آل احمد سرور
ص-۳۸ اور ۳۹، کشمیر یونیورسٹی سری نگر سلسلہ مطبوعات اقبال انٹرنیشنل ۱۸
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بار اول فروری ۱۹۸۷ء آرٹ پریس، دریا گنج دہلی۔

بَابِ سوم

"حضرت عبداللہ شاہؒ بحیثیت صوفی"

اس امر سے کسی کو انکار نہیں کہ حضرت عبداللہ شاہؒ
اس زمانے کے عہد آفرین عالم صوفی تھے۔
شریعت اور طریقت کا نام عشق ہے۔ چنانچہ
جو اللہ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع
کرتا ہے۔ وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ یہی حال حضرت عبداللہ
شاہ صاحب قدس سرہٗ میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ فرما تھا۔
آپؒ اللہ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی
میں پورے طور سے ڈوبے ہوئے تھے۔ اسی لئے آپؒ کو
متفقہ طور پر صوفی تسلیم کیا جاتا ہے۔
حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہٗ کی تعلیمات یہ ہیں کہ
ہمارا سرمایہ عمل عاشقی اور تلاشی ہے یعنی ہم نے دنیا کی
محبت کو دل سے نکال دیا ہے اور ہم صرف خدا کی محبت
میں عبادت کرتے ہیں۔ کامل اخلاص یہ ہے کہ عبادت صرف
رضائے الٰہی کے لیے ہو طلب معاوضہ کے لیے نہ ہو۔ کیونکہ
اس کی عطا ہماری طلب سے بڑھ کر ہے۔ ہمارے جذبہ محبت
کی وقعت سے زیادہ وہ اس کا قدردان ہے۔ ہماری بندگی سے
اس کی بندہ پروری بہت بڑھ کر ہے۔
حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہٗ کے نزدیک دل آزاری
سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ آپؒ نے دل آزاری سے بچنے پر
بہت زیادہ زور دیا ہے۔ جو ایک حقیقت ہے۔ یہاں تک

کہ مسجد اور کعبہ کو ڈھا دینا بھی ان کے نزدیک اتنا سنگین گناہ نہیں ہے جتنا کہ دل آزاری سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ کی عبادت کامل اخلاص کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ آپ کا دل ہر طرح کے ریا سے پاک تھا اور اخلاق کی تمام برائیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے تھے آپ مخلوق کی خدمت صرف اللہ کی محبت میں کرتے ہیں۔ کبھی کسی مخلوق کی خدمت اللہ کی خدمت ہے۔ ان کا ہر عمل صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے ہوتا۔ آپ عشق رسول میں سرتاپا ہمیشہ مست خرق و سرشار رہا کرتے تھے اور عبادت الٰہی میں ہر دم و ہر لمحہ منہمک رہا کرتے تھے۔

حضرت محمد شریف قدس سرہ وہ ہستی تھی جن کے باطنی و ظاہری کمالات تام ہو چکے تھے پھر جانوں کے پیدا کرنے والے نے آپ کو اپنا دوست بنایا اور آپ کو بزرگی و عنایات کے اعلیٰ مرتبے پر فائز کیا۔ آپ میں وہ نقش حضوری نہاں رکھیں جو آپ کے شایان شان اور عظیم المرتبت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ آپ جامع الکمالات والصفات مظہر ذات نور خدا صوفی صافی بزرگ عابد زاہد متقی پرہیزگار حلیم و بردبار ولایت کے عہدہ جلیلہ پر فائز اپنی محنت شاقہ عبادت صالح و ریاضات کے عوض اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ولایت کے درجہ پر متمکن کیا۔ اس کے علاوہ نمایاں حیثیت سے سارے عالم میں زجاجۃ المصابیح

کے حوض حدیث دین کندنے کا شرف نہ صرف سرزمین دکن
بلکہ سارے عالم میں پایا۔ آپ کی ابتداء خود اس بات کی متقاضی
تھی کہ آپ سب میں موجود رہتے ہوئے بھی سب سے جدا ہیں۔ آپ
ایک نیک و پاک صاف ماحول میں آنکھ کھولی اور جس گھرانے میں
تولد ہوئے وہ گھرانہ خود اللہ والا گھرانہ ہے۔ آپ نے
وہ تعلیم و تربیت حاصل کی کہ سارا جہاں آپ پر رشک کرتا ہے
آپ بڑی سلجھی ہوئی فطرت اور نجی طبیعت باکمال شخصیت کے
حامل انسان تھے۔ یہ باعث آپ کی طبیعت میں فطرت میں آنکھ
کھولنے کے ساتھ ہی سے ودیعت کر گئی تھیں۔ اور لقمتاً یہ
نعمت آپ کے حصے میں اتری تھی جسکو آپ کے والدین بزرگوار
پیدائش سے قبل ہی محسوس کر لیا تھا۔ جس گہوارے میں جنم لیئے
وہاں تعلیمات قرآنی، احادیث نبوی، اللہ اور اس کے رسول کی
اطاعت و محبت اُن کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ بچپنی کے عمر ہی سے
باطنی تعلیمات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ آپ
کے والد محترم حضرت مظفر حسین شاہ صاحب قبلہ نے آپ کو
ایک مرشد کی سرپرستی میں دینے کے بعد یہ محسوس کیا کہ میرے
بیٹے میں ابھی تشنگی باقی ہے تو دوسرے مرشد کی خدمت میں روانہ
کیا تاکہ آپ کی تشنگی دور ہو سکے۔ اور آپ جامع الصفات و کمالات
میں ڈھل کر گوہر نایاب بن کر نکلے جو لاقیمت ہے۔

چنانچہ وہی ہوا جس کا توقع تھی۔ آپؒ ولی کامل صوفی منش بزرگ عالم دین محدث دقیق بلند پایہ رہنما عابد زاہد متقی پرہیزگار انسان ثابت ہوئے۔ اس طرح آپؒ کا چرچا ہر دو جہاں میں مقبول عام ہوا۔ ایسی ہستیوں کو زمانہ محشک کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور ان کی زندگی پر واہ واہ اور وصال پر آہیں بھرتا ہے۔

قرآن کے الفاظ میں ہم نے جن وانس کو ہماری اطاعت گذاری کے لئے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ آدمؑ کا وجود ہوا۔ پھر آخر میں نبی آخر الزماں جبرئیل کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سرزمین پر مبعوث فرمایا گیا تاکہ دین اسلام کی سعی کو بلند فرمائیں۔ نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔ اگر ان ہستیوں کا وجود نہ ہوتا تو پھر آگے کی دنیا کس طرح بنتی۔ یہ سب کرشمہ قدرت ہے جس کو اللہ جل شانہ نے اپنے نور کی اعلیٰ خصوصیات کو ظاہر کرنے اور وحدانیت کو منوانے کے لیے پیدا کیا۔ ایک عامی کے لئے صرف شریعت کی پابندی ضروری ہے مگر صوفی کے لیے شریعت کے ساتھ ساتھ دیگر تین منازل کی عبور کرنا بھی لازمی ہے۔ صوفیا اللہ کی یاد کی قوت اور کرامت کے حصول کے لئے نہیں انجام دیا کرتے بلکہ یہ محبت کا عین تقاضہ ہے۔ محبوب کو ہر وقت پیش نظر رکھا جائے۔ خدا اپنے فضل و کرم سے ان کو روحانی طاقت عطا کر دیتا ہے۔ جس کی مثالیں صوفیا کے واقعات میں بکثرت ملتی ہیں اور آج بھی

زمانہ اُن کا صدقہ دل سے معترف ہے کہ اُن کے روحانی تصدقات
کے ذریعہ سے فیوض و برکات اُن کے آستانوں سے جاری و ساری ہیں۔
یہ ساری باتیں حضرت قلندرؒ سے عین متعلق ہیں۔ آپؒ کے روحانی
فیوض و برکات اور کرامات کا سلسلہ آپؒ کے آستانے سے
اور بعد وفات نقشبندی چمن مصری گنج حیدرآباد دکن سے جاری
و ساری ہے اور قیامت تک یہ فیضان جاری و ساری رہے گا۔
یہ اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ ان نفوس قدسیہ نے خدا کے
ساتھ اپنے تعلق کو مستحکم بنالیا ہے اور خدا نے اپنے وعدے
کے مطابق اُن کو اپنا محبوب بنالیا ہے۔ آپؒ کی خانقاہ شریف
ہر آنے والے کے لیے دعوت نظارہ پیش کرتی ہے۔ جہاں ہر
فیوض و برکات کے طباق لٹائے جارہے ہیں۔ لینے والے
کی کمی محسوس کی جاتی ہے۔

آپؒ پرستگاری میں بے مثال عبادت و ریاضت
میں یکتا صوفی با عمل "تارک الدنیا" پابند شریعت حامی طریقت
حامل حقیقت و معرفت کامل بزرگ رہبر عالم نیک صفات
والے تھے۔ آپؒ کو وصال فرما کر عرصہ گذر گیا۔ مگر محسوس ایسا
ہوتا ہے کہ یہ ہستی اب بھی ہمارے درمیان بقید حیات ہے۔

باب چہارم

"تصنیفات"

تمہید

ادب عالیہ جس کو دوام اور بقاء نصیب ہو اس کی کچھ خصوصیات ہیں اور ان خصوصیات کی وجہ سے ایسا ادب زمان اور مکان کی قید کا پابند نہیں ہوتا ایسا ادب سدا بہار درخت ہے جو ہمدرشہ سرسبز و بارور رہتا ہے ہمیشہ سایہ فگن رہتا ہے۔ مثال کے طور پر علوم و فنون میں طب پر غور کریں۔ یہ انسان کی ضرورت کی جستجو ہے اس میں ترقی ہوتے رہے گی جسے طب یونانی، یونان سے مصر، عربوں نے یونانی زبان سے طب یونانی عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں منتقل کیا اور اس میں ایسی ترقی کی کہ آج یہ علم یونان میں نہیں ہے۔ لیکن ہندوستان میں اپنی افادیت کا لوہا منوا رہا ہے یہاں عرض کرنا یہ ہے کہ علم و حکمت جس تصنیف کا موضوع ہے اس کو بقاء نصیب ہوتی ہے۔ اولیاء کاملین حقیقی دانشور ہیں۔

کیونکہ اِن کے فکر اور فن کی بنیاد اخلاص، انسانیت اور بے غرضی پر ہوتی ہے۔
ان کے کارنامے لازمانی ہوتے ہیں۔ اس طرح جو مصنفین
اپنا ایک پیام رکھتے ہیں۔ ان کی علمی تخلیقات بھی زمان و مکان
کی قید سے بلند و بالا ہوتی ہیں۔ جیسے امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کے
علمی کارنامے ان کی کتاب احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، ابن خلدون
کا مقدمہ تاریخ، تصوف میں لاہور کے حضرت ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری
المعروف داتا گنج بخشؒ (۴۷۰ھ) کی کتاب کشف المحجوب، حضور
غوث الاعظمؒ (م ۵۶۰ھ) کی فتوح الغیب، غنیۃ الطالبین، مجالس ستہ،
حضرت بابا شہاب الدین سہروردیؒ (م ۶۳۲ھ) کی عوارف المعارف
حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی (م ۷۲۵ھ) کے ملفوظات
فوائد الفواد اور افضل الفوائد، حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ
(م ۸۲۵ھ) کی تفسیر اور تمام تر تصنیفات، حضرت جہانگیر اشرف
سمنانی کی ملفوظات اشرفی، مخدوم الملک حضرت شرف الدین یحییٰؒ کے
مکتوبات صدی وغیرہ، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ
کے مکتوبات اور شاہ معصومؒ کے مکتوبات معصومی، حضرت شاہ ولی اللہ
محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کی مایہ ناز کتاب حجۃ اللہ البالغۃ اور

اس طرح حیدرآباد کے مشہور محقق فقیہ العصر حضرت ابوالوفاء
(م ۱۹۷۵ء) کی فقہ اور قانون اسلامی کے کارنامے جو ادارہ
احیاء المعارف سے شائع ہوئے اور اسی طرح حضرت ابوالمحامد
سید محمد اللہ شاہ محدث دکن کی فن حدیث کی کتاب
نہایۃ المصابیح (عربی) اور آپ کے دیگر اردو تصانیف
جو اپنے اندر ایک پیام رکھتی ہیں اور جن سے انسانیت
کی بڑی خدمت انجام دی گئی ہے یہ سب دوامی کتب ہیں۔
اردو زبان جب تک رہے گی اس وقت
تک علمی، دینی، ادبی اور قدیمی تحریرات کی
اہمیت کم نہ ہوگی۔ حکومتیں بدل جائیں گی، ملکوں کے نقشے
تبدیل ہو جائیں گے مگر علم و حکمت کے یہ بیش بہا
خزانے ہمیشہ زندہ جاوید رہ کر انسانیت کی
خدمت کرتے رہیں گے۔ حقیقت میں ایسی معیاری
تصنیفات شہرت عام اور بقائے دوام کا لباس
پہن کر تاریخ کا ایک حصہ بن جاتی ہیں۔ ایسی
کتابیں قوم و ملت کا عظیم سرمایہ ہیں اگر یہ
لٹ جائیں تو ملت کی ایک متاع گویا گم ہو گئی۔

آپؒ کی تمام تصنیفات سلسلہ ممتع کی جیتی جاگتی تصاویر ہیں۔ جس طرح ایک عالم آپؒ کی کتب سے استفادہ کرتا ہے۔ اسی طرح ایک عامی معمولی نوشت وخواند کا حامل بھی ان کتب سے برابر فیضیاب ہوتا ہے۔ ایک مصنف کا یہ کمال ہے کہ وہ ہر طبقہ اور ہر مرتبہ کے انسانوں کے لیے اس کی تصنیفات کارآمد ہوں۔

حضرت قدس علیہ الرحمہ کو عربی، فارسی اور اردو پر یکساں عبور حاصل تھا۔ تفسیر، حدیث اور فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ علم تصوف میں کامل درک تھا۔ ایک طرف اگر آپ کی عارفانہ زندگی ترک دنیا کا مفہوم پیش کرتی ہے تو دوسری طرف آپ علوم شرعیہ میں کسی سے کم نہیں تھے۔ آپ کے تصانیف، ملفوظات، مکتوبات آپ کی علمی قابلیت واستعداد کو احاطہ نہیں کر سکتے۔ تفہیم کا طریقہ بیان کا سلیقہ جیسا آپ کو ملا ہے کم ہی کو ملا ہوگا۔ اپنی تصانیف میں آپؒ نے اپنی بصیرت پیش کی ہے جن کا مطالعہ ایمان کو بخشتا ہے۔ آپ کی تصانیف میں موعظت وتفہیم کا رنگ زیادہ اجاگر ہے۔ زبان میں بڑی روانی اور سلاست ہے۔ جب آپ سے کسی مسئلے پر گفتگو کی جاتی تو بہت ہی خندہ روئی کے ساتھ اس کا اظہار فرمایا کرتے۔

شریعت کا مسئلہ ہو کہ طریقت کی بات ہر ایک کو
عالمانہ انداز میں بیان فرماتے اور گفتگو کا محور
قرآن و حدیث رہتا۔ مزید وضاحت کے لیے بزرگان
سلف کے اقوال، حکایات اور امثال بیان کرتے
فارسی ادب سے بھی آپ کو گہری دلچسپی تھی۔ اس کا
ثبوت آپؒ کی تصانیف میں بیان ہے۔ کتابوں
میں فارسی شعراء کے کئی اشعار جابہ جا موجود ہیں
جن میں قابل ذکر فردوسی، رومی، سعدی شیرازی، حافظ وغیرہ شامل ہیں۔ مختلف موضوعات پر آپؒ
نے قلم اٹھایا اور اسے بایۂ تکمیل کو پہونچایا۔

آپؒ کی زندگی کی شاہکار تصنیف "مرجاۃ المصابیح"
ہے جس کو عالم اسلام میں بڑی قدر دانی کی نگاہ سے
دیکھا جاتا ہے۔ اسی موقر کتاب کی وجہ سے آپ کو
محدث دکن کے نام سے یاد فرمایا جاتا ہے۔

حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ اپنی بیشتر
تصانیف میں بہ لحاظ موضوعات متعدد حکایات،
متعدد اقوال زریں شامل کرکے قرآن و حدیث کے حوالوں سے
اسناد حاصل کیا ہے۔ آپؒ کی تصانیف سے نصائح بھی حاصل ہوتی ہیں اور
عبرت بھی۔ مولانا روم اور سعدی شیرازی کی تصانیف کا بھی یہی طریق کار رہا ہے
حضرت محدث دکنؒ نے ان ہی کی پیروی میں اپنی بات کو

واضح اور عام فہم بنانے کے لیے حکایتوں کا جابہ جا استعمال کیا گیا ہے۔
آپؒ کی ذات خود علم کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھی۔
جس کے ذخیرۂ علم میں بیش بہا انواع و اقسام کے لامانی خزانے ملتے جو ہر
پائے جاتے ہیں اس سمندر سے تشنہ کام نہ صرف سیراب ہوتا ہے بلکہ
ان ہی موضوعات پر لکھی گئی دیگر کتابوں کے مطالعے کی ضرورت بھی محسوس
نہیں ہوتی۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کی تصانیف بہ اعتبار
سالِ تصنیف درج ذیل ہیں۔

۱۔ گلزار اولیاء ۲۹ ربیع الاوّل بروز جمعہ ۱۳۳۴ھ م ۴ فروری ۱۹۱۶ء
۲۔ یوسف نامہ (المسمّٰی) گلدستہ طریقت ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ م ۱۸ اپریل بروز جمعہ ۱۹۳۰ء
۳۔ علاج السالکین ۱۳۵۵ھ م اپریل ۱۹۳۶ء
۴۔ کتاب المحبۃ ۲۰ ربیع الاوّل بروز شنبہ ۱۳۶۹ھ م منگل ۱۰ جنوری ۱۹۵۰ء
۵۔ حوائط حسنہ ۱۲ ربیع الاوّل بروز شنبہ ۱۳۷۴ھ م منگل ۹ نومبر ۱۹۵۴ء
۶۔ عبادت نامہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ م جمعہ ۲۶ اپریل ۱۹۵۷ء
۷۔ نور المصابیح حصہ اوّل ۱۱ شوال المکرم بروز پنجشنبہ ۱۳۷۷ھ م یکم مئی بروز جمعہ ۱۹۵۸ء
۸۔ معراج نامہ ۲۳ جمادی الاوّل جمعہ ۱۳۷۸ھ م جمعہ ۵ دسمبر ۱۹۵۸ء
۹۔ سلوک مجددیہ ۱۲ رمضان المبارک اتوار ۱۳۷۸ھ م ۲۲ مارچ ۱۹۵۹ء
۱۰۔ نور المصابیح دوم ۱۱ ربیع الثانی بروز شنبہ ۱۳۸۰ھ م ۳ اکتوبر ۱۹۶۰ء
۱۱۔ میلاد نامہ ۱۳۸۱ھ م اگست ۱۹۶۱ء
۱۲۔ شہادت نامہ ۱۳۸۳ھ م جون ۱۹۶۳ء
۱۳۔ نور المصابیح چہارم بروز جمعہ ۱۳۸۳ھ م جون ۱۹۶۳ء

۱۴ - فضائل نماز ۲۲ رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۳۸۳ھ م ۷ فروری ۱۹۶۴ء
۱۵ - فضائل رمضان ۲۹ " " " " " " ۱۴ فروری ۱۹۶۴ء
۱۶ - نور المصابیح سوم ربیع الاوّل ۱۳۸۴ھ م جولائی ۱۹۶۴ء
۱۷ - نور المصابیح سفتم ۷ شعبان چہار شنبہ ۱۳۹۲ھ م ۵ ستمبر ۱۹۷۲ء
۱۸ - نور المصابیح ششم ۱۷ ربیع الاول پنجشنبہ ۱۴۰۷ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۸۶ء
۱۹ - نور المصابیح پنجم جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ م فروری ۱۹۸۷ء
۲۰ - نور المصابیح ہشتم ۱۴۰۸ھ م مارچ ۱۹۸۸ء

گلزار اولیاء

سرورق پر قرآن کی آیت: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ درمیان میں رسالہ کا نام "گلزار اولیاء" ہے۔ اس کے شیخ مولف اور ان کے والد کا نام ہے اور اس کے بعد باہتمام خاکسار محمد عبد السلیم رومی نقشبندی و قادری مرید حضرت ممدوح رضی اللہ عنہ ہے۔

رسالہ کا مدت ٹائٹل نہیں ہے۔ صفحہ ایک تا تین پر حضرت ممدوح اللہ تبارک و تعالیٰ سے عاجزانہ دعا کرتے ہیں اور عامۃ المسلمین سے خاص طور پر نہایت عاجزانہ انداز میں یہ تاکید کرتے ہیں کہ: ع۱

"حضرات! یہ انسان کامل بنانے والی دعا ہے اس کی حصولیت آپ ہی کے ہاتھ ہے۔ اگر آپ کا بڑھا ہوا شوق اور آپ کے دل کا تقاضہ آپ کو بار بار اس امر پر مجبور کر رہا ہے کہ کسی طرح ہم بھی اس دعا کے مصداق بن جائیں تو ان مقدس بزرگوں کی اثر صحبت میں رہو جنھوں نے اپنی بیداری عمر یاد الٰہی میں صرف کردی۔ گڑگڑاہٹ و عجز و زاری سے یہ مرقوم الصدر دعا کی اور وہ قبول ہی ہوگئی۔ یہ مشترک صحبت ایک نہ ایک دن رنگ لائے گی کبھی نہ کبھی آپ کو اس دعا کا مصداق بنا کر رہے گی اگر

ع۱: "عاجزانہ دعا" گلزار اولیاء حضرت سید عبد اللہ شاہ صاحب قبلہ رح ص ۲ اور ۳۔

تقدیر نے یاوری نہ کی الٰہی صحت انسان
کامل سنائے والی نہ ملی تو سمت نہ پائے گا
گفتار جان توڑ کوشش کیئے جائیے - بالفعل
میرا یہ رسالہ لیجئے گو جسمانی صحت نہ سہی
مگر آن مقدس بزرگوں کی روحانی صحت کا مزا
دے گا - ابھی آپ خطا رے لئے ہی ہوں گے
کہ یہ مختصر رسالہ ختم ہو جائے گا - جاتے جاتے مولیٰ
سوا نیچ کا چسکا لگاتے جائیے گا اس وقت اس
ناچیز کو نہ بھولیئے دعائے خیر سے یاد فرماتے رہیئے -

ا ـــ ع گ

دخل شیطاں کے مانگتا ہوں پناہ ٥
ابتدائے سخن ہے بسم اللہ"

آخر میں حضرت مولف اپنا اور اپنے والد کے نام کے ساتھ خاتمۃ الطبع
کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ رسالہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ روز جمعہ
کو مکمل ہوا -

صفحہ (۴) سے بیانہ تسلسل ہے - صفحہ (۸۱) سے
(۸۴) پر شجرہ حضرات نقشبندیہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہے
اور صفحہ (۸۵) سے (۸۷) تک شجرہ حضرات قادریہ رقم ہے -
رسالہ کے آخری ٹائٹل پیج پر تقریظ مولوی سید عبدالمعبود
معنی احمدی اور حضرت مولف کے چند کتابوں کے نام دیے گئے ہیں -
صفحہ (۸۸) پر قطع تاریخ طبع مگر لد اولیاء دیا گیا ہے -
اس سے قبل صفحہ ۸۱ پر - شجرہ حضرات نقشبندیہ رقم

کو سلسلہ وار بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں "نور قلوب تسکین نفوس حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم" کے زیر عنوان عبارت میں نبی کریم ﷺ کا تذکرہ مبارک ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں: ۱؎

"اللہ اللہ وہ کیسا شرح صدر ہو گا کہ جس کے بدولت چند ہی دنوں میں صحرا نشین سمہ دان و سمہ بن ہو گئے اولیائے امت کے معارف و حقائق علمائے سمہ دان کے لطائف و دقائق اسی شرح صدر کے حواشی ہیں۔ اگر اس شرح صدر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دیجائے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے ہر ایک میں آپ ہی حاکم اعلیٰ ہوں۔"

اور بعد کی عبارت میں ان ۱۲ کمروں کی تفصیل دی گئی ہے۔ پہلے کمرے کی وضاحت یوں ہے کہ اس کمرے میں ایک بادشاہ عظیم الشان بیٹھا ہے اس کے آگے دنیا بھر کے بڑے بڑے بادشاہ دست بستہ حاضر ہیں۔ یہ عظیم الشان بادشاہ حضور نبی کریم ﷺ ہیں۔

دوسرے کمرے میں حکیم اور فلسفی جمع ہیں اور حضورؐ سے استفادہ کر رہے ہیں۔

تیسرے کمرے میں قانون محمدی کی کتابیں ہیں اور عالم دین حضرات حضورؐ سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔

۱؎: حضرت عبداللہ شاہ نقشبندیؒ، گلزار اولیاء ص۔ ۲۔

چوتھے کمرے میں ایک مفتی متبحر مسند افتاء پر بیٹھے ہیں۔
محدثین فخر روزگار فنون احادیث سے بحث کر کے مستفید
ہو رہے ہیں یہ بھی حضور نبی کریم ﷺ ہیں۔

پانچویں کمرے میں ایک محتسب باوقار مسند حکومت پر
بیٹھا ہوا ہے اور احکام الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں
دلوا رہا ہے۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

چھٹے کمرے میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹیکل خیالات
کا حل کرنے والا ہے۔ بڑے بڑے مدبران ملک دست بستہ
زمانے کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں۔ یہ محتسب بھی حضور ﷺ ہیں۔

ساتویں کمرے میں بھی حضور ﷺ تسبیح و تہلیل و مناجات میں
مشغول ہیں اور ملائکہ و بندگان خدا کو وظائف و اوراد کی تلقین
فرما رہے ہیں۔

آٹھویں کمرے میں آپ ﷺ ہی تشریف فرما ہیں اور اسرار عالم
ملکوت و ناسوت آپ پر منکشف ہیں۔

نویں کمرے میں حضور ﷺ منبر پر بیٹھے وعظ فرما رہے ہیں
اور لوگ آپ ﷺ کے واعظ سے مستفید ہو رہے ہیں۔

دسویں کمرے میں آپ ﷺ ایک مرشد کامل منک بیٹھے ہیں
اور آپ ﷺ کے اطراف طالبان خدا کا ہجوم ہے اور ہر ایک کو
ان کی استعداد کے موافق حجاب دور کر رہے ہیں۔

گیارہویں کمرے میں حضورؐ ہیں اور آپؐ میں الٰہی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل بے خود آپؐ کی طرف کھینچے چلے آرہے ہیں۔

بارہویں کمرے میں آپؐ کے ارد گرد حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب و داود و سلیمان و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام تشریف رکھتے ہیں اور آپؐ ان کی شریعتوں میں اصلاح کر رہے ہیں۔

درج بالا ذکر حضور نبی کریمؐ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ نبی کریمؐ کی شخصیت پیر تو زکے کتنے پہلو ہیں۔ یہ تو صرف چند پہلو تھے جو حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ نے پیش فرمائے تھے۔ ورنہ ذکر نبی کے لیے تو کئی دفتر بھی ناکافی ہونگے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ہے شرح صدر اس کی پوری شرح کئی کتابوں میں بھی نامکمل ہے۔

اس کے بعد نقشبندیہ سلسلے کے تمام بزرگوں کے سلسلہ وار حالات درج کیے گئے ہیں۔ جس میں ان کی ولادت، وفات کے علاوہ تعلیمات، ارشادات، ذکر و اصلاح شامل ہیں۔ ان حالات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کی عظمت کو ظاہر کیا جائے اور سالک کو راہ سلوک طے کرنے کے طریقے بتائے جائیں۔ ذیل میں کچھ منتخب ارشادات پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ:

ع ۱

۱۔ "انسان کو چاہیئے کہ وہ قرآن شریف کو
ہمیشہ اپنا دستور العمل بنائے رکھے اور
باطن سے رات دن خدا ہی کی طرف لو
لگی رہے۔

۲۔ اولیاء اللہ کے سیر نور مزارات کی زیارت
کرنے والو! تم کو چاہیئے کہ زیارت کے وقت
خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو اور اس
صاحب قبر ولی کی روح کو اس توجہ الی اللہ
کے لئے کمال کا وسیلہ بناؤ۔"

ان ارشادات سے ہمیں نصیحت ملتی ہے کہ قرآن کو دستور عمل کے طور پر اختیار کریں اور اولیاء اللہ کو وسیلہ بنائیں۔

اس طرح حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے کچھ ارشادات ملاحظہ ہوں:[۲]

۱۔ "خدا تعالیٰ کا مکر دو قسم کا ہوتا ہے۔ عوام سے[۱] اس طرح کہ باوجود قصور کے بھی نعمت دیتا ہے اور خواص سے[۲] یوں کہ باوجود بے ادبی کے بھی انکا حال باقی رکھا جاتا ہے۔

۲۔ ذکر بمنزلہ کلہاڑی کے ہے خواطر اور وساوس کے کانٹوں کو دل کے اطراف سے کاٹ چھانٹ ڈالتا ہے۔"

ع۱: حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندؒ "گلزار اولیاء" ص ۲۳۔
ع۲: " " " " " ص ۲۶ اور ۲۹۔

حضرت مظہر جان جاناں رحؒ نے فرمایا ہے[1]

۱۔ "خواہش نفسانی کا خلاف کرنے سے حال مقام ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوام مراقبہ سے باطنی نسبت میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔"

مندرجہ بالا ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ انسان خواہشات نفسانی کا غلام ہے جس سے پرہیز لازمی امر ہے۔ اور مراقبہ کرے تاکہ باطنی کی قوت میں اضافہ ہو سکے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحؒ فرماتا ہے:[2]

۱۔ "بیعت تین قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بیعت تو مشائخ کرام سے حصول توسل کے لئے کی جاتی ہے۔ اور دوسری بیعت مقصود و معاصی سے توبہ کرنا ہوتا ہے۔ اور تیسری بیعت سے کسب نسبت اور وصول الی اللہ کی غرض سے کیا جاتا ہے۔

۲۔ طالب کو چاہئے کہ اپنے مطلوب سے ایک لمحہ غافل نہ رہے"

مندرجہ بالا ارشادات سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ بیعت ایک ضروری امر ہے اور بیعت کے اقسام پر روشنی پڑتی ہے دوسرے طالب کو یہ تاکید کی گئی کہ وہ اپنے مطلوب سے کبھی بھی غافل نہ رہے"

حضرت سید بادشاہ صاحب بخاری فرماتے ہیں کہ:[3]

۱۔ "سنت نبوی کی پیروی کرو اور اہل دنیا سے ہمیشہ بچتے رہو اور یہ بات خوب سمجھ لو کہ جو اہل دنیا کے پاس جائے گا وہ ذلیل و خوار ہو گا اور جو ان سے دور رہیگا اسکے

---

[1]: حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندؒ، گلزار اولیاءؒ ص ۴۶۔

[2]: " " " " " ص ۵۲۔

[3]: " " " " " ص ۶۷۔

پاس وہ سب کتوں کی طرح دوڑتے
ہوئے آئیں گے۔

۴۔ فقرہ ماقبہ اس طریقہ عالیہ کے لیئے
لوازمات سے ہے۔"

ان ارشادات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فرائض کے بعد سنتوں کی بڑی اہمیت ہے اور اس بات کی بھی وضیعت کی گئی کہ دینداری کو اختیار کریں کیونکہ دیندار آدمی دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوتا ہے۔

جس طرح ہم اولیاء نقشبندؒ کے ارشادات کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کی روشنی میں حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو آپؒ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ کے متعلق معلومات کی جو شمع آپؒ نے فروزاں کی ہے اس سے ہر صاحب ذوق اور خصوصاً وابستگان سلسلہ اکتساب نور حاصل کرتے ہیں۔ جس سے تاریکی کی آتش ذوق تیز تر ہو جاتی ہے۔ ہر رگ جان دین کے حالات اور واقعات اس تذکرہ کی زینت و زینت ہیں۔ آپؒ کی تحریر میں ایک سحر آگیں اثر اور تاثیر ہے جو بہت کم اہل قلم کا مقدر بنی۔

آپؒ کا اسلوب نگارش سادہ سہل اور دلکش ہے۔

جس کو ہماری اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ بزرگان نقشبند نے اس عالم
ہست و بود میں انسانیت اور اسلام کی بڑی خدمات انجام
دی ہیں۔ ان کی پاک سیرتیں، شخصیت کی تعمیر میں
نہایت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کی تعلیمات میں ہمیں
اخلاق و کردار کے وہ گراں مایہ خزانے ملتے ہیں۔ جن سے
انسانی زندگی مالا مال ہوتی ہے۔ دراصل اسلامی تصوف
وہ آئینہ ہے کہ جس سے فلسفہ حیات سے لے کر خدمت
بنی نوع آدم تک زندگی کا ہر گوشہ عکاس ہے۔ ان کی تعلیمات
علم و حکمت کی روح ہیں۔ انھوں نے حقیقت کو شریعت
کے جمال سے ہم آہنگ کر کے اپنی تعلیمات کو آراستہ
و پیراستہ بنایا ہے۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہٗ نے
اپنی باتوں کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا کہ ان بزرگوں کے
حالات زندگی مختصراً مرتب کر دیے جائیں۔

"یوسف نامہ (المسمّٰے بہ) گلدستہ طریقت"

سورہ یوسف ایک طویل بیانیہ قصہ پر مشتمل ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے "احسن القصص" فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قصے میں بہترین اخلاقی اسباق ملتے ہیں۔ حکایتوں اور قصوں سے انسان کو بصیرتیں حاصل ہوتی ہیں۔ متعدّد قصوں سے جو بصیرتیں مقصود تھیں اللہ رب العزّت نے ان تمام کو اس ایک قصہ میں جمع کر دیا ہے۔ فطرت بشر کی کارفرمائیاں اور اس کے جتنے حقائق و اسرار اس ایک سورۃ میں اکٹھے مل جاتے ہیں۔ اس کے لحاظ سے یہ سورۃ اپنی آپ نظیر ہے۔ اس احسن القصص میں یہ پہلو بھی ہے کہ حضرت یوسفؑ اور برادران یوسفؑ کے درمیان جو واقعات پیش آئے وہ اس صورت حال کا نقشہ پیش کر رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے مابین پیش آنے والی تھی۔ اس کے علاوہ اس قصے میں انسانی فطرت کے وہ تمام عناصر اور جذبات موجود ہیں جن کے لیے انسان دوسری تمام مخلوقات

سے جُدا ہے۔ علاوہ ازیں یہ قصّہ ہر دور میں اپنی ہمہ پہلو
خصوصیات کی وجہ سے اہمیت کا حامل رہا ہے اور اس کا انطباق
ہر دور میں ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت محدث دکنی قدس سرہٗ
نے اس سورۃ کی تفسیر پر ایک پوری کتاب تالیف کر دی اور
دورانِ تفسیر متعدد جگہ دیگر واقعات اور حکایات کے
پیرایہ میں سبق آموز اور کار آمد نتائج سے قارئین کو بہرہ ور کیا۔
حضرت محدث دکنی علیہ الرحمہ نے اپنے اردو تصنیفات کے
نام بھی سیدھے سادے انداز میں رکھے۔ چنانچہ تفسیر
سورہ یوسف کا نام "یوسف نامہ" تجویز کیا۔ کلثن سالکین
کے لیے اس کا نام "گلدستہ طریقت" بھی رکھا گیا ہے۔ کتاب
کے سرورق پر دو شعر درج ہیں۔ [1] حق سے یہ احساس ہوتا ہے کہ
قصۂ یوسف انسان کو عبرت حاصل کرنے کے لیے کہاں تک
معاون ہو سکتا ہے۔

کتاب کے آغاز میں بطور حمد الٰہی کچھ جملے لکھے گئے ہیں۔
اور اسی کے تسلسل میں "میرے دوستو" ! کہہ کر آغاز گفتگو

---

[1]: آج یہ دنیا ہے عبرت کی جگہ ◊ قصۂ یوسف سے عبرت چاہیئے۔
جس کو ہم سمجھتے تھے نعمت کی جگہ ◊ بلکہ ہر شئے سے نصیحت چاہیئے۔

کیا گیا ہے اور محدث الٰہی کی تلقین کی گئی ہے۔ انداز تحریر سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ کے ارشادات ہیں۔ انھوں نے وقتاً فوقتاً فرمائے ہونگے اور جو اسی طرح لکھ لیے گئے جیسا انھوں نے فرمایا تھا۔ لیکن کتاب کے اختتام میں انہوں نے اس تفسیر کے مکمل ہونے کے بارے میں وضاحت سے لکھا ہے اس لئے آپ کی بے ساختگی کو اسلوب کا ایک انداز سمجھنا چاہیئے۔

اس تفسیر کے ابتدائیہ کلمات میں ان عورتوں کا ذکر بھی ہے جو زلیخا کو ملامت کرتی تھیں اور جب یوسفؑ کو دیکھا تو خود پاگل ہوگئیں۔ یہ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اگر یہی عشق خالق حقیقی سے ہوتا تو بہتر ہوتا۔ اس کے بعد زلیخا کا اجمالی ذکر ہے اور اس طرح گویا اس ٹکڑے کو سرائت الاستدلال کی سی حیثیت دی گئی ہے اور ان اشعار پر اس تحریر کا اختتام ہوتا ہے۔

ہے یہ وہ دلکش خدائی داستاں
محو حیرت جس سے ہیں پیر و جواں

اس کو سننا ہے اگر اے دوستو
دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام لو
اشک آنکھوں سے رواں ہونگے ضرور
بخشدے گا تم کو وہ ربّ غفور

اس کے بعد سورہ یوسفؑ کے مختصر فضائل بیان کیے گئے ہیں پھر تمہید کا عنوان دے کر عقل اور نفس کی توضیح کی گئی ہے۔ حضرت محدث دکنی قدس سرّہ کا اسلوب تحریر بے حد سادہ ہے اور اس بات کا خود انہوں نے بھی اپنے تمہیدی جملوں میں اظہار کیا ہے۔

علم اس وقت تک نفع نہیں دیتا جب تک کہ اس میں آسانی نہ ہو یعنی سہل انداز سے کہی جانے والی باتیں کسا زیادہ فائدہ حاصل کرنا ممکن ہے۔

ع۱: یہ ایک شعری صنعت ہے۔ کسی طویل قصہ کے آغاز میں ایسے اشعار کہے جاتے ہیں کہ آگے والے واقعہ کا اندازہ ہو جائے۔

بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال سے غرور اور تکبّر محسوس ہوتا ہے
وہ صدر اور شمس بازغہ کی زبان اور قرآن و حدیث کی زبان
میں فرق یہ بتلاتے ہیں کہ مشکل اسلوب سے سردردی اور
تکبّر پیدا ہو سکتا ہے۔ جب کہ قرآن و حدیث سے نفع ہی نفع ہے
اس کی وجہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب "قلم" کے خیال میں یہ ہے کہ
خدا اور رسول اصل میں انسانوں کو فائدہ پہونچانا چاہتے ہیں
اور اسی لئے اس طرح کی زبان اختیار کی گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"نافع علموں کے ذریعہ عوام سے لیکر خواص تک نفع
حاصل کر سکتے ہیں۔ نافع علموں عجیب و غریب نہیں
ہوتے بلکہ سننے سے معمولی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جب
ان پر عمل کیا جائے تو اس وقت ان کا نافع معلوم ہوتا
ہے۔ باوجود اتنا سہل ہونے کے لطف یہ ہے کہ
جتنا غور کیا جائے اسی قدر زیادہ باریکیاں اس میں
نکلتی ہیں۔ بہت باریک اور مشکل علموں میں نفع نہیں
ہو سکتا۔

صدرا و شمس بازغہ کو ایک طرف رکھئے قرآن
و حدیث کی ایک طرف اس وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ

کس سے نفع زیادہ ہے۔ صدرا، شمس بازغہ سے
سر دردی زیادہ اور غرور تکبر کے سوا کچھ نہیں پیدا
ہوتا۔ قرآن حدیث عام فہم ہیں اور نفع اتنا کہ آخرت
تو آخرت دنیا بھی درست ہو جاتی ہے۔ اس لئے انبیاء
کے علوم عام فہم و آسان ہوتے ہیں۔ ورنہ خدا اور اس
کے رسول کی باتیں کس کے سمجھ میں آسکتیں؟

خدا اور رسول تو ہم سے ایسی باتیں کر رہے ہیں
جیسے باپ بچوں کے ساتھ بچوں کی بولی بولتے ہیں۔ جیسے
"تما، تسا، اگر اللہ و رسول اپنے رتبہ پر رہ کر بولیں
تو نہ کسی کے سمجھ میں آئے اور نہ فائدہ پہنچے"۔

اس بات کو انہوں نے ایک بہت ہی دلچسپ حکایت سے
بھی سمجھایا ہے کہ جب کسانوں نے تعلقدار سے گفتگو کرنی
چاہی تو تعلقدار نے فصل کی کیفیت پوچھتے ہوئے کہا
"امسال آپ کے کشت زار گندم پر تقاطر امطار
ہوا یا نہیں"۔
تو کسانوں نے اس مغلق گفتگو کو سنکر کہا کہ

ع ۱: تفسیر سورہ یوسف از حضرت عبداللہ شاہ صاحب قلم صفحہ ۶ اور ۷۔

"چلو بھائی سُنہ کر آئیں گے ابھی تو سرکار قرآن
پڑھ رہے ہیں۔" [1]

اور یوں حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقبلہ" نے اپنے اسلوب کے سادہ ہونے کی جامع دلیل دی ہے۔

قرآن میں کسی سورہ کے آغاز میں الٓرٰ ہے اور کہیں حٰمٓ اور کہیں نٓ ہے۔ اس کی ایک توضیح یہ کی گئی ہے کہ الرحمٰن کو الگ الگ کرکے لکھا گیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ علم صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ حروف مقطعات سے اکثر صورتوں کا آغاز کیوں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقبلہ" کا ارشاد ہے۔

"یہ الٓرٰ علم حروف سے جو حضرت[۴] کے سوا کوئی نہیں سمجھتا یا حضرت[۳] کی برکت سے بعض خاص اولیاء اللہ بھی کچھ سمجھتے ہیں۔"

یہ الٓرٰ عام کے لیے نہیں ہے اس لئے عام فہم نہیں کیا گیا۔" ع[۲]

یعنی قرآن کے ایسے مقامات جو بظاہر ادق معلوم ہوتے ہیں ان کا علم یا تو

---

[1]: تفسیر سورہ یوسف از حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقبلہ" ص ۷۔

ع[۲]: تفسیر سورہ یوسف[۳] از حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقبلہ" ص ۸۔

اللہ تعالیٰ کو ہے یا اس کے رسولؐ کو یا پھر اس کے مقرب بندوں کو۔
یہ رموز عوام کے لیے نہیں اور شاید اسی لئے حضرت عبداللہ شاہ نقشبندؒ نے بھی تفسیر لکھتے ہوئے سورۃ کے آغاز میں موجود حروف مقطعات کی وضاحت سے گریز کیا ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حروف مقطعات کے ضمن میں خاموشی اختیار کی تھی۔ مولانا اشرف علی تھانوی الٓمٓ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں ع۱

"یہ حروف مقطعات ہیں اور اسرار وحی میں سے ہیں۔ کسی مصلحت سے خدا نے ان کے معنی بندوں پر ظاہر نہیں فرمائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین نے ان کی تفسیر سے خاموشی اختیار فرمائی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا فرمایا کہ میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ یہ تین حرف ہیں۔ ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں وہ جو مفسرین نے ان کے معنی بیان کیے ہیں۔ وہ صرف قیاس ہے۔"

یہی صورت حال الٓمٓ کے لیے بھی ہے۔ چنانچہ الٓمٓ کی وضاحت محدث دکن نے

ع۱: قرآن مجید مکسی مترجم اشرف علی تھانوی، حاشیہ ص ۳

نہیں کی لیکن کلام اللہ کے آگے انسانی عقل کا عجز واضح کرکے
انسانی عقل کی حیثیت کو متعین کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ع۱

"آلٓرٰ۔ اب عقل سے کام لو۔ رہ گئی عقل؟
مدت عاجز ہیں۔ کسی کے سمجھ میں نہیں آرہا ہے
اس کا کیا مطلب ہے؟ کوئی تو عجز کا اقرار
کر رہا ہے کوئی زور لگا کر اپنے عقل کے موافق
مطلب بتلا رہا ہے۔"

لیکن یہ ساری کوشش اس لیے لاحاصل ہے کہ جہاں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان بند رکھی ہو وہاں انسان
کا دہن کشائی کرنا کیسے مناسب ہو سکتا ہے۔

اس سورہ کا دوسرا اسم لفظ کتاب اور قرآن ہے
اور حضرت محدث دہلوی قدس سرہ نے تفصیل سے اس بات
پر روشنی ڈالی ہے کہ ع۲

"قرآن سے صیغہ مبالغہ کے معنی اس کے
یہ ہیں کہ بکثرت پڑھی جانے والی کتاب
سارے صحیفے تیرہ سو سال کا زمانہ شاہد ہے کہ
یہ پیش گوئی برابر پوری ہوتے آرہی ہے۔"

ع۱ : تفسیر سورہ یوسف از حضرت عبداللہ شاہ صاحب۔ قبل ۱۰ ص

ع۲ : تفسیر سورہ یوسف از حضرت عبداللہ شاہ صاحب۔ قبل ۱۰ ص

حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ نے عربی زبان ہی کو اللہ کی آخری کتاب کی زبان ہونے پر بھی مفصل بحث کرتے ہوئے عربی زبان کی لطافت، شیرینی اور مفاہیم کی کثرت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک بحث اسی بات حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ نے یہ بیان کی ہے کہ حروف کے مخرج کا اثر معنی پر بھی پڑتا ہے اور اس بات کو انہوں نے مثال سے واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں [1]

"حروف کے مخرج کا اثر معنی میں پہنچتا ہے جیسے میم اس کے نکلنے کے وقت ہونٹ ملتے ہیں جس لفظ میں میم آئے گی۔ اس کے معنی ملنے کے ہوں گے۔ جیسے اُم۔ بچہ اپنے ماں سے ملا ہوا۔ توام۔ دو بچے ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ ہم۔ دل سے دل ملی ہوئی۔"

اس بات سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ کی گرفت عربی زبان پر کتنی مضبوط تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ تفسیر لکھتے ہیں تو مفاہیم دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ رب العزت نے اس قصے کو

---

[1]: تفسیر سورہ یوسفؑ از حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ ص ۱۲

احسن القصص کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ادب کے کسی پیمانے سے جائزہ لیا جائے جیسے پلاٹ، کشمکش، عروج، تصادم، انجام یہ تمام باتیں اس قصّے میں موجود ہیں اور سب سے اہم چیز جو کسی بھی قصّے کے لیے ایک لازمی عنصر ہے یعنی دلچسپی وہ بھی اس قصّے میں بھرپور انداز سے موجود ہے۔ لیکن احسن القصص کہنے کی وجہ اس کی ادبی خوبیاں یا پلاٹ کا گھٹاؤ اور بڑھاؤ ہی نہیں ہے۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ع ۱

"قصۂ یوسف کو بہترین قصہ کیوں فرمایا۔ اس لئے کہ اس قصۂ یوسف میں عبرتیں بھی ہیں اور حکمتیں بھی اور وہ وہ فوائد ہیں کہ جو دین اور دنیا میں کام آئیں بادشاہوں کے کام کی باتیں ہیں اور غریبوں کی بھی۔ عورتوں کی مکاریاں بھی معلوم ہوتی ہیں۔ دشمنوں کی ایذا پر صبر کرنا۔ دشمنوں پر قابو پانے کے بعد درگذر کرنا یہ سب کچھ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ قصۂ یوسفؑ کہا (کہا) بہترین قصہ ہے۔"

ع ۱: تفسیر سورہ یوسفؑ از حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ قلمی ص ۱۳

سورہ یوسفؑ کی اس تفسیر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کلیدی لفظ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ اور تشریح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک جگہ لفظ "ضال" پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ انہوں نے یہاں اس بات کی وضاحت کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ ایک لفظ موقع ادائیگی ادا کرنے والے اور مخاطب کے اعتبار سے مفہوم کو واضح کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔[1]

"جیسے حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کو ضال کہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضال فرماتا ہے۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ مگر ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اولاد یعقوبؑ غصے سے کہہ رہی ہے اور اللہ تعالیٰ حضرت کو محبت سے فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ احسانات گننے کے موقع میں فرماتا ہے کہ ہم نے آپ پر یہ یہ احسانات کئے۔ منجملہ ان کے یہ بھی ایک احسان ہے کہ آپ کو جب ضال پایا ہدایت کی ضال کے ایک معنی گمراہ کے ہیں۔ نبوت کے پہلے جب تم آپ کو گمراہی کا کام کرنے والا پاتے تھے تو اس سے بچا لیتے تھے۔"

---

[1] : تفسیر سورہ یوسفؑ از حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ ص ۳۴

اسی طرح خواب کی وضاحت بھی بڑی تفصیل سے کی گئی ہے اور خواب کی مختلف اقسام بتلائی گئیں ہیں اور خواب کی تعبیر کے ضمن میں بھی دلچسپ نکات بیان کیے گئے ہیں۔ قصے کے ہر مرحلہ پر جہاں کوئی اخلاقی نکتہ آگیا ہے اس پر حضرت محدث دکن نے بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس قصے میں موجود عبرت اور نصیحت کے علاوہ کفر و الحاد عفت و عصمت، جھوٹ، مکاری دھوکا اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے نتائج کا انطباق آج کے سماج پر کیا ہے اور اس بات پر زور دیا ہے جو اس قصے کا بنیادی مقصد ہے یعنی نصیحت۔

سورہ یوسفؑ کی اس تفسیر کو گلدستہ طریقت کا نام بھی دیا گیا اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ طریقت سالک کے لیے ایک راہ ہے جو اسی وقت اپنائی جا سکتی ہے۔ جب سالک راہ شریعت میں ثابت قدم رہے۔ لیکن اس راہ پر چلنے کے لیے پیر کامل ضروری ہوتا ہے اور پیر کامل کی تعریف یہ ہے کہ وہ سالک کو راہ سلوک پر اس طرح گامزن کرے۔

کہ پروردگار اور سالک کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو۔ بجز پروردگار اسے کسی شئے کا دھیان نہ رہے۔ صوفیاء کے ہاں دنیا ایک ارزل ترین شئے ہے اور سالک اگر مال دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جائے تو پھر وہ سچا سالک نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ ع۱

"دنیا کی خوشی پر دھوکا کھانے والو سنو غور سے سنو!
ہر کمال کے لیے زوال ہے۔ دنیا کی زندگی کے سمجھے
موت کی گھڑی لگی ہوئی ہے۔ کوئی گھر ایسا دیکھا
ہے کہ جس میں موت نہ ہوئی ہو کوئی محل ایسا سنا ہے
کہ جو فنا نہ ہوا ہو کوئی ایسی دولت دیکھی ہے کہ منتشر
نہ ہوئی ہو کہیں کوئی ایسا مجمع ہوا ہے کہ جس میں
فراق نہ ڈالا گیا ہو۔"

سورہ یوسفؑ میں قصے کی بنیاد عشق ہے۔ باپ کا بیٹے سے عشق، عورت کا مرد سے عشق، بندے کا رب سے عشق۔ لیکن ان تمام میں جو ارفع ترین عشق ہے وہ بندے کا رب سے عشق ہے۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ قبلہؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

ع۱: تفسیر سورہ یوسفؑ از حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ ص ۳۴۳

"صاحبو! ہمارا دین تو عشق ہے کیونکہ
مومن کی شان یہ ہے۔ "والذین آمنو
اشد حبا للہ"۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ
سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔"

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ کے بیان کا انداز نہ صرف سادہ ہے بلکہ انتہائی اثر پذیر بھی ہے۔ دنیا کے تماشے کے لیے انہوں نے جو مثال دی ہے وہ نہ صرف دل کو چھو لیتی ہے بلکہ دنیا سے متنفر بھی کر دیتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ [۲]

"دوستو! بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے ہوں گے کہ کوئی ہوا ری بنتا ہے اور کوئی خریدار، کوئی بچہ حاکم بنتا ہے اور کوئی رعایا، ننھی ننھی بستیاں بستے ان کی سوداگری کا مال ہے ٹھیکریاں روپے ہیں، ریتی میں پاؤں جما کر گھر بناتے ہیں گھروندہ تیار کرتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے اپنے ہاتھ سے آپ خود سب کچھ بھیڑ کر چل دیتے ہیں۔ اپنے اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں پھر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون بچہ ہوا ری تھا اور کون خریدار، کون بچہ حاکم تھا اور کون رعایا، ہاں اگر وہاں سے کوئی گذرے تو سمجھے گا۔ یہاں بستیاں بسی تھیں۔ ان کے کھیل کے آثار باقی ہیں۔

ع۱: تفسیر سورہ یوسفؑ از حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ صفحہ ۳۸۴

ع۲: تفسیر سورہ یوسفؑ از حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ صفحہ ۳۸۹ تا ۳۹۰

یہی حال دُنیا کا ہے ہم سب کھیل کھیل رہے ہیں۔
شام ہوتے ہی موت آتی ہے اپنے اصلی گھر قبر میں
پڑے ہوں گے جو کچھ تھا یہیں رہ جائے گا، ماں
بعد والے کہیں گے یہ فلاں کی جائیداد ہے اور
یہ فلاں کا مکان ہے۔

تماشہ دیکھنے کے بعد دیکھنے والے کو
سوائے وقت ضائع کرنے اور پیسہ برباد
کرنے کے کچھ نفع نہیں۔ اسی طرح اہل دُنیا کے
پاس قیامت کے دن دنیا کی زندگی کا کچھ نفع
نہیں۔ بائیسکوپ کا تماشہ دیکھنے والے یہ دیکھتے
ہیں کہ بڑی جنگ ہو رہی ہے۔ ہزار ہا کٹ رہے ہیں
کہیں بادشاہی دربار ہو رہا ہے، لاکھوں آدمی کھڑے
ہیں مگر اصل میں وہاں کچھ بھی نہیں صرف وہاں لیمپ
اور آئینہ سے سایہ سے سب مدہوش ہو رہے ہیں
اگر لیمپ گل ہو گیا اور پردہ اُٹھ گیا تو وہاں ذرہ برابر
بھی کچھ نہیں صرف تماشائی سایہ کے عاشق ہیں۔ ایسا ہی
دنیا بھی بائیسکوپ کا ناپائیدار اور بے اصل کھیل ہے، نادان
ایسی ناپائیدار اور بے اصل کھیل کے خدا سے بگاڑ کر رہے ہیں۔

کسی چیز سے عبرت نہیں لیتے۔ آخرت تو جاری ہے
دنیا بھی ہاتھ سے گئی۔"

اقتباس کافی طویل ہو گیا ہے لیکن یہ اس لئے ناگزیر تھا کہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب "قبلہ" کے اسلوب کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب "قبلہ" کے دل میں ملت اسلامیہ کا بے پناہ درد ہے۔ اس کا اظہار ان جملوں سے واضح ہو سکتا ہے ع۱

"دوستو! خدا کے لیے ذرا سوچو کیا ہماری بھی اس وقت یہی حالت نہیں ہے کیا جو یہودی مشائخ سیدھے راستہ پر ہیں۔ کیا عام لوگ نماز چھوڑتے ہوئے نہیں ہیں کیا خدا کے احکام پر پورا پورا عمل ہو رہا ہے کیا انہی خواہشات کے سمجھے نہیں بن گئے ہیں۔ سب کچھ کر کرا کر کے کیا یہ نہیں کہتے ہیں کہ خدا معاف کر دے گا اس لئے کتنی مرتبہ بیاد کیے گئے دمشق ٹوٹا۔ اسپین اور بغداد آباد ہوئے جب یہ برباد ہوئے تو اور طرف منتقلے اب کی مرتبہ کچھ ایسے بگڑے کہ منتقلے کا نام ہی نہیں لیتے اس لئے ہر جگہ ذلیل ہو رہے ہیں۔"

ع۱: تفسیر سورہ یوسف از حضرت عبداللہ شاہ صاحب "قبلہ" ص ۳۹۱

ان جملوں کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس تفسیر کے لکھنے سے حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ کا مقصد کیا تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں کتاب مبین ہونے کے باوجود وہ جس قعر مذلت میں گرتے جا رہے ہیں یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ نئی سائنسی ایجادات نے تعیشات میں اضافہ کر دیا ہے اور خصوصاً ملت اسلامیہ تباہی کے اس راستے پر پڑھ رہی ہے جس راستے پر پچھلی قومیں چلی تھیں اور نتیجتاً عذاب الٰہی سے دوچار ہوئی تھیں۔ قرآن کی بیشتر تفاسیر میں قرآن کے مفہوم کو وضاحت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہیں جو یقیناً مستحسن ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اس قصے کو آج کے دور پر انطباق کر کے قرآن کی روح کو پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کا مقصد صرف قصہ بیان کرنا نہیں تھا۔ اس کا مقصد غفلت و گمراہی میں پھنسے ہوئے بنی نوع انسان کو اللہ کی راہ پر چلانا تھا چونکہ یہ کتاب آخری کتاب ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قیامت تک یہ کتاب مشعل نور بنی رہے گی۔ لیکن ہم اس مشعل نور سے بجائے نور حاصل کرنے کے

اور اپنی زندگیوں میں اس نور کو داخل کرنے کے اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔ اس دور میں یعنی آج سے تقریباً ساٹھ ستر سال پہلے جب یہ تفسیر لکھی گئی ہوگی تو سائنسی ترقیاں اس منزل پر نہ تھیں جس منزل پر آج ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ شاہؒ کی دور رس نگاہیں آنے والے دور کی استری کو دیکھ رہی تھیں۔ چنانچہ مسلمانوں کو متوجہ کرنے کے لیے انھیں سورہ یوسفؑ زیادہ کارگر اور تیر بہدف نظر آیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دوسری تمام سورتوں اور قصص القرآن کو چھوڑ کر اس قصے کو نہ صرف اپنے معتقدین کے لیے بلکہ سارے مسلمانوں کے لیے اس طرح پیش کیا کہ سارے مطالب سامنے آگئے اور مسلمانوں کو فلاح کی راہ دکھانا بھی ممکن ہوسکا۔ اس تفسیر کو زیادہ موثر بنانے کے لیے اور عامۃ المسلمین کے دلوں کو جھنجھوڑنے کے لیے پہلی نہایت عجز و انکسار کے ساتھ عذاب الٰہی کا خوف پیدا کیا گیا تو پھر حکایات کے ذریعہ اپنی بات کو زیادہ عام فہم بنا دیا گیا۔ پھر یہ احساس ہوتا ہے کہ جہاں لفظ حکایت استعمال کیا گیا ہے شاید وہ درست نہیں ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

جبریلؑ کا ارشاد حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے بارے میں (ص ۱۵) یا محمدؒ بن حنیفہؒ کا سعادتمندانہ خواب (ص ۳۶) حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ کا فیصلہ کہ خواب میں فعل بد کرنے والے کے سایہ کو دُرّے مارے جائیں (ص ۴۲) یا حضرت فاطمہؓ کا میت کو قبر میں اُتارتے ہوئے حضرت ابوذر غفاریؓ کا ارشاد (ص ۵۶) ان تمام واقعات کو حکایت کہا گیا ہے جو غالباً صحیح نہیں ہے۔ چونکہ اظہار واقعہ کو حکایت نہیں کہا جا سکتا۔ اس طرح اکبر اور بیربل کے قصّے یا ملک علی خاں نواب رامپور کے قصّے کو بھی حکایت کہا ہے۔

حکایتوں کی شمولیت ان صوفیاء کے اتباع میں ہے جنھوں نے عام مسلمانوں کی تفہیم کے لیے بے حد آسان اسلوب اختیار کیا اور دقیق مسائل کو اس طرح بیان کیا کہ ہر کس و ناکس بھی آسانی سے سمجھ سکے۔ ہندوستان میں صوفیا کرامؒ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے پیام کو عام کرنے کے لیے سادہ ترین اسلوب اختیار کیا اور اس کو دلچسپ بنانے کے لیے مثالیں، حکایتیں اور تمثیلیں بیان کیں۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ کا مہذب

بھی یہی تھا، انہوں نے عوام کو راہ راست پر گامزن کرنے کے
لیے یہی راہ اختیار کیا جو آج کے اس دور میں بھی اتنا ہی
اہم ہے جتنا کہ پچاس ساٹھ سال پہلے تھا کسی کام کی
ادبی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا ہو تو یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ
اس میں تشبیہات، استعارے، علامتیں، رموز، نکات
رمز و کنائے، علم بیان و کلام کی لطافتیں کہاں تک
موجود ہیں یہ بھی جانا جاتا ہے کہ قواعد کے اصولوں کی کہاں
تک پابندی کی گئی ہے۔ ان سب سے بڑھ کر جو بات
سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ ترسیل کہاں تک
کامیاب ہے۔ اگر عبداللہ شاہ صاحب نماز نے عوامی لہجہ نہ
اختیار کیا ہوتا اور دقیق اور مخلق اسلوب کو اختیار کیا
ہوتا تو اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ اقبال نے کہا تھا کہ ع

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب سے صدف سے کوئی سروکار

تو اسی کے مصداق حضرت عبداللہ شاہ صاحب نماز نے بھی گوہر آبدار
بکھیرے ہیں۔ صدف کے انبار نہیں لگائے۔

یہ تفسیر ذی قعدہ کی اٹھارہ تاریخ ۱۳۷۸ھ کو ختم
ہوئی تھی۔ اشاعت ۱۳۷۱ ہجری میں شائع ہو سکی۔ اس کے بعد اس کے متعدد
ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنی جامعیت
اور اسلوب کی سادگی کی بنا پر یہ تفسیر کافی مقبول ہوئی۔

علاج السالکین

سرورق پر قرآنی آیت کے نیچے اردو شعر ہے

درمیان میں جلی حروف میں رسالہ کا نام "علاج السالکین" ہے۔
اس کے نیچے مولف اور ان کے والد کا نام دیا گیا ہے اور
آخر میں خاکسار ناری عبدالحمید نقشبندی القادری مرید حضرت
ممدوح کا نام ہے جن کے زیر اہتمام یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔

سب ٹائٹل پر حضرت مولف کے چند کتابوں کے نام
ہیں۔ اس کے فوراً بعد تسمیہ کے نیچے مناجات باری تعالیٰ ہے۔
رسالہ کی کوئی فہرست نہیں ہے صفحہ (۲) سے (۵۶) تک
بسلسلہ مسلسل ہے۔ رسالہ کے آغاز پر حضرت مولف
عامۃ المسلمین سے شکایت کرتے ہیں کہ:[1]

"اے خدا کے ڈھونڈنے والو۔ تم نے خدا کو
ہر جگہ ڈھونڈا۔ کہاں کہاں گشت لگایا دشوار
سے دشوار مقامات تک بھی ہو آیا پر کہیں اس کا
پتہ نہ پایا۔

آؤ ہم تمہیں جہاں بتاتے ہیں وہاں ڈھونڈو
وہ ملے گا تو وہیں ملے گا۔ سنو سنو اس کے ملنے کی
جگہ دل ہے دل ہی تو وہ تخت ہے جس کو عرش رحمان
کہتے ہیں۔ نہیں نہیں دل ہی وہ مکان ہے۔ جسے لامکان
کہتے ہیں۔ دل اس کے گھر کا نام ہے جو بے نشان ہے۔ اسی

ع ۱: "شکایت" علاج السالکین، حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندی
ص۔ ۳۔

دل کو یہ وسعت دی ہے کہ سب کی سمائی
اس میں سما جاتی ہے۔ اس نے اس کو یہ خوبی
دی ہے۔ کہ سب کی گنجائش اس میں ہو جاتی ہے
کوئی چیز نہیں کہ اس میں نہ سما سکے۔ کوئی شئے
نہیں کہ اس میں نہ آسکے۔

چیزوں کا ذکر چھوڑو۔ اشیاء کا نام نہ لو۔
وہ اس میں سما جاتا ہے۔ جو کہیں نہیں سماتا
وہ اس میں رہتا ہے جو کہیں نہیں رہتا۔ وہ
اس میں نظر آتا ہے جو کہیں دکھلائی نہیں دیتا
وہ اس میں ٹھہرتا ہے جو کہیں نہیں ٹھہرتا جو زمین
پر نہیں سماتا جو آسمان میں نہیں آتا وہ دل ہی میں
آجاتا ہے۔

مندرجہ بالا شکایت کی روشنی میں حضرت مولف[1]
فرماتے ہیں کہ:

"نہ زمین میں یہ گنجائش نہ آسمان میں یہ
وسعت جو مومن کے دل میں ہے۔ اگر مجھ
کو ڈھونڈنا ہو تو انہیں دلوں میں ڈھونڈو۔
اے خدا کے ڈھونڈنے والو یہ جو تم
نے سنا سب سچ ہے۔ مگر یہ اس دل کی شان نہیں
ہے جو ہمارے پہلو میں ہے۔ اس نے تو لٹتا ہی ڈالو
دی۔ رات دن غفلت میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کا عمر
قیل و قال میں گذر رہی ہے ہر وقت نئی نئی بیڑیوں
میں جکڑا جاتا ہے۔ پھر بھی جب سوجھتی ہے تو اور
جکڑے جانے کی ہی سوجھتی ہے۔ راستہ بھولا ہوا غفلت

ع۱: "فرمان مولف" علاج السالکین" حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ"
ص۔۳

کی نشست میں ہے۔ عشقِ خدا کی محبت میں کچھ ایسا
مست ہے کہ یہ نشہ ابھی اترتا ہی نہیں کہ
اور پیتے ہی جاتا ہے۔ پھر آخرت کا ہوش
آئے تو کس طرح آئے۔"

مندرجہ بالا اقتباسات میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ
اللہ تبارک و تعالیٰ کو ڈھونڈھنے اور تلاش کرنے کی طرف زور
دیتے ہیں اور اس کا مقام انسان کے جسم میں پایا جانے والا
اہم ترین عضو دل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس میں وہ
ہمیشہ سمایا رہتا ہے۔ دل ہی ایک ایسی جگہ ہے جو تمام مقامات
یہاں تک زمین و آسمان سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے۔ جس
میں اللہ تعالیٰ اپنا مقام بناتا ہے۔ پھر حضرت فرماتے ہیں کہ
ہمارا دل ایسا نہیں ہے بلکہ غفلت کی اندھیری کوٹھری
ہے۔ دنیاداری کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ عشقِ خدا کی
محبت میں مست ہے اس طرح سدھرنے کا نام نہیں لیتا جو
ایک افسوسناک امر ہے۔

انسان کا عجیب حال ہے۔ اس کی اصل تو اسلام
پر ہے کیونکہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے
ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ اس طرح
انسان اپنی پیدائش کے بعد اپنے ماحول کے اثرات کو قبول
کر کے کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ اور مادیات کے ماحول میں رہ کر
اپنی نورانیت و روحانیت کو کھو دیتا ہے جس طرح جسمانی
طبیب انسان کو جسمانی بیماریوں سے خبردار کر کے ان کا
علاج کرتا ہے اسی طرح روحانی طبیب یعنی علماء اور اولیاء
انسان کی روحانی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ چنانچہ عارف
رومی اپنے ان اشعار میں فرماتے ہیں۔ ع

ہر کہ خواہی ہم نشینی با خدا ۔ گو نشیند در حضور اولیاء
(جو خدا کا ہم نشین چاہے۔ کہہ دو وہ اولیاء کی خدمت میں بیٹھے۔)
ہم نشینی مقبلاں چوں کیمیاست ۔ چوں نظر شاں کیمیائے خود کجاست۔
(مقبولان بارگاہ رب العزت کی مصاحبت کیمیاء ہے بلکہ کیمیاء بھی ان کی
نظر کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے۔)

اولیاء کرام کی صحبت اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان کی
صحبت کی برکت سے انسان کو دلی بیداری نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ
اس کو علامہ اقبال نے کیا خوب للکارا ہے۔ ع

دل بیدار میدار کہ دل خواجہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری۔

ایک جگہ یوں فرماتے ہیں کہ: ع

دل بیدار مارو قی دل بیدار کرآری

بس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

اسی دل بیدار کی پرورش اور انہی روحانی اور دل کی بیماریوں یعنی حسد، کبر، لالچ، غرور، حب دنیا، حب جاہ کے علاج کے لئے محدث دکن قدس سرہ نے (۵۲) صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ لکھا ہے اور ماہر معالج امراض روحانی کی حیثیت سے بیماریوں کی نشان دہی اور ان کے علاج کی تدابیر بتلائی ہیں۔ اس طرح یہ کتابچہ دل کی بیداری کے طالب پر ایک احسان عظیم ہے۔ کتابچہ کا مطالعہ کرنے والے کے سامنے نایاب نسخہ جات معالج روحانی کے پھولوں کا نکھار ہوگا۔ اور اس کی عقیدت ان پھولوں کی مہک سے ہر پنجھاور ہوتی رہے گی۔

ہم کو پورا یقین ہے کہ عشق حقیقی کی دنیا میں کتابچہ کے پڑھنے سے ضرور بہار آئے گی۔

حضرت محدث دکن قدس سرہ اس کتابچہ میں دل کی جملہ بیماریوں اور اس کی جملہ امراض اور ان کے اسباب تدارک طریقہ علاج

کی طرف ہمارے ذہن و توجہ کو مرکوز فرماتے ہیں۔ آپ کے سوالات کا
علاج بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں۔ اس تصنیف میں حضرت محدث دکن کا
سارا منشاء اور ہم مواد ہماری محسوس رہبری و رہنمائی اللہ کی طرف
کروانا ہے۔ اور دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے دوری اور آخرت کی
تیاری کا درس دینا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت قبلہؒ نے
اپنی جملہ تصانیف کے ذریعہ سے جو مذہبی دلائل ہم تک پیش فرمائے ہیں
یقیناً آج کے دور میں اس کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے تاکہ دنیا کی
نیرنگیوں میں منہمک ہوجانے والے انسانوں کو آخرت کا خوف
دلاکر ان کی دینداری کو سنوارا جاسکے۔ یہ کارنامہ ہائے نمایاں
حضرت قبلہؒ کے حصے میں رکھا گیا ہے۔ جس کو آپؒ نے اپنی
تصانیف کی مدد سے پورا کر دکھایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

مانو نہ مانو حضرت دل اختیار ہے + ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں۔

کیوں کہ انسان اس دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتا ہے اور یہ
غفلت اسے آج کل کی نہیں بلکہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔
اور اس کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت محدث دکن قبلہؒ نے یہ ضروری سمجھا

کہ انسانوں کے دل کو ٹٹولا جائے اور انھیں نیک و بد اچھے برے صحیح اور غلط کی تمیز کروا کر راہ راست پر لایا جائے تاکہ دنیا کے ساتھ ساتھ دین بھی حاصل ہو جائے اور وہ ابدی نیند سکون و اطمینان کے ساتھ سو سکے۔ کیوں کہ ہر زمانہ ہی دور میں اپنے رہبر کی تلاش محسوس کرتا ہے اور جہاں حضرت علیؑ جیسے سچے نیک متقی پرہیزگار بزرگ روشن ضمیر ولی اللہ دنیا سے جا چکے ہوں اور دنیا کے لوگ ان سے مستفید ہو جائیں تو ان کی دین و دنیا دونوں سدھر جاتے ہیں۔

اس تصنیف میں حضرت علیؑ انسان کی جسمانی بناوٹ ساخت شکل و صورت، وضع قطع کے بارے میں بتلاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مناسبت دے رکھی ہے۔ انسان کا ہر عضو ایک مخصوص فعل انجام دیتا ہے۔ اگر وہ عضو ناکارہ ہو جائے تو یوں سمجھا جائے گا وہ بیمار ہے۔ ایسا ہی دل جسم کا مخصوص عضو ہے جو تمام اعضاء پر فوقیت رکھتا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی جلوہ ریزیاں رونما ہوا کرتی ہیں۔ اور ہمیں خدا کی محبت معرفت اور اس کی عبادت کی لذت حاصل ہوتی ہے۔

اگر دل میں یہ بات نہیں تو دل تندرست نہیں بلکہ بیمار ہے۔ دل ایک کسوٹی ہے جو اچھے اور بُرے دونوں میں فرق محسوس کرتا ہے۔ جو خدائے تعالیٰ کے حکم کی طرف مائل ہے تو یہی محبت دل کے صحت کی علامت ہے اور اگر دنیا اور دنیاوی محبوب کی طرف جھک رہا ہے تو یہی دل بیمار ہونے کی علامت ہے۔ اس کا تدارک انتہائی ضروری ہے مثلاً شک و نفاق سے دل پاک ہونا، کبیرہ گناہوں سے بچتے رہنا رضائے حق کی طلب پیدا ہونا، ذکر کو فکر کا ایسا عادی ہو جائے کہ کسی بھی وقت غفلت اور بھول نہ ہونے پائے۔ اطاعت حق، احکام شرعیہ کی اتباع دلی رغبت، ناجائز و ممنوع امور سے دلی نفرت، دنیا کی حرص دل سے نکل جائے اور مختصر الفاظ میں قرآن اور حدیث کی جامعہ تصویر بن جائے۔ یہی دل کا علاج ہے جو دل کو ہمیشہ کے لیے صحیح سلامت و تندرست بنائے رکھتا ہے۔ ورنہ دل کا حال ایک مردہ کی سی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ جبکہ وہ اس دنیا کی بھول بھلیوں میں جکڑا رہے۔ جیسے حب دنیا، اتباع شہوات، تکبر، غرور اور حسد وغیرہ یہی دل کی بیماریوں کا مادہ ہے۔ جس سے انسان اگلے دن بیماریوں میں گھرا رہتا ہے اور اس کا خاتمہ بُرا ہوتا ہے۔

حضرت محدث دکنی دل کے طبیب انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبین یہران کبار کو دل کے امراض اور اس کے معالج بتلاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:[1]

"اے خدا کے ڈھونڈھنے والو بیمار دل کب تک پہلو میں لیے رہو گے۔ دیکھو بیماری بڑھ رہی ہے۔ بیماری کا انجام موت ہے۔ اگر دل مر گیا تو اس مردہ دل کو لے کر کیا کرو گے۔ آخرت کی سعادت تو زندہ دل کے ساتھ ہے۔ زندہ دل کو قلب سلیم کہتے ہیں۔ اس کے طرف بہت زور دار الفاظ میں رغبت دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ جہاں مال ہی کام آئے گا نہ اولاد وہاں وہ دل کام آئیگا جو دل کی بیماریوں سے صحیح و سالم ہے۔"

حضرت قبلہؒ انسان کی غفلت کی آگاہی فرماتے ہیں اور اس کی توجہ بیمار دل کی طرف مبذول کرواتے ہیں اور اسے شرغیب دیتے ہیں کہ تجھے اسے بدلنا ہوگا۔ تاکہ تجھے ابدی سرفروزی اور کامرانی حاصل ہو سکے۔ جو ابد الآباد تک تیرے ساتھ رہنے والا ہے۔ چنانچہ آپؒ اس کے متعلق کچھ وجوہات اور اس کا

---

[1] حوالہ: علاج السالکین از حضرت عبداللہ شاہ صاحب قادری محددی و نقشبندیؒ ص ۱۰ بعنوان "دل کے علاج کی ترغیب"۔

اُصول علاج ظاہر فرماتے ہیں تاکہ اس کا سدباب ہو سکے۔
فرماتے ہیں کہ: ع۱

"دل کی بیماریوں کی دوائیں شریعت کے مطب میں
بنتی ہیں۔ انبیا علیہم السلام ان کو ترتیب
دیتے ہیں۔

وہ عبادات اور اعمال صالحہ۔ طاعت اور
ذکر و تقویٰ۔ خوف الٰہی سے رونا۔ اور نعمتوں
پر شکر کرنا۔ عالم ربانی کا وعظ سننا۔ ہر امر میں
سنت پر عمل کرنا۔ ہمیشہ تہجد پڑھتے رہنا۔"

بیمار دل کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت عبداللہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جسمانی بیماریوں سے دل کے بیماروں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس کے آگے تین اسباب بیان کرتے ہیں۔ جس کے علیحدہ علیحدہ اسباب ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ جسمانی مریض اپنے مرض سے واقف ہوتا ہے مگر دل کے بیمار کو خبر نہیں ہوتی کہ وہ بیمار ہے۔ اس طرح ایک بیماری سے کئی کئی بیماریاں پیدا ہو کر اندر اندر چیرتے جاتی ہے۔ اس طرح دل کا مریض اس کی بیماریوں سے غافل رہتا ہے۔ آخر میں حضرت مولف ناصحانہ انداز میں مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ کاش یہ علاج نہیں کر سکتے تو مرض بھی نہ بڑھاتے۔

اس طرح دل کے بیماروں کے لئے جو اصول علاج

ع۱: بحوالہ کتابچہ علاج السالکین از حضرت محدث دکن قدس سرہ، ص ۱۲۰ اور ۱۳۔

مختص فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ بہر کامل طبیب روحانی کا
مسند آرا از حد ضروری ہے جو اپنے اصول علاج سے نہ
صرف دل کی بیماریوں کو دور فرماتا ہے بلکہ دل میں نورانی
کیفیت پیدا کرتا ہے جس سے دل قوی سے قوی تر ہو جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ صحت مند دل رکھنے
والے انسان سے اپنی تصنیف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:[1]

"حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی
صاحبزادی جب جوان ہوئیں تو حضرت کو ان
کے عقد کا خیال ہوا خود مدرسہ اسلامیہ میں تشریف
لائے۔ ہر لڑکے کے احوال پر اور اس کے دل پر
نظر ڈالی۔ ان میں سے ایک کو منتخب فرمایا۔
انھوں نے عرض کیا کہ حضرت میں مفلس ہوں۔
فرمایا۔ بابا تم مفلس ہوں تو کیا ہوا تمہارا دل
تو غنی ہے۔ بابا ہم اللہ والا ڈھونڈھتے ہیں۔
تمہارے دل میں اس کی صلاحیت ہے۔ غرض حضرت نے
اس قریب التحصیل طالب علم سے اپنی صاحبزادی
کا نکاح فرما دیا۔"

حاصل گفتگو یہ ہے کہ اللہ والوں کی پہچان اس طرح ہوتی ہے
کہ جب وہ کسی اللہ والے کو دیکھتے ہیں تو فوراً پہچان جاتے ہیں۔

ع۱: بحوالہ "علاج السالکین" حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندؒ
ص۔ ۱۵۔

حضرت امام ابوعلی فارمدی طوسی رحمۃ اللہ علیہ دل
دل کو زندہ رکھنے کے لیے جو باتیں بتلاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ
سارے جہاں سے الگ ہو کر خلوت اختیار کرنا، نماز کی جماعتوں
کے سوا کبھی باہر نہ نکلے۔ جس کو صورت گری کہا جاتا ہے۔ اور
خلوت صغریٰ اس کو کہتے ہیں کہ ممکن ہو تو چادر سر سے اس طرح
لٹکائے کہ سیدھے اور بائیں کی کچھ اطلاع نہ ہو۔ غرض کوئی نہ
کوئی خلوت باقی رہے۔

دل کو بیماری سے دور رکھنے کے لئے سارے وردو و
وظائف، ذکر و اذکار، قرآن خوانی، تفسیر و حدیث، فقہ وغیرہ
کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت امام ابوعلی فارمدی
طوسیؒ کے الفاظ ہیں: [1]

"دنیا کے سارے مشغلوں کی نہایت سے دل کو
پاک کر کے بالکل یکسوئی پیدا کرنا ہوگا۔ پھر اللہ اللہ
کے ذکر اور اس کے معنی مقدس کے دھن میں محو ہو کر
دل کو صاف کرتے ہوئے اور جلاء دیتے ہوئے استعداد
و قابلیت قبول تجلیات کی پیدا کر کے انتظار کرتے رہنا چاہیے"

دل کے بیمار کے لئے چند کام کی باتیں حضرت عبداللہ شاہ صاحب
یوں بیان فرماتے ہیں کہ: [2]

ع۱: بحوالہ علاج السالکین، حضرت عبداللہ شاہ صاحب، ص ۲۴
ع۲: " علاج السالکین، حضرت عبداللہ شاہ صاحب، ص ۲۴ اور ۲۵

"۱ اے دل کے بیمار و کیفیات و احوال جو
اختیار سے خارج ہیں۔ گو محمود ہیں مگر مقصود
نہیں۔ ہرگز نہ ان کے حصول کی فکر میں رہنا نہ ان
کے حاصل نہ ہونے سے محموم ہونا۔ شعر
فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے۔

۲ اگر کسی سے کوئی بات خلاف مزاج پیش آوے
صبر و تحمل کیا کرو۔ جلدی سے کچھ کہنے سننے مت
لگو۔ خاص در غصہ کی حالت میں بہت سنبھلا کرو

۳ جہاں تک ممکن ہو ذاکرین کی جماعت میں شامل اور
داخل رہو اس سے نور اور عزم و شوق سب میں
قوت ہوتی ہے۔

۴ دنیوی تعلقات مت بڑھاؤ حتی الامکان خلوت
میں رہو۔ بدون ضرورت و مصلحت لوگوں سے
زیادہ مت ملو اور جب ملنا ہو خوش خلق سے
پیش آؤ اور بعد رفع ضرورت جلدی ان سے جدا
ہو جاؤ۔ بالخصوص شناسا دنیا داروں سے بہت
بچو یا تو اہل اللہ کی صحبت ڈھونڈو یا عوام میں ناشناسا
لوگوں سے ملو ان سے ضرر کم پہنچتا ہے۔

۵ اگر قلب پر کچھ احوال باعلوم وارد ہوں تو شیخ سے
اطلاع کرو بجز شیخ کے کسی پر ظاہر مت کرو۔

۶ سخن پروری کبھی مت کرو۔ بلکہ جب تم کو اپنی غلطی
ثابت ہو جائے فوراً اقرار کر لو۔ ہر حالت میں
اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد رکھو اسی سے استعانت
اور استقامت کی درخواست کیا کرو۔"

مندرجہ بالا امور سے دل منور اور مضبوط ہوتا ہے۔ ان کی حرارت عزیزی

بڑھنے لگتی ہے اور یہی حرارت عزیزی دل کی کل بیماریوں سے دور رکھتی ہیں۔ جس کے لیے پانچ اجزاء پر مشتمل نسخہ تجویز کیا جاتا ہے تاکہ حرارت عزیزی اپنے حال پر قائم رہے اور آہستہ آہستہ محبت الٰہی کی حرارت عزیزی حاصل ہو جائے جو یوں ہیں۔

۱۔ خالص توبہ کر کے خدائے تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری تابعداری کیا کیجئے۔

۲۔ پختہ نیت کر لیجئے جیسے بھی خدائے تعالیٰ کی محبت ضرور حاصل کرنی چاہیئے۔

۳۔ روزآنہ کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر خدائے تعالیٰ کے نعمتوں کو سوچا کرو اور اس کے کمال کے صفتوں کو یاد کرو جن سے محبت ہونا لازمی ہے۔

۴۔ خدا کے دوستوں سے علاقہ پیدا کرو کیونکہ خدا کے دوستوں کا تعلق بہت جلد خدا کی محبت کا ثمرہ لاتا ہے ان کی تلاش و جستجو کرو ان کی نصیحتیں سنا کرو اور ان پر عمل کرو۔

۵۔ روزآنہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ کیا کرو زیادہ فرصت نہ ملے تو تھوڑی دیر سہی مگر بلا ناغہ ذکر ضرور کیا کرو۔ لیکن اس نیت سے کرو کہ دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو۔ اکثر لوگ مختلف نیتوں سے ذکر کیا کرتے ہیں اس لیے نفع نہیں ہوتا۔

مندرجہ بالا ہدایتوں کے علاوہ دوسری ہدایت بیان کرتے ہیں کہ مکملہ طیبہ دل کے بیماری کو بھگانے کے لیے اور اس میں نورانیت پیدا کرنے کے لیے اکسیر ہے۔ جس قدر زیادہ استعمال کروگے اسی قدر طرح طرح کے فائدے ہوں گے۔

ان ہدایتوں اور اصولوں کی روشنی میں ہمیں اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہیئے اور حتی المقدور کوشش کرنے چاہیئے کہ جہاں تک

ہو سکے اپنی باقی ماندہ زندگیوں کو حضرت محدث دکن قدس سرہ
کے بتلائے ہوئے رہنما یانہ اصول و ضوابط کے مطابق گذاریں
حضرت محدث دکن قدس سرہ دل کی بیماری کو وجہ اللہ تعالیٰ
کی نافرمانی بتلاتے ہیں جس کا تدارک ضروری ہے ورنہ دل
شہوت کی آگ میں اسقدر ملوث ہو جائے گا کہ اس میں تمیز باقی نہ
رہے گی کہ یہ انسانی ہے یا حیوانی ایسا مرض اس صورت میں
لاحق ہوتا ہے جبکہ پرہیزگاری پر احتیاط کے ساتھ قیام نہ ہو۔
اور خواہشات نفسانی کا غلبہ اس مرض کی تقویت دیتا ہے۔
آغاز اس مرض کا شیطانی وساوس ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ
کو بھلا دیا جائے تو یہ مرض غالب آتا ہے۔ اس کا آسان علاج
یہ ہے کہ مراقبہ عبادت الٰہی اور ذکر الٰہی ہیں جس سے صحت کلی
نصیب ہوتی ہے۔

حضرت علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دیوانہ
نے مرض گناہ کی دوا یہ بتائی ہے [1]

"نیازمندی کی جڑ خشمانی کے پتے شکیبائی کی چھال
لے کر ان کو توبہ کے ہاون میں کوٹ۔ ان پر صدق ندامت
ڈال پھر محبت کی آگ پر جوش دے اور پرہیزگاری کی ہوا سے
ٹھنڈا کر۔ نیاز کے ساتھ پی جا اور کہہ دیا الٰہی میرے گناہ بخش یقین
ہے کہ توبہ کے ساتھ ہی مواد فاسد خارج ہو جائیں گے۔"

---

[1] : علاج السالکین، حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ، ص ۔ ۳۷ ۔

اس علاج کے ساتھ مریض عصیاں کی غذا یہ ہے کہ نیکیاں اختیار کی جائیں اور پرہیز یہ ہے کہ
کے بیمار کو لوگوں کے میل جول سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس کی
علامت صحت یہ ہے کہ اس مرض سے غفلت دور ہو جائے
اور گناہ گار دنیا سے نفرت اور آخرت کی تیاری میں مشغول ہو جائے۔

آخر میں محدث دکن قدس سرہ اس تصنیف کا اصلی
محرک حب دنیا بتلاتے ہیں۔ حب دنیا ہی ایک ایسی شئے
ہے جو انسان کو دیندار سے بیگانہ کر دیتی ہے اور دنیا کو غالب کر دیتی ہے
شیطان جو ہمارا ازلی دشمن ہے جو اشارات نفسانی میں اس قدر
جکڑ دیتا ہے کہ دین کی طرف پلٹنے کا موقع نصیب نہیں ہوتا۔
آخر کار موت کا پروانہ آجاتا ہے۔

حضرت محدث دکن قدس سرہ حب دنیا کے بیماروں
سے مخاطب ہوتے ہیں کہ:[1]

"اے حب دنیا کے بیمارو۔ تم نے آخرت کو
پہچانا ہی نہیں۔ ورنہ اس کی طرف پوری توجہ
کرتے۔ بلکہ دنیا کو بھی نہیں پہچانا۔ ورنہ اس کی
طرف رخ بھی نہ کرتے۔ دنیا ہی کو پہچان لو۔ اس
کی صحیح
اگر دنیا کی پوری حقیقت ہی سمجھ لو تو پھر اس
مردار کا نام بھی نہ لو۔

---

[1]: علاج السالکین، حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ، ص ۵۱۔

اس لیئے اولیاء اللہ دنیا سے دور رہے اور دینداری میں ہمیشہ غرق رہے۔ چنانچہ ہمکو اللہ اور اس کے رسولؐ سے بے پناہ محبت پیدا کرنا چاہیئے اور پیران کبار کے بتلائے ہوئے اصولوں پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہونا چاہیئے تاکہ فلاح دارین نصیب ہو سکے۔

مختصر یہ کہ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کی یہ تصنیف "علاج السالکین" یہ کہہ رہی ہے کہ دل کو لغویات سے پاک و صاف رکھیں۔ دین کو دنیا پر فوقیت دیں۔ جو لوگ دینداری کو اپنا شیوہ بناتے ہیں بالیقین ان کی دین و دنیا دونوں بہترین ہو جاتے ہیں۔ خوف الٰہی ان پر طاری رہتا ہے جس سے وہ اطاعت الٰہی اور ذکر الٰہی میں سرتاپا ڈوبے رہتے ہیں تمام اعمال درست اور آخرت کی تیاری میں مگن رہتے ہیں۔ دنیا میں رہکر عقبیٰ کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے اور وہ دونوں مقامات پر کامیاب و کامران رہتے ہیں۔

کتاب المحبۃ

سرورق پر قرآن کی آیت: یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ ۥ

اس کے نیچے دونوں جانب دو شعر، واہ رے شوقِ محبت تو ہی جانے کہ کوئی
استخواں میرے بنا کس کس نے مارے ہائے کیا

کیا پتنگ نے یہ دار شمع پر چڑھکر
مزہ ہے اسمیں جو مرے کسی کے سر چڑھکر - درمیان میں کتاب کا نام ہے۔

اس کے نیچے مولف کا نام مع ولدیت ہے۔ نیچے باہتمام خاکسار سید شاہ خواجہ محی الدین حسین نقشبندی و قادری مرید حضرت مولف صاحب مدظلہ درج ہے۔ جو مہتمم بازارات صرفخاص مبارک میں وظیفہ یاب تھے۔

اس کے نیچے دفعہ اول بھی درج ہے۔

اس رسالہ کا سب ٹائٹل موجود نہیں ہے اور نہ رسالہ کی کوئی فہرست مضامین ہے۔ صفحہ ۹۵ پر رسالہ کی تکمیل کی تاریخ یعنی سہ شنبہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ درج ہے۔ صفحہ ۹۶ پر قطعہ تاریخ کتاب المحبۃ ہے جس کو پیش کرنے کی سعادت فقیر صدیقی قادری المحمدی کو حاصل ہوئی۔ آخری صفحات پر شجرات نقشبندیہ و قادریہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہے۔ رسالہ کے آخری ٹائٹل پر جامی علیہ الرحمہ کے فارسی اشعار ہیں = جامیا واعظ دمِ باش عزیزان رفتند
فکرِ عقبیٰ بکن آخر کہ تو ہیم مہمانی

کم خور و کم خسب و کم گو سیم بجملگی کم نشین
دانا در ذکر باش و خموش را ایں مدتین۔

ارشاد ربانی ہے: ع۱
"جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ پختہ ہیں۔"
ارشاد نبوی ہے: ع۲
"محبت میری بنیاد ہے۔"
مندرجہ بالا ایک مفصل حدیث کا مبارک ٹکڑا جس کی روایت

ع۱: والذین امنوا اشد حبا للہ ۲ پ ۲ آیت ۱۶۵۔
ع۲: والمحبۃ اساسی (حدیث قدسی)۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی۔
عارف رومیؒ نے فرمایا ہے۔
قوت اصلی شتر نوز خداست ÷ قوت حیوانی مراد را ناسزاست
(بشر کی حقیقی غذا نور خدا ہے ÷ حیوانی غذا اس کے لیے ناموافق ہے)
علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے: ع
بجھی آتش عشق اندھیرا ہے ÷ مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے۔
واضح رہے کہ شعر اور غزل میں عشق کا لفظ زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر قرآن پاک اور حدیث شریف میں لفظ عشق اور اس کے مشتقات کا استعمال نہیں ہوا ہے۔ حبوں کی کئی قسمیں ہیں۔ عشق بھی اس کے منجملہ ہے۔ ذیل میں لغات عرب سے چند محاورے بیان کیے جاتے ہیں۔ جیسے
۱۔ حَبَّتِ الاسنانُ (دانت روشن اور صاف ہیں۔)
۲۔ حَبَّتِ الْمَاءُ (پانی پاکیزہ ہے) اسی لحاظ سے بلبلے کو حباب کہتے ہیں۔
۳۔ حَبَّتِ البعیرُ (اونٹ نے گھٹنے ٹیک دیے) اس محاورہ میں حبت کو لزوم اور ثبات کے معنی میں لیا گیا ہے۔
۴۔ حَبَّۃ: دانہ، تخم یا اصل شے اس لیے سویدائے دل کو حبۃ القلب کہتے ہیں۔
۵۔ حَبَّتِ الْمَاءُ: وہ جوہڑ جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے۔ یہاں حفاظت اور نگہداشت کے مفہوم کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

ان مفاہیم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لفظ حبّ میں صفاء بہاء علو اور ارتقاء ثبات اور استقلال کا ہونا پایا جاتا ہے۔
اسی وجہ سے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا: ع[1]
("محبت میری بنیاد ہے") اللہ تعالیٰ سے محبت کی حقیقت معلوم کرنا ہو
تو اس کے لیے ایک ہی لفظ کا بیان کافی ہے۔ وہ عبودیت یعنی بندگی ہے
کہ عبدیت یا عبودیت تمام اچھے اعمال کا سرچشمہ ہے۔ محبت ہی
سے رجوع الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ محبت ہی ڈر اور امید
کا معدن ہے۔ محبت ہی انسان کو کبھی مقام رضا اور کبھی مقام شکر
پر فائز کردیتی ہے۔ صبر ایسی صفت کو کہتے ہیں جس کی بنیاد
محبت پر ہو ورنہ وہ بے چارگی ہے۔ زہد کو اسی وقت زہد کہتے ہیں۔
جس کا مقتضاء محبت ہو ورنہ اس کا نام عدم دستیابی ہوگا۔ حیا
اس وقت حیا ہوگی جس کا آغاز محبت سے ہو۔ اور حد ادب اور
تعظیم کی ہو اس پرورش پائی ہو ورنہ اس کا نام شرمندگی ہوگا۔

فقر کی بنیاد بھی محبت ہوگی ورنہ بھوک تنگدستی ہوگا۔ الغرض
محبت ہی دلوں کی غذا ہے، ارواح کا چارہ ہے، آنکھوں کی ٹھنڈک
ہے، اجسام کی زندگی ہے۔ دل کی حیات ہے۔ زندگی کی کامیابی ہے۔
محبت ہی کامیابی کو دوام اور بقاء کا تاج پہناتی ہے۔ اور

ع[1]: إِنَّ الْمَحَبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ: بے شک چاہنے والا جس کو چاہتا ہے
اس کا فرمانبردار ہوتا ہے۔

محبت ہی بقاد کو تخت ارتقاد پر بٹھاتی ہے۔ علامہ اقبال نے کیا
خوب فرمایا ہے: ع خلیل پذیر بود ہر بنادرا کہ می بینی
بجز بنائے محبت کہ خالی از خلل است۔
(ہر تعمیر کو تم خلل پذیر دیکھو گے سوائے محبت کی تعمیر کو اس میں خلل نہیں۔)
اب محبت کے مدارج کا بھی جائزہ لیتے جائیں۔ محبت کی
ابتدا تعلق سے ہوتی ہے اور تعلق کو ارادہ قوت بخشتا ہے۔
پھر کشش پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح پانی نشیب میں خود بخود جاتا ہے۔
اس کے بعد دل میں سوزش پیدا ہوتی ہے اور دل میں ہر وقت ایک جلن
رہنے لگتی ہے۔ اس کے بعد شغف کا درجہ آتا ہے۔ جس کی وجہ سے
مصیبتیں اور رکاوٹیں آسان معلوم ہوتی ہے: ع مشکلیں اتنی پڑی مجھ پر کہ
آساں ہو گئیں۔ محبوب کے سوا، تمام تفکرات منقطع ہو جاتے ہیں۔
محبوب ہی کا تصور جسم پر اور اسی کی محبت دل پر حکمراں بن جاتی ہے۔
اس سے اگلی حالت کا نام عشق ہے۔ یہ لفظ عشقیہ سے مشتق ہے
یہ زرد پھولوں والی بیل ہوتی ہے۔ جس درخت پر چڑھ جاتی ہے۔ اسے
خشک کر دیتی ہے اور یہی حال اس مرض کے مریض کا بھی ہوتا ہے۔

اس سے آگے کا درجہ تسلیم کا ہے اور اس کے معنی غلامی کے ہیں۔ اس حالت میں انسان خود اپنے خیالات کا غلام بن جاتا ہے۔ اب اس کا اپنا اختیار نہیں رہتا۔ اسی وجہ سے محبت کے اعلیٰ ترین درجہ کا نام عبودیت ہے اور اس طرح محب اپنے معبود کا عبد کامل بن جاتا ہے اور یہی مرتبہ بندہ کی معراج ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرور کائنات کو شب اسریٰ عطا فرمایا۔

جب ہم اس پس منظر میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب کی کتاب "المحبۃ" کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

کتاب کا آغاز منظوم مناجات سے ہے۔ یگانہ روزگار فارسی نعت گو شاعر حضرت جامی علیہ الرحمہ کی نعت ہے۔ پھر پانچ صفحے پر "مدح عشق" کے عنوان سے عشق کی تین رنگیاں بتائی ہیں۔ اس کے بعد "انسان کی زندگی کے مقصد کی تمہید" کے عنوان سے انسان کو درس حب حقیقی دیا گیا ہے۔ اس کے بعد روح کی حقیقت بتائی گئی پھر لذت حسی کا ذکر ہے جس میں انسان گرفتار رہتا ہے اس کے بجائے لذت قلبی کا مقام بلند واضح کیا گیا ہے۔ اس کے بعد قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ جن باتوں اور لوگوں کو پسند فرماتا ہے اور جنکو ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تفسیر و توضیح اپنے انداز میں بیان فرمائے ہیں۔

اس رسالہ میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ
کا مطمع نظر انسان کی زندگی کے کل مقاصد کی ظاہر
کرنا ہے۔ جس میں آپؒ نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے
کہ انسان کا مقصد حیات اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ
وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرے اور عشق رسولؐ
میں سرشار ہو جائے اور اسی مقصد کے پیش نظر
اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا بھی فرمایا ہے۔ اس کا ہم پر
بڑا احسان ہے کہ اس نے ہماری حقیقتوں سے واقف
ہونے کے باوجود ہماری تخلیق عمل میں لائی اور ہم پر
بے حد احسانات وعنایات کی بارش فرمائی ہے۔
اس کا ہم سے یہ تقاضہ ہر حالت میں درست
ثابت ہوتا ہے کہ نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں
سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی روکنے کی
کوشش کریں تاکہ فلاح پائیں۔ مگر ہم ان ہدایتوں
پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کے بجائے اس
دنیائے چند روزہ کی رنگینوں میں کھو گئے ہیں۔ اور
اسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے۔

اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ دنیداری سے لاپرواہی اختیار کیئے ہوئے ہیں جو ہماری غفلت کا بیّن ثبوت ہے۔ اس لیئے آپ اس رسالہ میں یوں مخاطب ہوتے ہیں جس سے انسان کی کمتری ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے ارے او بے وفا انسان! ارے او غافل انسان! ارے او کمتر و حقیر انسان! ارے او جاہل انسان! ارے او نجاست سے بنے انسان! ارے او غلاظت کے مجموعے وغیرہ۔ اس کے علاوہ آپ انسان کے وجود اور اس کی بناوٹ کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں کہ انسان تمام تر مخلوق میں افضل و اعلیٰ ہے مگر وہ حیوانی حرکات سے باز نہیں آتا۔ آپ مزید بیان فرماتے ہیں کہ ارے انسان تیری حالت ایسی ہو کہ تو کامل اللہ کا بندہ ہو جائے اور اللہ تیرا ہو جائے یعنی تیرے دل میں اللہ کی محبت اسقدر جاگزیں ہو جائے کہ تیرے جسم کے ہر عضو سے وہ ظاہر ہونے لگے۔ مگر وائے رے انسان کی غفلت کہ اللہ سے منہ موڑا اور دنیا داری سے رشتہ جوڑا ہوا ہے۔ اس تعلق سے مختلف مثالیں، رنگین اقوال اور جملہ حکایتوں کی روشنی میں یہ واضح فرماتے ہیں کہ اس سرزمین پر محبت کے لائق سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کے کوئی دوسری ذات نہیں ہو سکتی اور جو احسانات ہم پر اللہ تعالیٰ کے ہیں اس جیسا احسان کرنے والا کوئی ہوا ہے اور نہ کوئی ہو سکتا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر مادی شئے سے محبت کرنا سراسر نادانی کی علامت ہے۔

آج ہمارے قلوب اگر خالی ہیں تو صرف اللہ کی محبت سے خالی ہیں۔ جس کو دیکھو مادی دنیا کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہا ہے۔ چنانچہ ہمارا یہ فریضہ ہے کہ اللہ کی محبت کے دعوے کو زور اگر دکھائیں ورنہ آخرت میں پچھتانا پڑے گا۔ حضرت محدث دہلوی قدس سرہ اس رسالہ کے ذریعہ بار بار یہ تاکید فرماتے ہیں کہ آخرت میں پچھتاوے سے بہتر یہی ہے کہ لذت قلبی حاصل کیا جائے جو نورانی ہے اور اللہ تعالیٰ کو سرخروی کے ساتھ دکھانے کے قابل بھی ہے۔ لذت قلبی کے تعلق سے آپ اس رسالہ میں فرماتے ہیں کہ: ع۱

"اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے تو تم اپنے باطن کو اور قلب کو اور نفس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن سے اور قلب سے اور نفس سے خاص مناسبت پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اصلی محبت ہے۔ اس مناسبت کی وجہ سے تم سے بھی ویسی ہی محبت ہوگی جیسے محبوب کے در و دیوار سے ہوتی ہے اسی کو اللہ تعالیٰ اس طرح ادا فرماتے ہیں۔ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ محبت ہی عجیب چیز ہے جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو محبوب کے عیب بھی عیب نہیں معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کا ہمارا رات و دن کا مشاہدہ ہے کہ ایک ننھا سا ریتیلا بچہ جس کا منہ ریت میں لت پت ہے

ع۱ : حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ "کتاب المحبۃ" ص۔ ۴۳۔ اور ۴۴۔

تھوک بہہ رہا ہے ہاتھ پاؤں غلیظ ہیں۔ کپڑے
خراب ہیں مکھی عورتیں بھگناتی ہیں۔ جب وہی
بچہ ماں کے سامنے آتا ہے اور اپنے تقاضے سے
دل کا اور جوئے سے دل کا اثر ڈالتا ہے تو
ماں کشاں کشاں بے چین ہو کر آتی ہے محبت
اسکو نہایت کا خیال کرنے دیتی ہے نہ غلاظت کا۔
اٹھا لیتی ہے سینہ سے لپٹا لیتی ہے اپنے ہاتھوں
سے ریٹ پونچھتی ہے غلاظت صاف کرتی ہے
یہ ہیں محبت کے کرشمے۔"

اس طرح جب ہم اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں۔ ہم گناہوں کی نجاست میں لت پت ہی کیوں نہ ہوں وہ ہمیں قبول کرکے ہمکو ہمارے گناہوں سے ایسے پاک وصاف کر دیتا ہے جس طرح ماں کے پیٹ سے ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے۔

حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ آگے فرماتے ہیں کہ:[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال اتباع یہ ہے کہ
دین کی حفاظت کے ساتھ دنیا کی جائے تو دنیا
محمود ہے۔ دین ہی ہے اگر دین کو کھو کر آخرت کو بگاڑ
کر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے دنیا کی جائے تو وہ
دنیا مذموم ہے۔ ایسی ہی دنیا سے منع کیا گیا ہے

---

[1]: حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ، کتاب المحبۃ، ص ۲۲۔

اسی طرح کی دنیا میں بیضنے ہوؤں کو حضرت جامیؒ
اس طرح مخاطب بنارہے ہیں۔

دلا تا کے دریں کاخ مجازی ۔ کنی مانند طفلاں خاک بازی ۔

دنیا اور اس کی رنگینیوں پر مرمٹنے والے انسانوں سے حضرت
محدث دہلوی قدس سرہ یوں مخاطب ہوتے ہیں کہ: ع۱

"اب تک شاید تم نے دنیا کو محمود ہی سمجھا ہوا ہے۔
ایسا نہیں ہے۔
دنیا دو طرح کی ہے۔
ایک تو دنیا محمود ہے۔ جس سے ایسے صفات
حمیدہ پیدا ہوتے ہیں جو اللہ کو پسند ہیں۔ اللہ تعالیٰ
ان صفات سے راضی ہیں۔ ایسے صفات سے
آراستہ ہونے کو تحلیہ کہتے ہیں۔ دوسری دنیا
مذموم ہے اس سے صفات رذیلہ پیدا ہوتے ہیں
جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان صفات
سے ناراض ہوتے ہیں۔ ان صفات سے بچتے رہنے کو
تخلیہ کہتے ہیں۔"

حضرت محدث دہلوی قدس سرہ اللہ تعالیٰ سے خود بھی محبت کرتے ہیں اور ہمیں بھی اس رسالہ کے ذریعہ سے ہدایت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ صرف زبان سے اقرار کریں اور

ع۱: حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ کتاب المحبۃ ص ۴۵ اور ۴۶۔

عمل سے خالی نظر آئیں بلکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ عملی حشدت سے اس کی محبت کو ظاہر فرمائیں۔ جس کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں آپ اپنے اسی رسالہ میں یوں رقمطراز ہیں کہ: [1]

"اللہ سے محبت کرنے والو اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے تو جن صفات سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے ان صفات سے آراستہ ہو جاؤ اور جن صفات سے اللہ تعالیٰ کو محبت نہیں ہے ان صفات کو چھوڑ دو تو محبوب صفات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم کو بھی محبوب بنا لیں گے۔"

حقوق حد اوندی کا جہاں تک معاملہ ہے یہ ایک انتہائی اہم ترین معاملہ ہے جس میں ایمان کا اقرار، باطل کی نفی، غیروں کی غلامی سے نجات، حلال و حرام کے متعلق صحیح العقیدہ کا پایا جانا یہ سب حقوق الوہیت ہیں۔ ظلم کی دوسری اور تیسری قسم کسی کا حق تلفی کرنا کسی کے ساتھ زیادتی کرنا انتقام لینا یا کسی بھی قسم کی زیادتی کرجانا ہے آخری یعنی چوتھی قسم غیر اللہ کی طلب میں اپنے عزیز عمر کو برباد کرنا ہے۔

---

[1]: حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ، کتاب المحبۃ، ص ۲۶۔

علم جیسی نعمت کے بارے میں آپؒ کی تحریر یہ بتاتی ہے کہ علم تجھے اس واسطے نہیں دیا گیا کہ تو زمین پر اترا تا پھرے اور مالک حقیقی سے بغاوت کرنے لگے۔ علم تو تجھے اس لئے دیا گیا ہے کہ تو اس کے ذریعہ سے اپنے حقیقی مالک کو پہچانے اور اس کے عین ہدایتوں اور نصیحتوں پر عمل پیرا ہو جائے تاکہ وہ تجھ سے راضی رہے اور تیری آخرت سنور سکے تجھ میں محبت الٰہی اور عاجزی پیدا ہو۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ اپنے اس رسالہ میں محبت سے متعلق علم ہدایتیں دیتے ہوئے انسان کو عملی حیثیت سے مائل خدا فرماتے ہیں اور انسان کو اس کی غفلت دور کرنے کی تاکید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:[1]

"پہلے تو تو نیست تھا نام و نشان کچھ نہ تھا
خاک سے بنا جو اس سے بڑھ کر کوئی عنصر ذلیل
نہیں۔ بعیر نجس و ناپاک منی کا قطرہ رہا۔ کبھی
خون اور کبھی گوشت کا لوتھڑا۔ یہ تو آپ کی
ابتدا ہے۔"

آگے فرماتے ہیں کہ:[2]

"ابتدا تو ہی تھی اب آپکا انتہا سنیئے مرتے ہی
ایک دن نہیں گذرتا کہ بدبو شروع ہو جاتی ہے
سڑنے۔ گلنے سے کیڑے پڑ گئے پھر مٹی کا ڈھیر ہو گئے
ابتدا وہ انتہا یہ پھر تکبر کیا۔"

---

[1]: حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ، قلمی "کتاب المحبۃ" ص - ۵۷ -

[2]: " " " " " " ص - ۵۸ -

بے شک اللہ تعالیٰ نیک متقی و پرہیزگار لوگوں کو اپنا دوست بنانا پسند فرماتا ہے مگر انسان متقی بننا پسند نہیں کرتا بلکہ جو جی میں آئے کرنے لگ جاتا ہے۔

اس رسالہ میں آپ نے انسان کو انسان بنانے کے لئے اپنی تمام تر کوشش سے کام لیا ہے۔ ہر ایک بات کھول کھول کر واضح، ناصحانہ انداز میں بیان کی ہے۔

مندرجہ بالا امور کو واضح کرنے کے لئے ہمارے روحانی پیشواؤں نے چھ جز کا نسخہ تجویز فرمایا ہے۔ جس سے دل میں محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے اگر ہم اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو محبت الٰہی اسقدر پیدا ہوتی ہے اور قرب الٰہی کا راستہ اس تیزی کے ساتھ استوار ہوتا ہے کہ دل میں اللہ کی محبت پیوست ہو جاتی ہے وہ چھ جز اس طرح ہیں: ؎

۱۔ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی پوری پوری پابندی سے کیا کرو۔ ۲۔ خدا کے دوستوں سے علاقہ پیدا کرو۔ ۳۔ تنہائی میں بیٹھ کر جسقدر ہو سکے ذکر کیا کرو۔ ۴۔ کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے نعمتوں کو سوچا کرو۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو۔ ۶۔ الٰہی مقصود من تولی رضائے تو و محبت و معرفت خود بدہ۔

بقول حضرت عبداللہ شاہ محبت الٰہی کا پیدا کرنا ہمارا اولین فرض ہے اسوقت تک ہمارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا اور دین اسلام کی بنیاد محبت الٰہی پر قائم ہے۔ جو توحید کا بنیاد رکن ہے ؎ اس کے بعد تم سے ادا ہی نہ ہو سکے وہ فضل و محبت الٰہی ہر گام مرتب ہے آپ سے رضائے الٰہی ہمارا مقصود بنتی ہے۔

"مواعظ حسنہ"

سرورق پر تسمیہ کے بعد قرآن کی آیت:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ (ترجمہ)

(اے محمدؐ) بلاؤ اپنے رب کی طرف حکمت و نرمی و خوبصورتی سے۔

اس کے نیچے ایک نامعلوم شعر ہے:

ز ضبط گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جواناں سعادت مند پند پیر دانا را

اس کے نیچے جلد اول دیا گیا ہے۔ اس کے نیچے کتاب کا نام ہے۔ اس کے نیچے مولف کا نام ہے اور اس کے نیچے مرتبہ احقر سید عبدالرؤف صافر نقشبندی و قادری انتظامدار پیش امام و متولی شاہی مسجد اندرون قلعہ بلدرگ (ضلع عثمان آباد مہاراشٹر) درج ہے۔ اس کا دوسرا حصہ بھی اسی طرح موجود ہے۔

کتاب میں ۲۲۳ عنوانات کی فہرست ہے اور کتاب ۳۵۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ ۳۵۷ پر تاریخ اختتام کتاب کی تفصیل ہے یہ کتاب بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ روز دوشنبہ کو مکمل کیگئی اور ۱۴۰۳ھ کو چھاپی گئی۔

جلد دوم میں ۱۹۱ عنوانات دیے گئے ہیں اور کتاب ۳۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ آخر پر تاریخ اختتام یعنی ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ درج ہے۔

جلد اول کے سب ٹائٹل پر مرزا شکور بیگ کی نذر عقیدت کو چھاپا گیا اس کے نیچے ڈاکٹر یعقوب عمر صاحب پی ایچ ڈی مارہی اردو استاذ نظام کالج کا قطعہ تاریخ ہے اور جلد دوم پر قصیدہ اور قطعہ تاریخ منجانب سید عبدالرؤف صافر درج ہے۔ جلد اول و دوم کے آخری ٹائٹل پر قصیدہ درج ہے۔

یہ موضوعات ہمارے طرز معاشرت کا ایک
جزو ہیں۔ چونکہ انسان کی زندگی ایک سماجی حیوان کی سی ہے
اس لئے سماج میں پائے جانے والے وہ حالات و معاملات
جو زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں۔ ان کے مختلف پہلوؤں
پر آگہی ضروری ہے۔ اس لئے ان مواعظ حسنہ کی اہمیت بہت
بڑھ جاتی ہے۔

فقہی اعتبار سے بھی ان احکامات کو جاننا ایک
مسلمان کے لئے از حد ضروری ہیں تاکہ روزمرہ زندگی میں آنے
والے کا سامنا کرنا نہ پڑے۔ اور سرخروی کے ساتھ خاتمہ
بالخیر ہو سکے۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحب "نقشبندی" کا مطمح نظر
یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھال کے
اور خدا کے حضور شرمندہ و شرمسار نہ ہو اور اسی لئے وہ
وقتاً فوقتاً مختلف نکات پر گفتگو فرماتے گئے جنھیں ان کے
معتقدین و مریدین لکھ لیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ یہ مواعظ ایک تعمیری کام بھی انجام
دیتے ہیں اور اس طرح ملت اسلامیہ کی تعمیر میں مدد ملتی ہے۔
اور وہ ماحول پیدا ہو سکتا ہے جہاں مسلمان اپنی زندگی کو بحسن و خوبی
اسلام کے سانچے میں ڈھالیں اپنے اور اپنے خاندان، اہل و عیال
کی بہتر انداز میں کردار سازی کر سکے۔

کتاب کے آغاز میں سید عبدالروف مسافر نقشبندی و قادری کا
تحریر کردہ دیباچہ ہے۔ جس میں کتاب سے متعلق تفصیل
پیش کی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس کتاب میں بیش بہا
انمول ارشادات ملفوظات کو مع ان احادیث و اقوال،
معمولات صوفیا جو حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ بیان فرماتے رہے،
جمع کیا گیا ہے۔ ان کو جمع کرنے میں مولوی محمد غلام جیلانی صاحب
نقشبندی و قادری عثمان آبادی و طبقہ یاب سررشتہ دار مرید خاص
حضرت محدث دکن نقشبندیؒ کی اعانت سے یکجا کیا گیا اور طبع
کروایا گیا تاکہ سالکین راہ طریقت کے لیے یہ کتاب مشعل راہ
کا کام دے اور اس سے تزکیہ نفس اور محبت الٰہی حاصل ہو۔

اس کتاب کے آخر میں ایک رسالہ بعنوان "تصوف
کا بہار" مولف حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ کو بغرض استفادہ
سالکین شامل کر دیا گیا ہے۔

مواعظ حسنہ میں جن عنوانات کو حضرت عبداللہ شاہ صاحب
نے ہمارے لئے موضوع بحث بنایا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔
فضائل تعوذ، فضائل تسمیہ، فضائل کلمہ طیبہ، الفاق و محبت
احسان، احوال و کیفیات، آخرت، اخلاص، ادب، اسباق زندگی
اسراف، اطاعت و فرمانبرداری، اعمال نامہ، امامت، امانت و
خیانت، انسان، اولیاء اللہ، اہل و عیال، ایثار، ایمان، اسلام
اظہار، تعظیم، بخل، بغض و کینہ، بہتان، بھوک، بیماری،

پڑوسی، بیری و مریدی، تجرید و تفرید، تجویز و تفویض، تخلیہ و تحلیہ
ترک اعمال، تقصب، تقلق، تقدیر و تدبیر، تقوی،
تواضع و تکبر، عجب و انانیت، توبہ و استغفار،
توحید و رسالت، توشہ، توفیق، توکل، تہجد، تہمت،
توہین، ثابت قدمی، ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ میں،
جذبات انسانی، جمعہ، جنت، جھگڑا اور فساد، جھوٹ،
جشن خوری، حادث روانی، حال، حب دنیا، حب مال، حج،
حرص و ہوی، حسد، حقارت، حقوق العباد، حقوق والدین،
حقوق اولاد، حکایات اولیاء، حلال و حرام، حلم، خاتمہ،
خلق، خواب، خواہش، خود پسندی و خود بینی، خودستائی،
خوف الٰہی، خوف و رجا، درود شریف، دعا، دنیا، دنیا کی بے ثباتی
اور غم دنیا، دنیاوی ترقی، دوزخ، دوستی و دشمنی، دیدار الٰہی، دینداری،
ذوق و شوق، ارادت و تکلف، رضائے الٰہی، روح، ریاکاری،
زکوٰۃ، زنا، زندگی اور منزل آخرت، زیارت قبور، زہد، زینت،
سالک و سلوک، سخا و سخاوت، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کی معاشرت، سلام و مصافحہ، سماع، سنت، سوال، سود خواری،
مساوات، شامت اعمال، شراب، شب بیداری، شریعت،
شرم و حیا، شعائر اسلام، شکر نعمت، شہرت و مقبولیت،
شہادت، شیطان، صبر، صحبت، صدقہ و خیرات، صلہ رحمی،
ضرورت نبوت، طعن و تشنیع، طمع، طول امل، طہارت،

ظلم، ظاہر و باطن کی درستی، عادت، عبادت، عبدیت، عداوت، عدل و انصاف، عذاب الٰہی، عزت، عشق الٰہی، عفو، عقائد، علم و عمل، عمر عزیز، عملیات و تعویذات، عورت، عید، عیوب کا اخفاء و افشاء، غصہ، غفلت، غیبت، فقر، فکر، فنا فی اللہ، قبر، قبض و بسط، قرآن، قلب، قیامت، کرامت، کشف، گناہ و معصیت، لباس، مجاہدہ، مشابہت، محبت الٰہی، مشترک راتیں، مسجد، مصائب دنیا، معرفت الٰہی، موت، نافرمانی، نرم دلی، نسبت، نفسیات، نفس، نکاح، نماز، نیت، شکی و بدی، وسوسہ، واردات قلب، وقت، ہجرت، ہدایت و گمراہی، ہمت، یتیم، یقین، یکسوئی، اللہ تعالیٰ کی مرغوب صفات، میرے رب نے مجھے کن باتوں کا حکم دیا ہے، انجام زندگی، بدعت، بدنظری، بدی کا بدلہ، بیماری، بیوہ، نذر و نیاز، نصیحت، مفلسی و محتاجی، منافقت، موت، مہمان، میل جول، نافرمانی نظر۔

مندرجہ بالا موضوعات ہماری معاشرت کی اہم ترین کمزوریاں ہیں۔ لیکن ان پر ہماری توجہ نہیں ہوتی۔ ان پر غور و فکر کرنے کے لیے حضرت عبداللہ شاہ صاحب نے یہ مواعظ حسنہ کے ذریعہ معتقدین، سالکین اور عامۃ المسلمین کو متوجہ کیا ہے۔ ان تمام نکات کی نشان کرنے کے لیے جو دلائل دیے گئے ہیں ان کا استناد قرآن و حدیث

سے حاصل کیا تاکہ ناواقف لوگ واقف ہو جائیں اور اپنی زندگی کو آپ ﷺ کے متبلائی ہوئی ہدایتوں اور نصیحتوں کے مطابق ڈھالیں۔ اس طرح حضرت محدث دہلوی کی یہ کتاب نہ صرف مذہبی تقاضوں کو بڑی مدت تک پورا کرتی ہے بلکہ سماجی زندگی میں بھی سرخروئی کا سبب بنتی ہے اور اس کا انطباق ہماری معاشی معاشرتی زندگی پر ہو تو دین و دنیا دونوں میں کامیابی یقینی ہے۔

اس طرح حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ کی یہ کتاب ہماری زندگی پر اثر انداز ہونے والے حالات، واقعات اور کیفیات کا مکمل جائزہ لیتی ہے اور ہم ان ہدایتوں کی روشنی میں اپنی آخرت کو سنوار سکتے ہیں۔

حضرت عبداللہ شاہ نقشبندیؒ کا اسلوب عام فہم زبان سادہ، نہایت شستہ، برجستہ، فی البدیہہ ہے۔

مواعظ حسنہ حصہ دوم بھی حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ کے پہلے حصے کا تقریباً عکس ہے۔ اور یہ بھی آپؒ کے ارشادات کا مجموعہ ہے۔ جو موضوعات اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان کو حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ حاضرین مجلس کی استعداد و فہم کے لحاظ سے سمجھاتے تھے۔ اثنائے گفتگو میں متعلقہ قرآنی احکامات و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرماتے جاتے اور بات کو ذہن نشین کروانے کی غرض سے حکایات بھی بیان کرتے جاتے تھے۔

مختلف مجالس کے مواعظ حسنہ وارشادات کو آپؒ کے مرید و خلیفہ مجاز نے بلحاظ حروف تہجی ترتیب دیا ہے۔ یہ بات دونوں جلدوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ بیشتر عنوانات ہر دو جلدوں میں مشترک ہیں۔ بعض جگہ مباحث کا خلاصہ تقریباً ایک ہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ کہیں بات کی تفصیل میں جاتے ہوئے دکھائوں کا سہارا لیا ہے اور کہیں (۱) احادیث کے ذخیرہ سے دلائل دیے گئے ہیں۔ یعنی صرف میرا یہ اظہار یدللہ خانیہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو آپؒ "مہمان" کے متعلق فرماتے ہیں۔

"مہمان کا گھر آنا باعث رحمت ہے
جب تک مہمان گھر میں رہتا ہے
میزبان کے نامہ اعمال میں فرشتے
نیکیاں لکھتے رہتے ہیں اور میزبان
کے گھر خیر و برکت ہوتی ہے"

مندرجہ بالا اقتباس اس بات کا اثر دیتا ہے کہ مہمان باعث رحمت ہے نہ کہ زحمت۔ اس طرح حقوق الٰہی، حدیث رسولؐ حقوق کی ادائیگی اس سے ظاہر ہوتی ہے۔

مواعظ حسنہ کا آغاز فضائل تعوذ سے ہوا ہے اور غالباً اس کے لیے قرآن کو نمونہ بنایا گیا ہے کہ پہلے تعوذ سے آغاز ہو۔

---

۱ : مواعظ حسنہ، حصہ دوم، از حضرت عبداللہ شاہ صاحب، ص ۳۷۷۔

پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا جائے۔ بالکل ویسے ہی سب سے پہلے فضائل تعوذ بیان کیے گئے ہیں۔ اور اس کے بعد فضائل بسم اللہ کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب کی تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر بات کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ ع۱

"جب بسم اللہ والی آیت شریف نازل ہوئی تو مارے دہشت و خوف کے ابر پھٹ گیا، ہوائیں چلتے چلتے رک گئیں۔ سب جانور اس طرف کان لگا دیے (لذا) چلتے تاروں نے شہاب ثاقب سے شیطان پر رجم کیا گیا۔ غرض بڑی شان سے اس کا نزول ہوا۔ جب کسی مریض پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے تو اسے شفا ہوتی ہے اور جس چیز پر پڑھا جائے اس میں برکت ہوتی ہے۔"

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ عبداللہ شاہ صاحب نے ابن مسعودؓ کی روایت سے ایک حدیث درج کی ہے ع۲

فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں (۱۹) حرف ہیں۔

ع۱: فضائل بسم اللہ، مواعظ حسنہ از حضرت عبداللہ شاہ صاحب، ص ۳۰۔

ع۲: فضائل بسم اللہ، مواعظ حسنہ از حضرت عبداللہ شاہ صاحب، ص ۳۱۔

زبانیہ یعنے دوزخ کے فرشتے بھی (۱۹)
ہر حرف کے ایک ایک فرشتہ کا مقابلہ
کرکے بسم اللہ کا ورد رکھنے والے کو
دوزخ زبانیہ سے نجات دلائے گا۔"

مصر کے ایک بہت مشہور عالم احمد دیدات نے کمپیوٹر کے ذریعہ قرآن حکیم کا معجزہ کرکے (۱۹) کی اہمیت کو واضح کیا ہے کہ جملہ آیتوں کی تعداد، سورتوں کی تعداد، حروف کی تعداد غرض ہر اعتبار سے (۱۹) کا عدد قرآن حکیم میں موجود ہے۔ یہی ایک بات قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور ایک معجزاتی کتاب ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

احوال و کیفیات کے ضمن میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب کسی مرید کے استفسار کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔[1]

"آپ نے شمس تبریز و منصور حلاج
کے مرشد کا نام دریافت کیا ہے۔ کسی
کے مرشد معلوم کرنے سے آپ کو کیا فائدہ۔
بابا سنو!
کار خود کن کار بیگانہ مکن
بر زمین دیگراں خانہ مکن۔"

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ مواعظ حسنہ میں وقتاً فوقتاً کیے گئے ارشادات و خطوط شامل ہیں جو انہوں نے اپنے مریدوں، معتقدوں اور طالب علموں

---

[1]: احوال و کیفیات، مواعظ حسنہ از حضرت عبداللہ شاہ صاحب، ص ۲۰۶۔

کے جواب میں تحریر فرمائے تھے۔ اس اقتباس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کسی سالک نے ان سے شمس تبریزؒ و منصور حلاجؒ کے مرشد کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے نہایت روکے دوٹوک انداز میں تلقین کی کہ کسی ایسی بات جاننے سے کیا حاصل جس کا تعلق کچھ نہ ہو جو فارسی شعر درج کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو خود کام کرنا چاہئے تاکہ آپ کو خود اپنا کام کرنا چاہئے۔ دوسروں کا کام مت کرو۔ اور دوسروں کی زمین پر مکان نہ بناؤ۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ سالک کو ان باتوں سے واسطہ نہ ہونا چاہئے کہ کس کا مرشد کون تھا۔ کیونکہ یہ غیر ضروری مداخلت ہے۔ یہ چیز شاید ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جو کسی وجہ سے تحقیق کا کام انجام دے رہے ہوں لیکن راہ سلوک اختیار کرنے والے کے لیے یہ باتیں بالکل یہ طور پر غیر ضروری ہیں۔

اس اقتباس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ اپنے مریدین و معتقدین کو ہمیشہ گمراہی سے بچانا چاہتے تھے۔ انھیں یہ اندازہ تھا کہ کونسی باتیں بتانے چاہئے اور کونسی باتوں کو اخفا رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ جہاں حروف مقطعات کی بحث آتی ہے۔ وہاں وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کا علم خدا اور اس کے رسولؐ کو ہے یا پھر اللہ کے مقرب بندوں کو۔ لیکن عوام تک اس کی رسائی نہیں ہے۔

تقرب الٰہی سے نہ صرف ذات باری کا عرفان ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تمام علوم کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ اس رمز سے واقف تھے اور اسی لئے انہوں نے ہر جگہ احتیاط سے کام لیا ہے اور صرف وہی باتیں واضح کہی ہیں جنھیں عمومیت کا درجہ حاصل ہے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ جس سالک نے مندرجہ بالا سوال کئے تھے انہوں نے اور کیا سوال کیے ہوں گے یا انکے خط میں اور کیا کچھ ہوگا۔ ہمیں ان باتوں سے کچھ نہیں آنی فصلی تو یہ نظر آتی ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:[1]

"آپ کے عملی کیفیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اپنا رنگ جمارہا ہے کہ یہ سب صفاتی قلب و ذکر کے آثار ہیں خدائے تعالیٰ ان احوال میں ترقی دے، سالکوں پر اسی طرح کے احوال گذرتے ہیں یہ سب راستے کے تماشے ہیں ایسے سینکڑوں احوال نظر آتے رہیں گے اور پھر جھپ کر دوسرے احوال دکھائی دیں گے ان کا مطلق خیال نہ کرے اپنے کام میں لگے رہے اصل مقصود سالک کا رضا اور محبت الٰہی ہے۔

اپنے احوال کسی پر ظاہر نہ کریں اوروں کے بڑے بڑے قصوروں پر گرفت نہیں ہوتی اور آپ جیسے طالبان خدا چھوٹی چھوٹی باتوں پر مواخذہ ہوتا ہے اور قلب کی حالت بدل دی جاتی ہے اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھیے اور اپنے قلب کو سنبھالتے رہیے۔"

۱: احوال و کیفیات مواعظ حسنہ از حضرت عبداللہ شاہ صاحب رح ص ۳۵۔

گویا جس معتقد یا سالک کے جواب میں انہوں نے یہ تحریر فرمایا ہے اُس نے اپنے قلبی کیفیات سماذ کیا ہے اور غالباً اُس سلسلے میں وضاحتیں چاہی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے طالبانِ خدا کے تعلق سے یہ بات بھی کہی ہے کہ اُن کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی گرفت ہوتی ہے۔ جبکہ دوسروں کے بڑے بڑے معاملات سے صرف نظر ممکن ہے۔ لیکن صرف اس خیال سے کہ چونکہ دوسروں سے صرف نظر نہیں کیا گیا۔ اس لیے ہم کو بھی یہ آزادی حاصل ہے کہ جو چاہے کریں یہ طرزِ فکر درست نہیں ہے اور اسی بات کی طرف حضرت عبداللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب نے ہر معاملے میں اعتدال کی ہدایت کی یہاں تک کہ کھانے پینے میں یہ تو بات سب ہی جانتے ہیں کہ بہت زیادہ شکم سیر ہو کر کھانا نقصان کا سبب ہے۔ اور اس سلسلے میں حدیث شریف بھی موجود ہے۔ حضرت عبداللہ شاہ کا یہ ارشاد دیکھیے ۔ع ۱

"زیادہ کھانے سے خطرات اور وساوس بہت آتے ہیں اس لیے کہ معدے کی بیخبر دماغ کی طرف چڑھ کر دماغ کو پریشان کر دیتی ہے اسلیے ہر وقت رہنے سے بھی ہر وقت کھانے کی طرف دھیان رہتا ہے اس وقت بھی کمی نہیں ہوتی۔ اصل مقصود خدا سے تعلق پیدا ہونا ہے۔ اس کے لیے جمعیت خاطر ضروری ہے تو جسے زیادہ کھانے سے یہ غرض فوت ہو جاتی ہے وہ بے ہی نہ کھانے سے بھی۔ اس لیے اعتدال کا خیال رہے۔"

ع ۱ : بھوک، مواعظ حسنہ، از حضرت عبداللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ، ص ۵۲۔

مرشد و مرید کے تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں۔ ۱؎

"مرشد و مرید کا تعلق باپ اور بیٹے کا سے
مرشد کا فرض منصبی یہ ہے کہ مرید کی ہر
حرکت کو بغور دیکھتا رہے اگر مرید سے کوئی
بات خلاف شرع ہو جائے تو فوراً شفیق
باپ کی طرح ٹوک دے۔ سعادت مند
مرید کو بھی چاہیئے کہ مرشد کے کہنے پر کسی طرح
دل میں آزردہ نہ ہو اور مرشد کی ہر ہدایت پر
عمل کرے۔"

سلسلے چشتیہ میں سماع کو جائز قرار دیا گیا ہے جبکہ نقشبندی سلسلے میں احتیاط کی ہدایت ہے۔ اصل میں بہت ساری باتوں کی طرح سماع بھی ہر کس و ناکس کے لئے نہیں ہے کیونکہ اصل چیز محبت الٰہی ہے اور وہ کیفیت ہے جو محبت الٰہی سے دل میں موجزن ہوتی ہے۔ سماع کے تعلق سے حضرت عبداللہ شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔ ۲؎

"سالکین کو سماع سے بچنے کی ضرورت ہمارے
پیران کبار نے سماع کے متعلق فرمایا ہے کہ "این
کار بکنم نہ انکار" بابا پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر
دل میں بسا کر ایسی حالت پیدا کر لیجئے کہ دل میں
یاد الٰہی کا جوش موجزن ہو جائے۔ اس کے بعد پابندی
شرائط بغیر مزاحم سماع سننے کا موقع آجائے تو سن
سکتے ہیں اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو اس کو مجلس سماع میں
شریک نہ ہونا چاہیئے۔

۱؎: مرشد و مرید مواعظ حسنہ از حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ ص ۶۳۔

۲؎: سماع مواعظ حسنہ از حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ ص ۱۷۸ اور ۱۷۹۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ سماع کے بھی
حدود ہیں۔ ہر شخص کو جائز نہیں جیسا
کہ آجکل ہر کس و ناکس اس میں مبتلا ہے۔ حضرت جامیؒ فرماتے ہیں۔

زمنداں دلاں مردہ تناں را رواست
مردہ دلاں زندہ تناں را خطاست۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے
سماع کے لیے چار شرطیں بتائی ہیں۔
(۱) سماع اہل دل باشد،
(۲) مستمع مرد تمام باشد،
(۳) مسموع مضمون ہزل نباشد،
(۴) آلۂ سماع چنگ و رباب درمیان نباشد۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں۔
سماع ایک لطیف کشش ہے۔
جس کے باعث دل اللہ تبارک کی یاد پر
حریص ہوتا ہے لیکن جس نے اسے
حق سے سنا وہ حق کی طرف راہ
پاتا ہے۔ جس نے نفس سے سنا وہ
زندیق ہو جاتا ہے۔"

اور حق سے سننا ہر ایک کے لیے ممکن نہیں ہو سکتا چونکہ حضرت
عبداللہ شاہ صاحبؒ انسانی فطرت کے اس رمز سے واقف ہیں
اس لیے وہ احتیاط کی ہدایت دیتے ہیں۔ اور اس طرح یہ بات بھی
واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے سماع کی سختی سے مخالفت نہیں کی

اور اس کو کفر و الحاد وغیرہ نہیں کہا بلکہ سماع کی جو اندرونی کیفیات ہیں۔ اُن سے واقف ہو کر ہی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صورتحال کے مدنظر ہی اُنھوں نے اپنے مریدوں اور معتقدین کو احتیاط کرنے کی ہدایت دی ہے۔

صوفیا کے ہاں یقین کو بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ ہمارے ایمان کا بہت بڑا حصہ یقین ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ لیکن اس پر ایمان لانے یقین کی جو مختلف اقسام ہیں۔ اُن کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ شاہ صاحب "قلم" فرماتے ہیں ع۱

"یقین کی تین قسمیں ہیں علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین۔ مثلاً ہم نے پانی بھری صراحی کو دیکھ کر جانا کہ اس کے اندر پانی ہے یہ علم الیقین جب اس صراحی کا سر پوش اٹھا کر پانی کی آنکھ سے دیکھ لیا تو عین الیقین ہے۔ جب اُس صراحی سے پانی لے کر پی لیا تو اس وقت اس پانی کی حقیقت اتنی منکشف اور عیاں ہو جائے گی کہ علم الیقین اور عین الیقین دونوں پر پانی پھر جائے گا۔ تم میں اور پانی میں کوئی واسطہ اور حجاب پانی نہ رہے گا یا للہ تمہاری اور اس کی حقیقت ایک ہو جائے گی یہ حق الیقین ہے۔"

ع۱ : یقین، مواعظ حسنہ، از حضرت عبداللہ شاہ صاحب قلم، ص ۳۱۲ -

سالک کی سب سے اہم خواہش تقرب الٰہی ہے۔ لیکن اس کے لیے
ایمان ارکان اسلام اور احسان کا مضبوط رہنا ضروری ہے۔
اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اتباع شریعت، سلوک طریقت
اور عوارف حقیقت کے معارف تک پہنچنا بہت ضروری ہے
تاکہ انسان جب یہ یقین کر لیتا ہے کہ جانے وہ حسائل ہوں
یا آسائش سب اللہ کی طرف سے ہے تو پھر نہ مصیبت کا احساس
باقی رہتا ہے اور نہ آسائش کی لذت محسوس ہو جائے کہ یہ
ساری چیزیں وقتی اور فانی ہیں تو پھر زندگی کے بارے میں نظریہ
ہی بدل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنے
خواعظ کے ذریعہ یہ کوشش کی ہے کہ سالک کو ان راستوں
پر چلایا جائے جہاں سے اس کو فلاح اور قرب الٰہی کی نعمت
حاصل ہو سکے۔ انہوں نے اپنے خواعظ میں اس بات کو ملحوظ رکھا
کہ کوئی بات ایسی نہ کہی جائے جو خلاف عقل و فطرت ہو چونکہ
اسلام خود ایک ایسا مذہب ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے
اسی بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ
نے اپنے خواعظ میں جو دلائل دیئے ہیں وہ ہماری عام زندگی
سے لی گئی ہیں اور دن رات ہمارے مشاہدے میں آتے رہتی ہیں۔
علاوہ ازیں اگر ذرا سا غور کیا جائے تو ان کی ساری حقیقت
کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب "قلندر" کے انداز بیان کے
تعلق سے ان کے مرید سید عبدالرؤف مسافر لکھتے ہیں ع۱

"بلند پایہ مرضامن، خصوصی انداز بیان
کے ساتھ ساتھ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے
اور امتیازی خصوصیت یہ کہ کسی کی
دل آزاری نہ ہو۔"

مواعظ حسنہ جلد اول و دوم کو شروع سے آخر
تک دیکھا جائے تو بہت کم ایک بھی مقام ایسا نظر نہ آئے گا
کہ جس سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہو۔ خصوصیت بہت کم
لوگوں میں ملتی ہے کہ وہ نازک مقامات سے بھی دامن جلائے
بغیر نہایت آسانی سے گذر جائیں۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب "قلندر" مواعظ حسنہ جلد اول
کے ایک موضوع "جمعہ" پر بیان فرماتے ہیں کہ: ع۲

"ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ ہم
جمعہ کی کمزوری سے تڑپیں گے اس لیے
اس دن کے آنے سے پہلے جمعہ کی قدر کریں۔"

اور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ع۳

ع۱ : حالات زندگی، مواعظ حسنہ، حضرت عبداللہ شاہ صاحب قلندر
مولف عبدالروف مسافر نقشبندی، مادری ص ۱۵ -
ع۲ : "جمعہ" مواعظ حسنہ، جلد اول، از حضرت عبداللہ شاہ ص ۹۶ -

"حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
اے عمر جو بندہ نماز جمعہ کے لیے نہا دھو
کر پاک وصاف ہو جاتا ہے تو وہ گناہوں
سے ایسا ہی پاک وصاف ہو جاتا ہے کہ
جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے
کے دن تھا اور فرماتے ہیں جمعہ کے دن
جو نیک عمل کرے اس کے لئے سو نیک
عمل کے بدلے ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔
اور فرمایا کہ عمر بھر جمعہ کی نماز پڑھا کرو
کرو جمعہ کی نماز گناہوں کو ایسا جھاڑ
دیتی ہے جیسے جھاڑو دینے والا کوڑا
اور مٹی جھاڑ دیتا ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس کے بعد حضرت عبداللہ شاہ صاحب تسلم[۳] اچھی
چیز کا فائدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اچھی چیز دوست
کے لیے رکھی جاتی ہے اس لئے جمعہ جیسی متبرک چیز
ہم مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے
اور ہر نعمت و احسان پر شکریہ ادا کرنا ضروری ہے اس لئے
ہمیں چاہئے کہ جمعہ کا دن عبادت میں گذاریں جو اداب
جمعہ میں داخل ہے جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔

۳: "جمعہ" خوانندہ حسنہ، جلد اوّل، از حضرت عبداللہ شاہ صاحب
ص ۹۶ اور ۹۷۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب "قبلہ" اپنی کتاب مواعظ حسنہ
کے جلد دوم میں بعنوان "جمعہ" حدیث شریف کے
حوالے سے فرماتے ہیں کہ: ع۱

"حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
جو شخص جمعہ کے دن نہائے اور بدن
پاک کرے تو یہ عمل اس کے سات ظہر سے
جمعہ کے گناہوں کا کفارہ ہے جو شخص مسجد
کی طرف جائے ہر قدم پر بیس برس کی عبادت
لکھی جاتی ہے جو شخص نماز جمعہ کے واسطے
گھر سے ہی مسجد سے عرش تک اس کے
درمیان سے حجاب اٹھا دیے جاتے ہیں
اور فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ جو سنت
جمعہ کے دن ندب اعمال کرے اس کے لیے
ہر ندب عمل کے بدلے ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں
جمعہ کا غسل حسنوں سے ستر کار دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سر مدا و مت فرمائی
ہے یہ اتباع صرف بہ نیت جمعہ غسل کرے
سے ہی ہو جاتے جمعہ کا غسل ایسے وقت پر
کریں کہ بعد غسل نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد
چلے جائیں تاکہ غسل میں کیے ہوئے وضو سے
نماز جمعہ ادا ہو سکے اگر کوئی شخص ملازم
ہو اسکو ایسا وقت نہ ملتا ہو اسکو چاہیے

ع۱: "جمعہ" مواعظ حسنہ جلد دوم از حضرت عبداللہ شاہ قبلہ"
ص ۱۱۲ -

کہ بعد نماز فجر اپنی سہولت سے غسل
کرلے مجبوری کے تحت یہ عمل بھی جائز
ہے اسکو بھی اتنا ہی ثواب ملیگا جتنا
کہ جمعہ کے غسل میں کیئے ہوتا ہے
نماز جمعہ پڑھنے والے کو ملتا ہے
اگر اتفاق سے کسی شخص کو کسی اور
قسم کا غسل مثلاً جنابت یا احتلام
کا زیادہ تو وہ پہلے یہ نیت کرلے اور
بعد میں جمعہ کی نیت سے غسل کرلے لیکن
بہتر طریقہ یہ ہے کہ پہلے غسل جنابت یا
احتلام کرکے نماز فجر ادا کرے پھر نیت
کرکے نماز جمعہ کے شروع کرنا چاہیئے
جمعہ کی کافی فضیلت و اہمیت ہے
جمعہ کو عید المومنین کہا گیا ہے اس
کی تفصیل خود ایک مستقل باب ہے"

حضرت عبداللہ شاہ صاحب "تفہیم" کے دونوں جلدوں کے
اقتباسات میں یہ کہا گیا ہے کہ "جمعہ" ایک مشترک
دن ہے۔ جس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس طرح حضرت "تفہیم"
کا پہلی جلد میں یہ فرمان کہ جمعہ کا قدر کرو اور حدیث کے

ذریعہ سے یہ ظاہر فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ
اے عمر جو بندہ نماز جمعہ کے لئے نہا دھو کر پاک و
صاف ہو جاتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک و صاف
ہو جاتا ہے کہ جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن تھا
چنانچہ یہی بات جلد دوم سے بھی ظاہر فرماتے ہیں کہ
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ
کے دن نہائے اور دن پاک کرے تو یہ عمل اس کے
ساٹھ برس کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔

جلد اول میں جو بات یعنی اس دن تک عمل کرنے
کی ترغیب دیتے ہیں کہ اس دن سے تک عمل کے بدلے ستتر
نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ یہی بات جلد دوم سے بھی من و عن ظاہر
فرماتے ہیں۔

جلد اول میں حدیثی حوالے سے جمعہ کی نماز پر
ہدایت کی تلقین کو یوں فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ
علیہ وسلم حضرت عمر رض سے فرماتے ہیں کہ اے عمر رض تم جمعہ
جمعہ کی نماز پر ہدایت کرو، جمعہ کی نماز گناہوں کو ایسا جھاڑ
دیتی ہے جیسے جھاڑو دینے والا کوڑا کرکٹ جھاڑتا ہے۔

جلد دوم میں حدیثی حوالے سے فرماتے ہیں کہ

جو شخص مسجد کی طرف جائے ہر قدم پر بیس برس کی عبادت لکھی جاتی ہے اور جو شخص جمعہ کے واسطے کھڑا ہو مسجد سے عرش تک اس کے درمیان سے حجاب اٹھا دیے جاتے ہیں

جمعہ کے غسل کو مسنون قرار دیتے ہیں جس پر 2
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ "مواعظ حسنہ" جلد اول میں بعنوان "جھوٹ" تحریر فرماتے ہیں۔ 1

"آج کل لوگوں کو یہ بہت بری عادت پڑ گئی ہے کہ بات بات پر جھوٹ بکتے ہیں سچ بھی کہیں گے تو مرچ مصالحہ لگا کر اس سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ بابا یاد رکھیے کہ جھوٹ بہت بری چیز ہے عذاب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی اعتبار جاتا رہتا ہے اگر جھوٹ بولنے والا کبھی سچ بھی کہے تو لوگ اس کو جھوٹ ہی سمجھتے ہیں اس لئے جھوٹ نہ کہنا چاہیے آدمی ایک بار جھوٹا ثابت ہو جائے تو مدتوں اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور جھوٹ بولنے والے خدائے تعالیٰ کے یہاں بھی جھوٹا مشہور ہو جاتا ہے، قطع نظر آخرت کے دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے۔

جھوٹی قسم آباد گھر کو ویران کر دیتی ہے یعنے جو جھوٹی قسم کھا کر دنیا کا زیادتی مال و جاہ چاہتا ہے جو

کچھ اُس کے مال دنیا وہ بھی اس
کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اُس کے گھر
سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔"

اس حدیث کی تاویل میں حضرت عبداللہ شاہ نقشبندؒ اگلے بعد دیگرے تین احادیث کو بیان فرماتے ہیں تاکہ بات مدلل طریقے سے واضح ہو جائے۔ ان تینوں احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بندے کو چاہئے کہ جھوٹ کہنے سے پرہیز کریں کیونکہ جھوٹ بدی کی راہ پر ڈالتا ہے۔ نتیجے میں نامہ اعمال سیاہ ہو جاتے ہیں اور بجائے جنت کے دوزخ ٹھکانہ بنتی ہے۔ اگرچہ کہ جھوٹ سے وقتی فائدہ ہوتا ہے مگر دائمی نقصان ہے۔ جب جھوٹ واضح ہو جاتی ہے تو جھوٹے کا مقام حقیر تر اور کفر تک پہنچ ہو جاتا ہے۔ جھوٹ سے ایک آدمی دوسرے کو دھوکا ضرور دیتا ہے مگر اللہ اس سے واقف ہے۔ اس سے آخرت کے عذاب کے سوا چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے۔ آخری حدیث سے یہ بات بتائی گئی ہے کہ جس وقت انسان جھوٹ بولتا ہے اُس وقت دونوں فرشتے جدا ہو جاتے ہیں اور اس کے منہ سے بدبو آنے لگتی ہے۔

۱؎ "جھوٹ" مواعظ حسنہ جلد اوّل از حضرت عبداللہ شاہ نقشبندؒ ص ۱۰۰۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ کے مواعظ حسنہ کی
جلد دوم میں ضمن "جھوٹ" رقمطراز ہیں۔ ع۱

"حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے
جو شخص جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرہ
کی رونق جاتی رہتی ہے اور اس میں بدخلقی
اور کبروی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا تعلق
ضرور معذب (عذاب پانے والا) ہوتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کی اہمیت
اس مثال سے سمجھیے۔

"رسالت پناہ کے دربار میں ایک شخص
حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ میں چند
برائیاں ہیں ان کو کرنے کی اجازت دے
آپ نے فرمایا ایک شرط پر وہ شخص
راضی ہو گیا۔ آپ نے فرمایا صرف
جھوٹ نہ بولنا جس وہ شخص چلا
گیا رات کو شراب نوشی کے لیے چلا
تو خیال آیا کہ کل دربار رسالت میں
حاضر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تم سے
دریافت کریں گے تو مجھے سچ بتلانا ہوگا کہ شراب
پیا یہ خیال کرتے ہی وہ شراب خانے سے واپس
آگیا۔ اس کے بعد چوری کرنے کے لیے گیا اس وقت
بھی یہی خیال آیا کہ تمام میں یہ اقرار کرنا ہوگا چوری
برائی کرنے گیا وہاں بھی یہی خیال آیا غرض صرف ایک
اقرار کہ جھوٹ نہ بولنے کی وجہ سے تمام برائیوں سے بچ گیا۔"

ع۱: "جھوٹ" مواعظ حسنہ، جلد دوم، از حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ
ص ۱۱۴ —

موضوع "جھوٹ" دونوں جلدوں کے مطالعے سے
واضح ہوتا ہے کہ ایک بُری بلا ہے۔ اس
سے نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انسان دوسروں
کے سامنے ذلیل و رسوا ہوتا ہے۔

مواعظ حسنہ جلد اوّل میں جھوٹ کہنے سے
حضرت حدث دقن" فرماتے ہیں کہ دل سیاہ ہو جاتا ہے۔
اور مواعظ حسنہ جلد دوم میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام
کے قول کے بیش نظر یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اس سے
چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے۔

پہلی جلد میں فرمایا جا رہا ہے کہ جھوٹ سے
عذاب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی اعتبار جاتا رہتا ہے
اگر جھوٹ کہنے والا کبھی سچ بھی کہے تو لوگ اس کی جھوٹ
ہی سمجھتے ہیں اس لئے کہتے ہیں جھوٹ سے رکنا چاہئے آدمی ایک بار
جھوٹا ثابت ہو جائے تو مدتوں اسکا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

دوسری جلد میں کہا جا رہا ہے کہ اس میں بد خلقی
اور کجروی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا تعلق عذاب پانے والا ہوتا ہے
چنانچہ اس کی وضاحت کے لئے حضرت حدث دقن" حدیث کے
حوالے سے کلام کیا گیا ہے جس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ بطور
جھوٹ بولنے والے کی جھوٹ کی لعنت سے بچایا جا سکتا ہے۔

"قیامت نامہ"

حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ نے جس طرح اپنی دیگر تصانیف کے ذریعہ سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا خوف دلایا ہے۔ بُرے اعمالوں سے باز رہنے کی تلقین کی ہے اور نیکیوں کا حکم دیا۔ اسی طرح اس تصنیف میں بھی آپؒ وہی انداز بیان اختیار فرماتے ہیں۔ قرآنی آیتوں، حدیثوں کی روشنی میں جابجا حکایتوں سے کام لیتے ہوئے مطلب کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ یہ وہی طریقہ ہے جو جلال الدین رومیؒ نے بھی اپنی مثنوی میں پیش فرمایا ہے۔

آپؒ اس کتاب کا آغاز "تمہید" سے کرتے ہیں۔ جس میں ایک بادشاہ کی مثال پیش کرتے ہیں کہ جس طرح بادشاہ سے اس کے قریبی لوگ ڈرتے ہیں بالکل اسی طرح اللہ کا ڈر اس کے پیغمبروں کو بہت تھا عام رعایا کو نہیں۔ اس پر آپؒ ایک حدیث کے ذریعہ سے سمجھاتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ[1] وہ

ابھی ہوا ہی کیا ہے۔
جب پُل صراط سے

پار اُتر جاؤ اس وقت بے فکر ہونا۔
ابھی جنت کوسوں دور ہے تم میں
اور جنت میں ایک لاکھ سولفاف اور
ہیبتناک چیزیں حائل ہیں۔ اولیٰ ان
میں کی موت اور اس کی سکرات ہے جس
کو قیامت صغریٰ بھی کہتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ شاہ صاحب اس کتاب میں قیامت کے دو اقسام بتاتے ہیں۔ ۱۔ قیامت صغریٰ۔ ۲۔ قیامت کبریٰ۔

پھر ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ وضاحت کرتے ہیں اور ہمارے دل کو دنیائے غدار سے ہٹا کر اللہ کا فرمان بردار بندہ بنانے کی سعی و تبلیغ فرماتے ہیں۔ بھولے بھٹکے مسافروں کو سفر کی صحیح سمت کی طرف گامزن بھی کرواتے ہیں تاکہ وہ منزل مقصود کی طرف آسانی کے ساتھ کوچ کر سکے اور ختم سفر پر اطمینان و سکون کی سانس لے سکے۔

آپ کی یہ تصنیف دلولہ انگیز اور انقلاب پذیر ہے جس کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی منزل پر پہنچنے کے لئے راستہ بھٹک گئے ہیں۔ جس میں پہنچنے کا حل بتایا گیا ہے۔

---

۱ : حضرت عبداللہ شاہ نقشبندیؒ، قیادت نامہ، ص ۳۔

یہ ایسی تصنیف ہے جس کو پڑھنے سے نیا احساس جاگنے لگتا ہے۔ مردہ دلوں میں تازگی پیدا ہوتی ہے بھٹکے ہوئے لوگوں کو صحیح راہ مستقیم آتی ہے اور اس دنیائے ناتمام سے یکلخت بے زاری اور نفرت سی پیدا ہو جاتی ہے یہ تصنیف ہم کو خواب غفلت سے بیدار کرتی ہے اور آخرت کا بھرپور خوف دلاتی ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد ہم کو اپنی بھول سا احساس ہونے لگتا ہے۔ شیطانی ہتھکنڈوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ قیامت صغریٰ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔ [1]

"آج کل موت کا بازار گرم ہے اور بہت سستی ہو گئی ہے مگر معلوم نہیں کہ موت کیا چیز ہے اس لئے کہ جو شخص عمر بھر میں کبھی شکر کھایا ہی نہ ہو تو اس کو شکر کا مزہ کیا معلوم ذرا شکر کھائے ہوئے سے پوچھو وہ شکر کا مزہ بتلائے گا۔ ایسا ہی موت کا مزہ مردوں سے پوچھو وہ موت کا مزہ بتلائے گا۔ ہم میں وہی اس کو خوب جانتے ہیں۔"

۱: حضرت عبداللہ شاہ نقشبندیؒ، قیامت نامہ، ص-۳-

آگے آپؒ یوں رقمطراز ہیں: ع۱

"دوستو! دنیا کی زندگی پر دھوکہ نہ کھانا
اس کا کچھ اعتبار نہیں پھول کی طرح
دو دن کی بہار ہے۔ پھر کچھ بھی نہیں۔

ہے بہار باغ دنیا چند روز
دیکھ لو اس کا تماشہ چند روز
اے مسافر کوچ کا سامان کر
اس سرا میں ہے بسیرا چند روز
غافلو یاد الٰہی چاہیئے
زندگی کا ہے بھروسہ چند روز۔"

دنیا کی نیرنگی کے بارے میں آپؒ کچھ اشعار پیش فرماتے ہیں: ع۲

"نوروتی ہے شبنم کہ نیرنگ جہاں کچھ بھی نہیں
خندہ زن ہیں گل کہ روئے گلستاں کچھ بھی نہیں۔
جن کی نوبت کی صدا سے گونجتے تھے آسماں
دم بخود ہیں مقبروں میں ہوں وہاں کچھ بھی نہیں۔
جوڑ سارے توڑ ڈالے کیفیح کرسند نفس
گور کی نفلی سے جت ہے پہلوان کچھ بھی نہیں۔
خاک پر ٹوٹا پڑا ہے سر سکندر پائے با
دور ہیں اے چشم تیرا حام جہاں کچھ بھی نہیں۔
جن کے محلوں میں ہزاروں رات کے قانوس تھے
جھاڑ ان کے قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں۔

ع۱ اور ع۲: حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ، "سیاحت نامہ" ص ۴ اور ۵۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ قیامت صغریٰ کا خاکہ اس قدر دلفریب اور دلکش انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ ہر بات دل لگتی دکھائی دیتی ہے۔ طرز تخاطب اس قدر نرالا اور پر اثر ہے کہ ہر جملے سے نصیحت عبرت صداقت اور حقیقت ٹپکتی ہے۔ آپؒ کی باتیں دماغ کی راہ سے دل میں اترنے لگتی ہیں۔ ساری اعمال خبیثہ کو اپنانے کی طرف توجہ مبذول کراتے ہے۔

جان کنی کی تکلیف کو آپؒ یوں بیان فرماتے ہیں کہ:[1]

"اور جانکنی کے یہی معنی ہیں کہ نفس روح
پر صدمہ ہوتا ہے اور اس کے تمام اجزاء
میں وہ پھیل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اجزائے
روح میں سے جو تمام بدن میں پھیلی ہوئی ہے
کوئی جز باقی نہیں رہتا کہ جس میں درد نہ ہو۔"

آپؒ موت کے تعلق سے ہمیشہ باخبر رہنے اور رات دن میں کئی دفعہ موت کو یاد کرنے کی تاکید کرتے ہیں تاکہ دین سے محبت اور محبت پیدا ہو اور دنیا سے دوری ہو۔

---

[1]: حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ، قیامت نامہ، ص ۸۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ موت کے
تعلق سے مزید فرماتے ہیں کہ: [1]

"صاحبو! موت تو وہ چیز ہے کہ جب خدائے تعالیٰ
نے اسکو پیدا کر کے فرمایا کہ تو اپنی اصلی صورت میں فرشتوں
پر گذر جب موت اپنی صورت میں گذری تو فرشتے
مارے ہیبت کے ایک زمانہ تک بے ہوش رہے
جب ہوش آیا تو عرض کیا الٰہی یہ موت کس کے لیئے
بنائی ہے ارشاد ہوا۔ ہر جاندار کے لیے فرشتوں نے
عرض کیا "دنیا کیوں بنایا" ارشاد ہوا انسان اسمیں
بسنے کے لیئے۔ عرض کیا "عورتیں کیوں پیدا کیا" ارشاد
ہوا نسل بڑھانے کے لیئے۔ "عرض کیا یہ موت جن پر
مسلط کی گئی ہے وہ کہیں عورتوں کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں
اور دنیا میں خوشی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ ارشاد
ہوا یہ سچ ہے مگر طول امل اور غفلت الٰہی رہنگی
کہ موت کو بھول جائیں گے۔ عورتوں اور بچوں میں پھنس
کر دنیا میں گرفتار رہیں گے۔
اس سے معلوم ہوا کہ موت کسقدر تکلیف کی
چیز ہے۔ لگتی گناہگاروں پر وہ اور بھی سخت ہوتی ہے"

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ کے کہنے کے مطابق موت کو

---

[1]: حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ، قیامت نامہ، ص ۲۲ اور ۲۳۔

وارننگ کے بجائے معشوق کا پیغام سمجھنا چاہئے۔
پھر موت میں الیسا مزہ آتا ہے جیسے میٹھا شیرو شکر
سے حاصل ہوتا ہے۔ موت دیدار سے مشرف ہونے کا نام ہے۔
موت سفر سے وطن کو جانے کا نام ہے۔ موت فراق کے صدمے
سہنے کے بعد وصال کا نام ہے۔ موت منتقلی کا دوسرا نام ہے۔
اس نے یہ معلوم ہوا کہ ہدایت پائے ہوئے فلاح دارین حاصل ہے
ہوئے لوگوں کو موت کبھی گزند نہیں پہنچاتی اور نہ ہی لوگ موت سے
مزہ محسوس کرتے ہیں بخلاف جنھوں نے پیغمبروں کے دین ہدایت
پر عمل پیرا ہوئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں سے راضی
ہوتا ہے اور اُن کی روح بھی آسانی منتقل کی جاتی ہے اور وہ
ملائکہ کے پیغام کو دعوت نامہ تصور کرتے ہیں۔ جنھوں نے
اس کے رسولوں کی اطاعت سے روگردانی کی اُن کے لئے موت
عذاب کی وعید ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی روح کو نکالنے کے لئے
موت کے خطرناک فرشتوں کو بھیجتا ہے جو انتہائی وحشتناک
ڈراونی صورت میں آکر روح کو حالت گرنے میں نفس کی تہلکہ
دے جان سے علیحدہ کرتے ہیں اور ٹاٹ میں لپیٹ کر آسمان
پر لے جاتے ہیں جس سے بدبو نکلتی ہے۔ آسمانوں کے دروازے
بند کر دئے جاتے ہیں اس طرح وہ بُری روح سے زمین پر نکلتے ہیں
پھر منکیر نکیر بھی حاضر آجاتے ہیں تو تب وہ اُن کے سوالوں کا جواب
نہیں دے پاتے اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ چنانچہ اس بات کو

سمجھانے کے لئے آپ حکایت سے کام لیتے ہیں۔
فرماتے ہیں کہ: ع۱

"ایک شخص کا چھوٹا سا بچہ باپ کے ساتھ
سویا کرتا تھا۔ ایک رات بچہ کو نیند نہ آئی۔
باپ نے کہا "بیٹا کیا تو بیمار ہے" جواب دیا۔
"ابا اچھا ہوں" مگر یہ بات ہے کہ کل جمعرات
کا دن ہے آٹھ دن جو کچھ پڑھا اور لکھا ہے وہ
سب استاد کو سنانا ہے ڈر رہا ہوں کہ نہیں
بھول گیا تو خوب پٹوں گا" استاد خفا ہوں گے
اسی واسطے نیند نہیں آرہی ہے" باپ نے
اک چیخ ماری سر پر مٹی ڈال لیئے بیٹھ روئے"
یہ بچہ کو جمعرات کا جیسا ڈر تھا" ہائے ہمکو
قیامت کا اس سے آدھا بھی ڈر نہیں نہ پٹنے
کا ڈر ہے نہ خدا کے خفا ہونے کا خوف ہے"

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ قیامت کبریٰ کے تذکرے میں فرماتے ہیں کہ: ع۲

"ذرا آسمان اور زمین کے انتظام کو دیکھو تب
تم خود ایک روز کہہ اٹھو گے کہ بے شک دن
ایک دن قیامت آنے والی ہے۔ اگلے
زمانے کے حکماء اور اس وقت کے بڑے بڑے

ع۱: حضرت عبداللہ شاہ قبلہؒ "قیامت نامہ" ص ۵۳۔
ع۲: " " " " " " ۷۲۔

سائنس داں اس بات کے قائل ہیں کہ
چراغ جب جلتا ہے تو چراغ سا تیل جو مادہ
روشنی سے کم ہوتا جاتا ہے۔ آخر ایک وقت
بجھ جاتا ہے۔ اسی طرح ایک روز آفتاب
بھی بجھ جائے گا۔ آفتاب کے فنا ہوتے
ہی زمین تارے بھی جن کا تعلق آفتاب
سے ہے فنا ہو جائیں گے اور اس طرح
بداننظامی ہو کر سارا عالم فنا ہو جائے گا
اسی کو ہمارے پیارے رسول ﷺ قیامت
کہتے ہیں، پھر اس میں دیوانہ پن کی کیا
بات ہے۔"

چھوٹی قیامت سے جسم مادی فنا ہوتا ہے اور قیامت کبریٰ سے تمام عالم فنا ہو جاتا ہے۔ اس وقت کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ گناہگار بے چین ہوں گے ان کی صورتیں حالوروں کی صورتوں سے مشابہ ہو جائیں گی اور طرح طرح کے آفتوں کا شکار ہو جائیں گے۔ لوگ گھبراہٹ میں آکر ایک دوسرے کی گردن دبوچنے لگیں گے۔ ہر شخص کو اس کے کیئے ہوئے اعمالوں کے مطابق سزا و جزا ملے گی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب قادری اس آنے والے ہولناک دن سے آگاہ کرتے ہوئے اس تصنیف میں ہم بندگانِ خدا سے یوں مخاطب ہوتے ہیں کہ: ؎

"او ناشکرے انسان! آج تو کس خواب خرگوش
میں پڑا ہوا ہے۔ آئندہ آنے والی زندگی کا تجھے کچھ بھی خیال نہیں

شتر بے مہار بنا ہوا ہے، کسی کی شناسائی نہیں
سنا کہ اندیشہ تیرے دل میں نہیں آسمانی
عدالت کا تجھے انکار ہے۔"

پھر حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ یوں مخاطب ہوتے ہیں کہ ع ۲

"او احسان فراموش انسان! تو انسان نہیں
حیوان سے بھی بدتر ہے۔ ایک بکری اپنے چارہ
دینے والے کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے اور تو
عقل والا ہو کر اس اللہ سے کہ جس کے ان گنت
احسانات تجھ پر ہیں۔ دور دور ہے۔ ہر بات
میں اس کا خلاف کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اللہ
کی دی ہوئی نعمتوں پر ایسا حضور ہے کہ
اپنے آقا اور محسن خدا کی طرف ذرا نہیں جھکتا۔"

انسانوں کو شیطان اس طرح ورغلاتا ہے کہ ان کے دام فریب
میں آسانی نہیں تو مشکل سے ضرور گرفتار ہو جاتے ہیں۔ آپ ع ۱
اس بات سے بخوبی واقف ہیں چنانچہ ہماری غلطیوں کا
بارہا احساس دلاتے ہیں تاکہ آخرت کی منزل کو سنوارا جا سکے۔ چنانچہ
ہماری موجودہ حالتوں کو ٹٹولتے ہوئے بھرپور طنز کرتے ہیں اور

ع ۱ : حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ "قیادت نامہ" ص ۶۲۔
ع ۲ : " " " " " ۶۳۔

فرماتے ہیں کہ: ع۱

"سن! اللہ تعالیٰ تیری حالت کے بارے میں
کہتے ہیں کہ اے بندہ! تیرے اس اکڑ فوں
کا سبب ہمارا کرم ہے۔ اگر ہم فوراً سزا
دے دیا کرتے، ادھر قصور ہوا ادھر فوراً
جوتے لگاتے رہتے تو تیرا یہ سارا غرور خاک
میں مل جاتا۔ اے غفور اللہ! ان تیری آنکھیں
کھولنے کے لئے اور تجھے یہ معلوم کروانے کے لئے
کہ تو کس کے بل بوتے پر اکڑ رہا ہے تجھے ہماری
تھوڑی سی نعمتیں یاد دلاتے ہیں۔ اچھا بتا
عدم سے اس ہستی میں تجھے کون لایا تھا
اے کرم سے لائے، نہ تو تو نے سوال کیا تھا
اور نہ ہی دعا کی تھی پھر یوں ہی کیڑے مکوڑے
کی طرح نہیں۔ ایک شان سے تجھے ہم دنیا میں
لائے ہیں۔ تجھے کچھ خبر ہے کہ تیرے پیدا کرتے
وقت ہمارے فرشتوں نے کیا کیا تھا۔ انہوں نے
کہا اے ہمارے پروردگار آپ انسانوں کو
پیدا کیے ہیں، وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، نکاح کرتے
ہیں، سوار ہوتے ہیں، سوتے ہیں، آرام کرتے
ہیں۔ ہمارے حصے میں اس میں سے ایک بھی نہیں
اس لئے ان کو دنیا دیجئے اور ہم کو آخرت۔"

ع۱: حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ "قیامت نامہ" ص ۶۳۔

"زجاجۃ المصابیح"

اگر علم ہی فضیلت کا معیار ہے تو دکن اور ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے ارباب علم و فضل نے آپؒ کی علمی برتری کے سامنے اپنی جبین عقیدت جھکائی ہے اور اگر روحانی کمالات عظمت اور بزرگی کی دلیل ہیں تو آپ کے روحانی فیض اور طریقت کے اوراق مبارکہ جیسے علاج السالکین، کتاب المحبۃ، یوسف نامہ (المسمیٰ بہ) گلدستہ طریقت اور مواعظ حسنہ اس کی دلیل ہیں۔ دل میں حضرت ممدوحؒ کی عربی کتاب زجاجۃ المصابیح جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس کا دوسرا ایڈیشن کوئٹہ پاکستان سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہو چکا ہے اس کا تفصیلی تعارف پیش ہے۔

قبل اس کے کہ زجاجۃ المصابیح کا تعارف پیش کیا جائے۔ شریعت کے مآخذ اسلام کے اصول اربعہ پر اجمالاً روشنی ڈالی جائے۔ کیونکہ زجاجۃ المصابیح شریعت کے اصل دوم یعنی فن حدیث میں ایک جامع نادر کتاب ہے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے پیروی کرنے والوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ احناف کے نزدیک اسلام کی اساس چار چیزوں پر ہے۔

۱۔ الکتاب : قرآن کریم شریعت اسلامیہ کا ستون سرچشمہ اول اور اصل و اساس ہے۔ اس میں وہ قواعد اور احکام ہیں جو زبان اور مکان کے تغیر کے ساتھ تغیر پذیر نہیں ہوتے اور یہ وہ احکام ہیں جو عالم انسانیت کے لیے عمومی اور یکساں طور پر مفید اور نفع بخش ہیں۔ قرآن کے اندر کلی احکام کا بیان ہے اسلام کے صحیح عقیدوں کا ذکر ہے۔ اس میں وہ دلیل محکم ہے جو اس دین متین کی حقانیت پر دلالت کرتی ہے۔

قرآن چونکہ شریعت اسلامیہ کا سرچشمہ اول ہے لہٰذا شروع ہی سے علماء امت اس کی تعلیم اور تدریس پر توجہ کرتے چلے آئے ہیں۔ انھوں نے اس کی عبارات اشارات ظواہر اور نصوص سے احکام کا استخراج کیا ہے۔ متشابہ کی تاویل اور مجمل کی تفصیل میں اجتہاد سے کام لیا ہے، وضاحت طلب چیزوں کو کھول کر بیان کیا ہے۔ قرآن کے عام خاص ناسخ منسوخ اور طریق نسخ کی اچھی طرح وضاحت کی ہے۔ قرآن فہمی کے لیے عربی زبان پر عبور، محاورات عرب سے واقفیت اور عربی زبان اور ادب سے قرآن فہمی پر استناد یہ سب امور لازمی ہیں ورنہ اگر ان امور میں مہارت نہ ہو اور اپنی

رائے سے تفسیر اور قرآن پاک کی توضیح کی جائے
تو یہ گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسی گمراہی سے محفوظ رکھے۔

۲۔ السنۃ: سنت یعنی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
کی یہ شریعت اسلامیہ کی دوسری اصل اور سرچشمہ ہے
قرآن پاک سے استنباط احکام کے سلسلہ میں سنت
کا وجود لازمی ہے۔ اس لیئے کہ سنت درحقیقت
قرآن کا بیان اور اس کی توضیح ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے[1]:
"اور ہم نے آپ پر ذکر (یعنی سنت) نازل فرمایا تاکہ
آپ لوگوں کے سامنے وضاحت کردیں وہ چیز
یعنی (قرآن) جو ان پر اتاری گئی تاکہ یہ لوگ فکر کریں
لگیں۔"

اس طرح کی کئی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ جو
سنت کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں۔ سنت کے
حجت ہونے پر ایک مثال نماز از روئے قرآن فرض ہے
اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:[2]

"تحقیق نماز ہے اوپر مسلمانوں کے لکھی ہوئی وقت مقرر کی ہوئی"

---

[1] وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون ۝ (القرآن پ ۱۴ سورۃ النحل آیت ۴۴)
[2] ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون ۝ (القرآن پ ۴ آیت ۱۰۳)

لکھن آپ کو سنت، احادیث شریفہ سے نمازوں کے اوقات نمازوں کی تعداد سفر اور حضر میں ان کے احکام یہ سب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور عمل سے ملیں گی۔ یہی حال زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ کا ہے بہر حال ساری شریعت کا ہے اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق شریعت پر عمل نہ کریں تو ہماری دنیوی زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حدیث پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے ڈرایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:[1]

"پس چاہیئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ جو مخالفت کرتے ہیں حکم اس کے سے اس سے کہ پہنچ جاوے ان کو فتنہ یا پہنچ جاوے عذاب درد دینے والا"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے انہوں نے کہا اور رسول[2] نے ارشاد فرمایا:[2]

"عنقریب ایک ایسا زمانہ لوگوں پر آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن کا صرف اسم یعنی قرآن کی تجوید اور درستگی الفاظ کی طرف تو توجہ کریں گے لیکن عمل سے دور رہیں گے ان کی مسجدیں آباد ہوں گی مگر ہدایت اور یاد الٰہی سے خالی ہوں گی اور ان کے علماء آسمان کے نیچے رہنے والوں میں سب سے بدتر ہوں گے ان ہی سے فتنے نکلیں گے اور ان ہی میں یہ فتنے لوٹیں گے"

---

[1] : القرآن، سورہ ۲۴، آیت ۶۳، پارہ ۱۸۔

[2] : کتاب العلم، نور المصابیح حصہ اول، راوی بیہقی شعب الایمان عبداللہ شاہ ص ۱۶۲۔

قرآن پاک میں ہے: ۱؎

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے
بھیجے ہوئے رسول ﷺ کی اطاعت کرو
جو تم میں سے تم پر حکمران ہو۔"

اسی طرح دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ۲؎

"اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد
اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور
مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہو لیا
تو ہم جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو
جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔"

۳۔ اجماع: احادیث سے اجماع امت پر دلیلیں ملتی ہیں۔

۱۔ لا تجتمع امتی علی خطاء۔ ۲۔ لم کن اللہ لیجمع امتی علی الضلالۃ۔
۳۔ ید اللہ علی الجماعۃ و من شذ شذ الی النار۔ (ترمذی)

اجماع اسلامی شریعت کے مصنفین اصولیین کے بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے سارے مجتہدین کا کسی زمانہ میں کسی حکم شرعی پر متفق ہو جانا کہلاتا ہے۔

۱؎: یا ایھا الذین امنو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم:
(القرآن، پارہ ۵، سورہ النساء، آیت ۵۹۔

۲؎: و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی و نصلہ جہنم و ساءت مصیرا۔ (القرآن پ ۵، سورہ النساء، آیت ۱۱۵۔

(۴) قیاس: شریعت اسلامی کی چوتھی اصل قیاس ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک غیر منصوص امر کا ایک منصوص حکم کے ساتھ الحاق جبکہ وہ وصف اور حکم میں مشترک ہو۔ علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین (ج ۱ ص ۱۷۶) میں لکھا ہے [۱]

"اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش آنے والے واقعات میں اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے۔ اور بعض احکام کو بعض احکام پر قیاس کیا کرتے تھے اور ایک نظیر سے دوسری نظیر تائیم فرمالیا کرتے تھے"۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضؓ کو جس وقت یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرما رہے تھے تو حضرت معاذ بن جبل رضؓ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے معاذ۔ جب تمہارے روبرو مسائل درپیش ہوں تو فیصلہ کیا کروگے؟ حضرت معاذ نے جواب دیا۔ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اگر حکم سنت میں بھی نہ پاؤ تو کیا کروگے۔ آپؓ نے جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے کوشش کروں گا۔ اس کے جواب میں حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا الحمد للہ الذی افق رسول رسول اللہ لما یحب و یرضاہ۔

۱۔ ۱: اعلام الموقعین از ابن قیم، جلد اوّل ص ۱۷۶

"قبیلہ بنی خثعم کی ایک عورت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے والد بہت ضعیف اور کمزور ہو گئے ہیں اور ان پر حج بیت اللہ فرض ہے۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ رسول اللہ نے جواب میں قیاس کی تعلیم دی اور یہ سوال کیا کہ اگر تمہارے والد پر کسی کا قرض ہوتا اگر تم وہ قرض ادا کرو تو ادا ہو گا یا نہیں۔ اس عورت نے جواب دیا کہ ضرور ادا ہو جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالکل اسی طرح اللہ سبحانہ کا فرض کردہ حج بھی ادا ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق اللہ کو حقوق مالیہ پر قیاس کرنے کی تعلیم عنایت فرمائی ہے۔" (حدیث معاذ بن جبلؓ)

یہ شریعت اسلامی کے چار اساس یعنی کتاب، سنت، اجماع اور قیاس تھا۔ علم حدیث پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اس لیے کہ حضرت مولانا الواالمحسنات سید عبداللہ شاہ صاحبؒ فن حدیث کے شناور ہیں اور اپنی زندگی میں آپ نے کئی کتابیں اردو زبان میں تالیف کرنے کے علاوہ عربی زبان میں زجاجۃ المصابیح کے نام سے ایک شاہکار کتاب تصنیف فرمائی جس کے بارے میں عالم اسلامی کے ارباب علم و فضل نے اس کتاب کی تالیف پر مصنف کو مبارکباد پیش کی ہے۔

سطور بالا سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شریعت اسلامیہ کا دوسرا ستون حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے اقوال افعال تقریرات کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے
جس استناد اور صحت سے باقی رکھا اور قیامت
تک کے آنے والی امت مسلمہ تک یہی سہارے کا جو
عظیم کام انجام دیا ہے وہ اسلام کا اور حضور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا معجزہ ہے
جس کی نظیر دنیا کی کوئی تاریخ اور دنیا کا کوئی مذہب
پیش نہیں کر سکتا۔ ابتدائے زمانہ میں حدیث نبوی کی حفاظت صحابہ
کرام سے کر تابعین تبع تابعین اور محدثین نے اپنے حافظے سے کی۔ اللہ تعالیٰ نے
ان حضرات کرام کو اس قدر عظیم حافظہ سے سرفراز کیا تھا کہ سند راویوں کے
سلسلے کے ساتھ حدیث کا متن لاکھوں کی تعداد میں ایک ایک محدث کی حفظ
رہتا تھا اور علم حدیث کی اصطلاح میں اس "محدث" کو "حافظ" کہتے تھے جس کو
ایک لاکھ حدیث مع سند اور متن حفظ ہو ان حضرات کے حافظے کی قوت کو
ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔ امام بخاریؒ ایک مرتبہ دمشق پہونچے۔ آپ کی
شہرت چار دانگ عالم میں پہونچ چکی تھی۔ چند محدثین نے بطور امتحان ایک سو احادیث
غلط طور پر یعنی ایک حدیث کی سند اور دوسری حدیث کے متن سے غلط ملط کر کے
آپ کو سنائیں سو حدیثیں سننے کے بعد امام بخاریؒ نے پہلی حدیث سے لے کر
سویں حدیث تک ایک ایک کر کے پہلے غلط روایت کردہ حدیث سنائی۔
پھر ہر حدیث کو اپنے حافظے سے صحیح سند اور صحیح متن کے ساتھ سنا دیا۔ سارے
حاضرین دم بخود ہو گئے کہ ماشاء اللہ کتنا زبردست حافظہ ان کو ملا ہے۔

مسند (۱۰) احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ کرنے کی

ہوا تو ہر محدث نے اپنی کتاب میں حدیث کی رکھنے کے لیے شرائط
مقرر کیے اور جو حدیث ان معیار پر اترتی اس کو اپنی کتاب
میں رکھتے جاتے۔ چنانچہ امام احمد بخاریؒ نے تین لاکھ احادیث
میں سے سات ہزار سے کچھ زیادہ احادیث کو اپنی کتاب صحیح بخاریؒ
میں رکھا اور اگر مکررات کو الگ کر دیا جائے تو بخاری شریف
میں چار ہزار سے کچھ زائد حدیثیں ملیں گی۔

زمانہ جوں جوں بڑھتا گیا اور مجتہدین کی تعداد
کم ہونے لگی تو امت نے چار اماموں میں سے کسی ایک کی
تقلید پر اتفاق کر لیا اور الحمد للہ باوجود انتشار کے اس
پر پوری امت کاربند ہے۔ ظاہر ہے کہ فقہ یعنی اسلامی
قانون کے تمام شعبہ جاننا قرآن اور حدیث سے ماخوذ ہیں۔
اور چاروں ائمہ فقہ نے اپنے مسلک کو مدلل کرنے
کے لیے قرآن اور احادیث سے مستحکم کرنا شروع کیا۔

تاکہ ایسے مقلدین جو دلیل کی روشنی چاہتے ہوں۔
ان کے لیے بہتر مواد مہیا کر دیا جائے۔ محدث دکن
مولٰنا الوالمحدثات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری محدثی
نقشبندی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ عالم اسلامی
کا ہر فرد کسی مسئلہ میں کسی عالم سے فقہ کا جزو دریافت
کر لیتا اور اس کے مطابق عمل کر لیتا لیکن اب وہ اس
بات کا خواہاں ہے کہ اس جزو کی دلیل بھی بتائی جائے
اس الجھن کو دور کرنے کے لیے حضرت علیہ الرحمۃ نے
اپنی پوری زندگی اس کتاب کی تالیف میں صرف کر دی۔

احادیث شریفہ کے ذخائر پر نظر ڈالی جائے تو
یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بالعموم احادیث کتب کی دو طرح تقسیم
کی گئی ہے - ۱ - صحاح - ۲ - سنن -

صحاح ان احادیث شریفہ کے مجموعہ کو کہتے ہیں جن کی
ابتداء عقائد اور ایمانیات سے شروع ہو جیسے صحیح بخاری
اور صحیح مسلم وغیرہ اور سنن ان احادیث شریفہ کے مجموعہ کو
کہتے ہیں جن کا آغاز احکام سے شروع ہو۔ جیسے سنن
ترمذی، سنن ابوداود، سنن ابن ماجہ وغیرہ -

ان مبارک ذخائر کی ترتیب اور تبویب پر محدثین نے
اپنے اپنے انداز سے انجام دی۔ یہاں تک کہ نویں صدی
ہجری آئی تو علامہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

مشکوٰۃ المصابیح کی تالیف کی اور اللہ الہامی ترتیب
اور تبویب پر انہی اس کتاب کو مرتب فرمایا کہ اللہ
جامعیت حدیث شریف کی کسی کتاب کو حاصل
نہیں ہوئی۔ کتاب کی تبویب اوّلاً عقائد یعنی ایمانیات
پھر احکام یعنی طہارت، عبادات، معاملات اور
اخلاق اور معاشرت پر رکھی۔ اسی وجہ سے
فن حدیث کے طالب علم کو اوّلاً اسی کتاب سے
روشناس کروایا اور پڑھایا جاتا ہے۔ جو کہ علامہ
خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ شافعی تھے اس لیے
جہاں احکام کا تعلق ہے۔ موصوف نے ان ہی احادیث
کو رکھا جن سے شافعی مسلک مستنبط ہوتا ہے
اور حدیث شریف کا طالب علم اگر حنفی ہے
تو وہ بھی انہی احادیث پڑھتا۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ "فن حدیث"
میں کوئی ایسی کتاب ہو جو جامعیت اور حسن تبویب
اور ترتیب میں مشکوٰۃ جیسی ہو اور جہاں احکام
بیان کئے جائیں وہ احادیث رکھی جائیں جن سے
فقہ حنفی پر دلیل ملے۔

امام ابو حنیفہؒ اُمت مسلمہ میں بالاتفاق
امام اعظم ہیں۔ آپ کی ولادت ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ ہے
ائمہ اربعہ میں صرف امام مالک آپ کے معاصر ہیں۔
ان دونوں اماموں کی مدینہ منورہ میں ملاقات بھی رہی اور
امام مالک نے آپ کی منزلت علم اور فقہ کو تسلیم کیا ہے

مشکوٰۃ المصابیح کی جامعیت حسن ترتیب
اور تبویب کی وجہ سے نہ صرف شافعی حضرات بلکہ علماء
احناف نے اس کی شرحیں لکھی اور شرح میں ان حدیثوں کو
ذکر کیا جن سے حنفی مسلک مستنبط ہے۔

ضرورت تھی کہ عربی زبان میں احناف کے لیے حدیث
کی کوئی کتاب تالیف کی جائے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حیدرآباد دکن
ہندوستان کے اس عظیم محدث، صوفی، فقیہ، حامل علم
ظاہر و باطن ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ قدس سرہٗ کا
انتخاب فرمایا۔ چنانچہ حضرت نے علوم اسلامیہ اور خصوصاً
حدیث میں بلند و بالا مقام پیدا فرمانے کے باوجود اپنے معاش
کے لئے کوئی خدمت قبول نہیں کی حالانکہ جامعہ نظامیہ میں
استاذ حدیث و فقہ کے لیے پیشکش ہوا۔ فرمایا کرتے کہ
میں نے علم حدیث اس لئے حاصل کی اور کی تو بس یہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی احادیث کو جمع کرنے میں پوری عمر گذار دی۔ یہ عربی کتاب

زجاجۃ المصابیح پانچ جلدوں میں حیدرآباد سے شائع ہوئی
اور اس کا دوسرا ایڈیشن کوئٹہ پاکستان سے چوں کاتوں
آفسٹ پریس پر نا شر نے پانچ جلدوں میں شائع کر دیا۔
درحقیقت اس کتاب نے نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہندوستان
کا نام سارے اسلامی ممالک میں روشن کیا ہے۔ افغانستان،
ترکی، مصر الغرض جہاں جہاں احناف رہتے ہیں۔ انہوں نے
اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ چنانچہ اس تصنیف کے تعلق سے مختلف
دانشوروں و علماء دین کے تبصرے اور تقاریظ اس
کتاب میں شامل ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں
پر مشتمل ایک بہت اہم کتاب کے متعلق حضرت محدث دکن
یوں رقمطراز ہیں کہ: ع۱

"واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی احادیث کا ایک قیمتی ذخیرہ کتاب مشکوٰۃ
المصابیح جس کو علم کے دریا، فہم کے سمندر، دین کی
حقیقتوں اور اس کی باریکیوں کو ظاہر کرنے والے
صاحب تقویٰ و تقدس حضرت مولانا ولی الدین
محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے
حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں
کا ایک جامع ترین اور آپ کے پوشیدہ ارشادات
کا ایک نہایت نفع بخش ذخیرہ اپنے فن کی
ایک مکمل کتاب اور نادر و نایاب حدیثوں کا
ایک کامل دفتر ہے۔

ع۱: حضرت عبداللہ شاہ محدث دکن، نور المصابیح جلد اوّل،
ص ۲۶ اور ۲۷۔

علامہ خطیب تبریزی کی یہ قیمتی کتاب
(اللہ تعالیٰ ان کے درجہ کو بلند کرے)
جس میں انہوں نے حضرت امام شافعی
رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک اور طریقہ کی حدیثوں
کو جمع کیا۔
مشکوٰۃ کے (بنظر غائر مطالعہ)
کے بعد میرے دل میں کئی بات رہا
کرتی تھی کہ میں مشکوٰۃ کی طرز پر ایک
کتاب لکھوں جس میں اپنے امام اعظم
حضرت ابو حنیفہ (آپ پر ہمیشہ اللہ کی
رحمت ہو) وہ آپ سے ہمیشہ راضی اور
خوش رہیں۔) کے مسلک کو اختیار کروں
مگر عمری نے وفا نہ کی مجھے اس مرتبہ کے
حاصل کرنے سے روک رہی تھی کہ اسی
زمانے میں میں نے خواب دیکھا کہ
روز رسالت کے درخشاں آفتاب
اور شب تاریک کے منور ماہتاب
نور ہدایت اور تاریکیوں کے روشن
چراغ ہمارے پیارے اور محبوب آقائے
نامدار حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
تشریف فرما اور جلوہ افروز ہوئے اور
سلام فرمایا میں نے سلام کا جواب
عرض کیا۔ میری جان آپ پر قربان
آپ نے اپنے سینہ مبارک سے حسن علم
اور حکمتوں کا سرچشمہ ہمارے
گلے سے لگا لیا۔ جب میں نیند سے خوش
خوش بیدار ہوا تو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ

کی حمد کی اور اس کا شکر ادا کیا۔ الغرض
اس نیک اور مبارک خواب سے میرا سینہ
کھل گیا اور اس کام کی تمام مشکلات مجھ
پر آسان ہو گئیں۔ میں نے اس کتاب کی
تکمیل و تالیف کا عزم کر لیا اور اس کے
لکھنے کے لیے کمر ہمت باندھ لی۔ بحمد اللہ میں
نے اس کتاب میں ہر حدیث کے درج کرتے وقت
ضرور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
درود بھیجا ہے اور میں نے زجاجۃ المصابیح
اس کتاب کا نام تجویز کیا۔

اللہ بزرگ و برتر سے میری دعا ہے
ایسے عاجز بندہ کی طرح کہ جس کا دل اپنے
مولیٰ کی عظمت سے معمور اور جس کا گردن اس
کے جلال سے خم ہے۔ اس کے حبیب پاک کے
وسیلے سے جو شفیع الخلائق مقبول الشفاعت
ہیں کہ اس کتاب کو اپنی مہربانی سے اپنی خوشنودی
کا ذریعہ بنائے اور مسلمانوں کو اس کتاب
زجاجۃ المصابیح سے اصل کتاب مشکوٰۃ المصابیح
کا بھی نفع بخش بنا دے اور اس کو قبول فرمائے
اور اس کو میری آخرت کا ذخیرہ بنا دے یقیناً
دعاؤں کے قبول کرنے والے وہی ہیں اور وہی ہر
چیز پر قادر ہیں۔"

"نور المصابیح" (حصہ اوّل)

یہ کتاب زجاجۃ المصابیح جلد اول حصہ اول کا ترجمہ ہے۔ اس کا ترجمہ مولوی محمد مظہر الدین صاحب فتح الادب جامعہ نظامیہ نے عام فہم اور سلیس انداز میں کیا۔ چنانچہ کتاب کے آخر میں خاتمۃ الطبع کے عنوان سے جو تحریر شامل کی گئی ہے اس کے بموجب مجلس نشر و اشاعت نور المصابیح کا تذکرہ ملتا ہے کہ یہ ترجمہ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۷۷ھ م یکم مئی ۱۹۵۸ء یوم جمعہ کو مکمل ہوا۔

ضروری التماس کے عنوان سے حضرت عبداللہ شاہ صاحب نے جو کلمات تحریر فرمائے تھے ان کو بھی شامل کر لیا گیا ہے کہ عبدالستار خان صاحب نے تشریحات اور محسن کی عبارت اور "ف" کے عنوان کے تحت حاشیوں کا اضافہ کیا ہے تاکہ کتاب کی تفہیم میں آسانی ہو اور عام لوگ بھی بحسن و خوبی اس کتاب کے مطالب سے مستفید ہو سکیں۔

یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔ [1]

"اس ترجمہ کے طبع ہونے سے پہلے مولوی
ڈاکٹر عبدالستار خان صاحب ایم۔ اے لکچرار
عربی جامعہ نظامیہ نے بڑی کوشش اور محنت
سے اپنا عزیز وقت دیکر ترجمہ میں قوسین کی

---

[1] : "ضروری التماس" نور المصابیح جلد اول حصہ اول از حضرت عبداللہ شاہ صاحب مدظلہ، ص ۴۳ اور ۴۴۔

عبارت بڑھا کر اور "ف" کے تحت
مانندوں کا اضافہ کر کے ترجمہ کے
حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ اس سے
مُرجانۃ المصابیح کے سمجھنے میں جو
دقتیں پیش آرہی تھیں اب وہ باقی
نہ رہیں۔ اس کے لئے تمام مسلمانوں
کی طرف سے جو صرف کا شکریہ ادا کیا جانا ہے۔"

سب ٹائٹل پر بعد تسمیہ آیت قرآنی دونوں جانب دو شعر فارسی اور اردو میں دیے گئے ہیں۔ درمیان میں جلی حروف میں کتاب کا نام "لؤلؤ المصابیح" ہے۔ اس کے نیچے حصہ اول جلد اول اور اس کے نیچے ترجمہ اردو مرجانۃ المصابیح درج ہے، اس کے بعد مولف کا نام ہے۔ اس کے فوراً بعد فہرست مضامین کا آغاز ہوتا ہے جو (۳۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو (۲۱) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ لیکن ابواب کا سلسلہ شمار نہیں دیا گیا۔ یہ ابواب اس طرح ہیں۔

۱۔ کتاب الایمان: اس باب میں ایمان کا بیان دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایمان کے کتنے ارکان ہیں، ایمان، اسلام، تصدیق اقرار اور عمل کے مباحث کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ایمان باللہ اور اس پر استقامت مسلمان کے لیے ضروری قرار دیے ہیں اس کے علاوہ عورتوں کو زیادہ خیرات کرنے کی تاکید کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو دوزخ میں جلتا دیکھا۔

اس کے علاوہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی وضاحت کی گئی ہے۔ کلمہ طیبہ اور اس کی اہمیت کو سمجھایا گیا ہے جو ایمان کا ایک جزء ہے۔ اور روزہ، خیرات اور وسط شب میں نماز جیسی عبادتوں سے داخل جنت کا مستحق کہا گیا ہے۔ اسلام، ہجرت اور حج سے پہلے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ امانت داری اور عہد کی پابندی کا بھی ذکر ہے آخر میں خوش کلامی اور کھانا کھلانا اسلام پھیلنے اور سخاوت کو ایمان بتایا گیا ہے اس کے علاوہ افضل اسلام، افضل ایمان، افضل نماز، افضل ہجرت اور افضل وقت کی تفصیلات دی گئی ہیں۔

۲۔ باب الکبائر و علامات النفاق: اس باب میں گناہ کبیرہ اور نفاق کی علامتوں کا بیان ہے۔ جیسے بدترین گناہ چار بڑے گناہ کے علاوہ منافق کی علامتیں بھی بتائی گئی ہیں۔

۳۔ باب فی الوسوسۃ: اس باب میں وسوسہ کا بیان ہے۔ اس سے پناہ میں آنے کی تلقین کی گئی ہے۔ بدترین وسوسہ کیا ہے اور نماز میں وسوسوں کا بیان آنے پر کیا کیا جائے؟ کی تفصیل ہے۔

۴۔ باب الایمان بالقدر: اس میں تقدیر پر ایمان لانے کا بیان ہے کیونکہ ہر چیز تقدیر سے ہے۔ اس باب میں مخلوق کی تقدیر کی ابتدا کہاں سے شروع ہوتی ہے اور تقدیر

کے لکھنے کے مطابق ہی انسانی اعمال وقوع پذیر ہوتے ہیں۔
دعا اور دوا سب اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ اس لئے تقدیر کو
برا نہیں کہنا چاہیئے، پچھلی امتیں تقدیر کے بارے میں بحث
کرنے سے ہلاک ہوئیں۔ اس لئے تقدیر پر ایمان کے بغیر نیک عمل
قبول نہیں ہوتا اور نہ نجات ممکن ہے۔ اس طرح اس باب
میں تقدیر کے بارے میں مکمل وضاحت فرمادی گئی ہے۔

۵۔ باب اثبات عذاب القبر: اس باب میں
عذاب قبر کے ثبوت پر بیان میں وضاحت سے دلیلیں
اور عذاب قبر سے پناہ مانگنے کی تلقین کیگئی ہے۔ قبر میں
منکر نکیر کے سوالات ہوتے ہیں اور قبر میں ہی جنت کی نعمتیں
ملنے لگتی ہیں جبکہ وہ نیک ہو اور کافر پر عذاب دوزخ قبر
سے شروع ہوجاتا ہے۔ قبر کو آخرت کی پہلی منزل کہا گیا، قبر ہولناک
کا منظر پیش کرتی ہے۔ میت کے دفن کے قبر کے پاس کچھ دیر کے لئے
ٹھہرنے کا بیان ہے۔ اس طرح عذاب قبر کی مکمل داستان بیان کیگئی ہے۔

۶۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ: اس باب میں کتاب
اور سنت پر مضبوطی سے جمے رہنے کا بیان ہے۔ یہاں کتاب سے
مراد کلام اللہ اور سنت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال
افعال اور احوال ہیں جن کو شریعت، طریقت اور حقیقت
کہتے ہیں۔ چنانچہ دین میں غلو کرنے والوں پر تنبیہ دی گئی ہے
اور مبغوض ترین لوگوں کی قسمیں گنائی گئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے فرمان کو ماننے اور اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کی تلقین کی گئی ہے۔ آخری زمانے میں کثرت دجال اور کذاب پیدا ہوں گے ان سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور کہا گیا کہ جہاد باللہ جہاد باللسان اور جہاد بالقلب کی آج کے دور کو سخت ضرورت ہے۔ ہدایت کی طرف بلانے والے کی فضیلت اور گمراہی کی طرف بلانے والے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ آخر میں چند اہم اعمال پر پابندی کی تاکید کی گئی ہے۔

۷۔ کتاب العلم: - یہ باب علم و بیان میں ہے جس میں وعظ اور تبلیغ کی اہمیت اور دین کی سمجھ کی فضیلت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ علم دین کی طلب میں محنت کرنے کا اشارہ ملتا ہے حصول علم دین کے لیے نقل مقام اور سفر کرنے کی تلقین ملتی ہے۔ اس کے علاوہ علم دین کے حاصل کرنے والے کی فضیلت اور اہمیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے اللہ کی رضامندی اور رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ علم کو چھپانے کی وعید بھی دی گئی ہے اور ہدایت کی گئی ہے کہ ایسے دنیاوی اغراض کے فائدہ کے طلب میں نہ حاصل کریں۔ حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط کی تاکید اور غلط بیان کرنے والے پر وعید میں دی گئیں ہیں۔ بے علم فتویٰ دینے کی وعید اور مغالطہ میں ڈالنے والے سوالات ممنوع ہیں۔ فرائض اور علم سیکھنے کی تاکید ہے۔ دین کی صحیح فکر رکھنے والے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ علماء کا تذکرہ شامل ذکر ہے۔

۸۔ کتاب الطہارۃ: اس میں طہارت کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

۹۔ باب فضائل الوضوء : یہ باب وضو کے فضیلتوں کے بیان میں ہے۔ طہارت اور وضو آدھا ایمان ہے۔ اور نماز نور ہے اس کے علاوہ اس میں سبحان اللہ اور الحمد للہ کی فضیلت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ وضو کرنے سے جسم کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح وضو کے آداب، وضو کے بعد کی دعا اور وضو پر وضو کرنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے۔

۱۰۔ باب ما یوجب الوضوء : یہ باب ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے وضو کرنا واجب ہوتا ہے یعنی بغیر وضو نماز قبول نہیں ہوتی مگر مذی کے خارج ہونے پر صرف وضو کر لینے کی تلقین کی گئی ہے اس طرح منی کے خارج ہونے سے غسل اور مذی کے نکلنے پر وضو کرنے کی تاکید ہے۔ وضو ٹوٹنے کے اسباب اور اس پر وضو کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

۱۱۔ باب آداب الخلاء : اس میں بیت الخلاء کے آداب کا بیان ہے۔ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت کی دعائیں بیان کی گئی ہیں۔ اس طرح طہارت کے جملہ طریق کو واضح کیا گیا ہے۔

۱۲۔ باب السواک : اس میں مسواک کرنے کی تاکید ہے کہ ہر نماز کے وقت مسواک کرنا احناف کے نزدیک مستحب ہے۔

مسواک کی اتنی اہمیت ہے کہ امت کی تکلیف کا اندیشہ نہ ہوتا تو وضو میں مسواک فرض کر دی جاتی۔ مسواک اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس سے منہ کی پاکی اللہ پروردگار کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام مسواک کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ مسواک کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز ستر درجہ زائد فضیلت رکھتی ہے اس نماز پر جو بغیر مسواک کے پڑھی جائے۔

۱۳۔ باب فرائض الوضوء وسننہ وآدابہ: اس میں وضو کے فرائض سنتوں اور مستحبات کا بیان ہے۔ وضو میں نیت فرض نہیں ہے اس لئے کہ پانی پاک شئے ہے۔ وضو کے آداب و طریقے سکھلائے گئے ہیں۔ وضو میں ہر عضو کو تین تین بار دھونا سارے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ اور تاکید کی گئی کہ پانی کا زیادہ استعمال نہ کیا جائے۔ وضو کے بعد سورہ قدر پڑھنے کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے اور وضو پر وضو کرنے کی فضیلت ظاہر کی گئی ہے۔

۱۴۔ باب الغسل: یہ باب غسل کے بیان میں ہے۔ اس میں غسل کی فرضیت اور اس کی واجبیت کو بیان کیا گیا ہے۔ عورتوں کے لیے حیض و نفاس کی حالت میں خوشبودار کپڑے غسل کے لیے استعمال کرنا مستحب ہے۔ غسل جنابت کا مسنون طریقہ بتایا گیا ہے اور پانی کی مقدار کو بھی ظاہر کیا گیا ہے، اس طرح غسل کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔

۱۵۔ باب مخالطۃ الجنب وما یباح لہ : اس میں جنب کے ساتھ اختلاط کا بیان اور ان چیزوں کے بیان میں جو اس کے لیے مباح یعنی جائز ہیں۔

اختلاط سے مراد آپس میں بیٹھنا، کلام کرنا، مصافحہ کرنا اور اسی قسم کے معاملات مراد ہیں۔

مباح سے مراد کھانا پینا اور نیند وغیرہ ہیں۔

اس میں حالت جنابت میں غسل، وضو اور طہارت کا بیان ہے۔ یعنی جنبی کھانے پینے اور سونے سے قبل وضو کرے جو ایک مستحب ہے اور دوبارہ جماع کرنا چاہتا ہو تو غسل یا وضو کر لینا افضل ہے۔ جنبی نماز اور قرآن کو تلاوت سے رکے۔ اس کے علاوہ جس گھر میں تصویر، کتا یا جنبی ہوں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے اس کا بیان دیا گیا ہے۔

۱۶۔ باب احکام المیاہ : یہ باب پانی کے احکام کے بیان میں ہے۔ اگر کوئی جانور کنویں میں گر کر مر جائے تو اس کے لئے کیا احکام ہیں۔ پانی کی نجاست اور اس کی دوری کا بیان ہے۔ کونسا پانی وضو اور غسل کے لئے استعمال کے قابل ہوتا ہے اس کا بھی ذکر ہے۔

۱۷۔ باب تطہیر النجاسات : یہ باب نجاستوں کے پاک کرنے کے بیان میں ہے۔ یعنی اگر برتن میں کوئی جانور جیسے کتا، بلی منہ ڈالیں تو اسے تین دفعہ دھونے کا حکم ہے۔ نجاست سے پاکی حاصل کرنے کے لیے پانی کے علاوہ ہر ایسی چیز جو بہنے والی اور پاک ہو جائز ہے۔

۱۸- باب المسح علی الخفین : اس میں موزوں پر مسح کرنے کا بیان ہے یعنی موزوں پر مسح قرآن سے ثابت ہے موزوں پر مسح کیلئے موزے پہنتے وقت طہارت کامل یعنے وضو ضروری نہیں ہے بلکہ طہارت غیر کامل یعنے صرف پیر دھوکر موزے پہن لیے جاسکتے ہیں۔ البتہ موزوں کے پہننے کے بعد جو پہلا کام ہوگا۔ اس کام کے وقت طہارت کامل یعنے وضو شرط ہے۔ اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

۱۹- باب التیمم : یہ باب تیمم کے بیان میں ہے اور تیمم پانی کے قائم مقام ہے جب پانی میسر نہ آئے تو اس میں تیمم کے طریقے بھی بتلائے گئے ہیں۔

۲۰- باب الغسل المسنون : یہ باب مسنون غسل کے بیان میں ہے جس میں جمعہ کا غسل کرنا مسنون ہے یوم عرفہ میں غسل ان حضرات کے لیے سنت ہے جو میدان عرفات میں ہوں اور عیدین کا غسل بھی مسنون ہے اور حاجی احرام کے باندھنے سے پہلے جو غسل کرتا ہے وہ بھی سنت ہے۔

۲۱- باب الحیض : اس باب میں حیض سے متعلق بیان کیا گیا ہے اور حیض کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے جو حیض مشورات سے متعلق ہے یعنے حیض کے آنے کی مدت، مستحاضہ کی تعریف اور اسکا حکم بیان کیا گیا ہے اصطحاح نفاس آنے کی مدت بھی ہے جو عموماً لڑکیوں کے جسم سے خارج ہوتی ہے۔ اس طرح اس باب میں حائضہ کے مکمل بیان کو واضح کیا گیا ہے۔

۲۲ - باب المستحاضہ : یہ باب کتاب کا آخری باب ہے۔
جو مستحاضہ کے بیان میں ہے۔ اسمیں مستحاضہ کی تعریف
اور اسکا حکم اور معتادہ عادت والی مستحاضہ کا حکم دیا گیا ہے
مستحاضہ کے اقسام اور احکام کی وضاحت پیش کیگئی ہے۔
اس کتاب میں جملہ (۱۷) احادیث جمع ہیں۔ جو متذکرہ بالا
موضوعات پر مشتمل ہیں۔

"معراج نامہ"

واقعہ معراج کے ضمن میں حضورؐ کے زمانے سے لے کر آج تک اظہار خیال کیا جاتا رہا اور اس کی مختلف وضاحتیں دی گئیں ہیں۔ کیوں کہ معراج کا اعزاز اور عرش الٰہی تک حضورؐ کا سفر تاریخ انسانی کا ایک منفرد واقعہ ہے یہ وہ اعزاز ہے جو کسی پیغمبر کو اس کی حیات میں حاصل نہیں ہوا اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارا دین کامل کر دیا کیونکہ وہ سارے مدارج اور سارے مراحل طے ہو گئے جو عروج آدم کے لیے ضروری تھے۔

اس کے علاوہ دیگر انبیاء کو قرب الٰہی کی نعمت مدتیں ضرور تھی لیکن دیدار الٰہی کسی کو اس طرح نصیب نہیں ہوا جس طرح حضورؐ کو نصیب ہوا۔ تمام انبیاء نے عین الیقین کی منزلوں تک رسائی حاصل کی۔ لیکن حق الیقین کا مرتبہ کسی کو نہیں ملا۔ یقین کے مدارج کے بارے میں حضورؐ کے حق الیقین پالینے کے بارے میں حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحبؒ قبلہ "تحریر فرماتے ہیں۔ ع ۱

"یقین کے تین مرتبے ہیں، اول علم الیقین کہ جیسا کسی نے دریا کو آنکھ سے دیکھ لیا دوسرا عین الیقین کہ اس کے کنارے پر پہنچ کر پانی چلو میں لے لیا ہے۔ تیسرا حق الیقین

کہ دریا میں گھس کر غوطہ لگا لیا ہو۔
ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو علم الیقین اور عین الیقین
تو حاصل ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر آپ
حق الیقین بھی ہو جائے، اس لئے ہمارے
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم مطہر
کے ساتھ عالم برزخ سے اور آسمانوں
سے ہوتے ہوئے عرش پر پہنچے اپنے
سر کی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ کر اور جنت
اور دوزخ کو ملاحظہ فرما کر جس سے آپ کو
حق الیقین بھی حاصل ہو گیا۔"

معراج نامہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ لیکن ان
ابواب سے قبل مقدمہ کے طور پر تقریباً ۳۰ سے زائد صفحات
تحریر کئے گئے ہیں اور اس سے قبل "حمد و نعت" کے عنوان
سے تحمید ربانی و توصیف رسول ﷺ ہے۔ چار ابواب کے بعد
خاتمہ کے عنوان سے بھی کچھ کلمات درج ہیں اور اس کے
بعد "معراج المومنین" کے عنوان سے کچھ نصیحتیں تحریر کر دی
گئیں ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ اگر یہ امت معراج کے معراج باطنی

۱: معراج نامہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ، ص ۸۔

حاصل کرنا چاہے تو کیا ضروری ہے۔

معراج کی حقیقت کے بارے میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: [1]

"معراج شریف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں سے ہے معراج کی حقیقت قرب حق ہے کسی پیغمبر کو عروج سے معراج ہوا ہے تو کسی پیغمبر کو نزول سے ادریس علیہ السلام کو عروج حسی ہوئی "ورفعناہ مکانا علیا" انہوں نے ادریس کو بلند مقام پر پہونچایا وہ زندہ دنیا سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معراج عروجی ہوئی۔ ان پیغمبروں کو عروج ہی ہوا پھر نزول نہیں ہوا۔ اور یونس علیہ السلام کو نزولی معراج ہوئی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ آپ کو عروجی اور نزولی دونوں معراجیں ہوئیں۔"

معراج نامہ کے مقدمہ کے طور پر حضرت عبداللہ شاہ صاحب کی تحریر میں ان شبہات کا جواب دیا گیا ہے جو واقعہ معراج

---

[1] : معراج نامہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب، ص ۱۲۷۔

پیش کیئے جاتے ہیں اور متعدد مثالوں سے ان شبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ایسے شافی دلائل دیئے گئے ہیں کہ معراج کے منکرین اور معترضین کے سر جھک جائیں۔ چنانچہ واقعہ معراج کو ثابت کرنے کے لئے بارہ دلیلیں دی گئیں ہیں۔ اسی طرح سے آگ کے کرّہ سے گذرنے کے ضمن میں بھی پانچ دلیلیں دی گئیں ہیں۔

ایک شبہ یہ بھی ہے کہ آسمان میں ہوا کے طبقے کے اوپر خلا ہے جہاں سانس لینا ممکن نہیں ہے۔ اس کا بھی حضرت عبداللہ شاہ صاحب "نیلم" نے دلائل کے ذریعہ جواب دیا ہے اور سرد لائل کے ذریعہ ان حکمتوں کی وضاحت کی ہے جو واقعہ معراج میں پوشیدہ ہے۔

باب اوّل میں ان واقعات کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک کے سفر میں پیش آئے۔

معراج کے دوران اور عالموں کے منجملہ عالم برزخ کی بھی سیر کرائی گئی تھی۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحب نے عالم برزخ کی وضاحت یوں کی ہے:

"عالم تین ہیں:- (۱) عالم دنیا (۲) عالم برزخ (۳) عالم آخرت۔ ہر کام جو ہم کرتے ہیں یا بند کرنے کے بعد اس کا رنگ روح پر اور دل پر چھا جاتا ہے اور عالم برزخ میں چھپتا ہے، ہر ایک کا

عالم برزخ میں اپنے مناسب شکل و صورت
سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی عالم برزخ کو قبر
بھی کہتے ہیں، عالم برزخ میں جس کام کی جو
صورت بنتی ہے، قیامت تک وہی رہتی
ہے پھر قیامت میں جب یہ دونوں عالم
(دنیا اور برزخ) فنا ہو جائیں گے کثافت
کی چادر اتار کر سارا عالم لطیف اور نورانی
ہو جائے گا تو عالم برزخ میں جس کام کی
جو صورت بنی تھی وہ کامل طور پر ظاہر ہو جائے گی۔"

برزخ کو سمجھانے کے لئے جو مثالیں دی گئی ہیں۔
ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب نے
صرف ان باتوں، مثالوں اور روایات و دلائل کا سہارا
نہیں لیا ہے جو زمانہ قدیم سے علماء بیان کرتے آئے ہیں بلکہ
ان میں اضافے کئے اور آج کی اصلی زندگی سے ہم آہنگ
مثالوں کو اختیار کیا جیسے ہر نیک و بد کام کے موجود ہونے
کی صراحت یوں کی ہے:[1]

"ہر نیک و بد کام کے موجود ہونے کے تین
حالتیں ہوتی ہیں۔ (۱) صدور (۲) ظہور مثالی (۳) ظہور
حقیقی۔ ان کو قول و فعل کی مثال سے سمجھیے:-

۱: معراج نامہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ، ص۔ ۳۹۔

جب آدمی بات کرتا ہے تو اس کے تین درجے ہوتے ہیں :-

پہلا درجہ :- الفاظ منہ سے نکلے -

دوسرا درجہ :- منہ سے نکلے ہوئے الفاظ فونوگراف ٹوفون (ریکارڈ) میں بند ہو گئے اور اس میں چھپ گئے -

تیسرا درجہ : جب گنجی دیں اور ریکارڈ بجنے لگے تو بعینہ وہی الفاظ اور آواز ظاہر ہو جاتی ہے جو ریکارڈ میں بند ہوئی ہے -

مذکورہ مثال کی تطبیق اس طرح ہوتی ہے :-

پہلا :- الفاظ منہ سے نکلنا یہ ایک عالم -

اس کی مثال عالم دنیا کی سی ہے -

دوسرا فی ٹوفون (ریکارڈ) میں الفاظ بند ہونا ایک عالم - اس کی مثال عالم قیامت کی سی ہے -

تیسرا :- اس سے یعنی ریکارڈ سے آواز نکلنا ایک عالم - اس کی مثال عالم قیامت کی سی ہے -

کوئی شخص اس بات میں شک نہیں کرتا کہ جو الفاظ منہ سے نکلے تھے وہی فونوگراف (ریکارڈ) میں بند نہیں ہوئے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کرتا کہ ریکارڈ بجتے وقت وہ الفاظ نہ نکلیں گے جو ریکارڈ بھرتے وقت نکلے تھے -

اسی طرح مسلمان کو اس میں شک نہیں

کرنا چاہیئے کہ جس وقت کوئی عمل نیک
و بد اس سے ہوتا ہے وہ عالم برزخ میں نہ
نہیں گا اور قیامت میں اسکا نور اظہر
نہ ہی گا کیوں کہ قدرت کے کارخانے میں
جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے اسکے خلاف
نہیں ہو سکتا، اسی طرح نیک و بد عمل کا
جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے اس کے خلاف
بھی نہیں ہو سکتا۔"

عالم برزخ میں اعمال نیک و بد کے متعلق انسان کے
ساتھ جو سلوک ہو گا اس کا مشاہدہ بھی حضور اکرمؐ نے
سفر معراج کے دوران فرمایا تھا۔ ان اشکال کی تفصیل بھی
بیان کی گئی ہے اور ان عذابوں کا ذکر ہے جو عمل بد کرنے
والے پر نازل کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ان منزلوں کا
ذکر ہے جہاں حضورؐ نے رک کر نماز ادا کی بیت المقدس
میں حضورؐ کے نماز پڑھانے کا ذکر ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ
حضرت جبریلؑ کے مطابق اس وقت روئے زمین پر بھیجے
جانے والی ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں رسول اور ساتویں

۱۔ معراج نامہ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ، ص ۴۰ اور ۴۱۔

آسمانوں کے فرشتے اقتداء میں تھے۔

دوسرے باب میں بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ کا سفر ہے۔

بیت المقدس وہ مقام ہے جہاں سے حضورؐ کی سواری آسمان کی طرف بلند ہوئی وہ پتھر جہاں سے براق بلند ہوا تھا۔ آج بھی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ بیت المقدس سے روانہ ہونے کے بعد سات آسمانوں سے گذرتے ہوئے حضور بیت المعمور میں داخل ہوئے اور وہاں بھی نماز ادا کی پھر سدرۃ المنتہیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں صاحب فیروز اللغات لکھتے ہیں:[1]

"سدرۃ المنتہیٰ ــــ ساتویں آسمان
پر بیری کا ایک بہت بلند درخت جو
حضرت جبریلؑ کا مقام ہے۔"

حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:[2]

"سدرۃ المنتہیٰ عجب قسم کا بہت بڑا درخت ہے
اس کی ٹہنیاں سونے کی اور پتے ہاتھی کے کان
برابر۔ اس کے پھل زمرد کے اور اس قدر بڑے

ع۱: فیروز اللغات، مولوی فیروز الدین، ص ۳۸۷۔

کہ جیسے بڑے بڑے گھر ہیں۔ ان کو منتہیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے اعمال وغیرہ وہاں جا کر منتہی ہو جاتے ہیں اور عرش کے احکام بھی وہاں آ کر ٹھہر جاتے ہیں۔"

یہ وہ مقام ہے جہاں جنت اور دوزخ کے باب الداخلہ بھی ہے۔ حضورؐ نے جنت اور دوزخ کا بھی مشاہدہ فرمایا اور پھر سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے۔ یہاں حضرت جبرئیلؑ نے حضورؐ سے اجازت طلب کیے اور وہیں رک گئے کیونکہ اگلے آگے جبرئیلؑ کا جانا ممکن نہ تھا۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر حضورؐ کے مرتبے کے بارے میں بتایا ہے کہ ہر چیز کا اپنا اپنا مقام اور اپنا اپنا مرکز ہے یہاں تک آسمان تک انبیاء کی پہونچ تھی اور سدرۃ المنتہیٰ تک جبرئیلؑ کی۔ اس کے آگے وہ مقام تھا جہاں جبرئیلؑ کے پر جلتے تھے اور انھیں آگے بڑھنے کی اجازت نہ تھی لیکن حضورؐ کو آگے تک لے جایا گیا۔

تیسرے باب میں سدرۃ المنتہیٰ سے بالائے عرش تک کے سفر کا ذکر ہے اور ان مرحلوں کو بیان کیا گیا ہے جو

---

۲ : معراج نامہ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ" ص ۷۹۔

اس سفر کے دوران حضورؐ کو پیش آئے یعنی ان فرشتوں
سے ملاقات جو راستوں میں ملے اور ان حوالات کا ذکر جو
درمیان حائل تھے جہاں کسی کی رسائی ممکن نہ تھی پھر عرش اعلیٰ
پر حضورؐ کے قیام کا ذکر اور پروردگار کے ارشادات اور
حضورؐ کے معروضات کا ذکر ہے اور یہی وہ نکات ہیں جن کی
بناء پر بہت بعد میں جمعۃ الوداع کے موقع پر حضورؐ نے
دین کے مکمل ہونے کا اعلان فرمایا اور جس کی بشارت حضورؐ
کو بہت پہلے ہو چکی تھی۔

چوتھے باب میں ان واقعات کا ذکر ہے جو واپسی کے
سفر کے دوران پیش آئے جن میں وہ اہم واقعہ بھی شامل ہے
کہ حضرت موسیٰؑ نے حضورؐ سے نمازوں اور روزوں کی مقدار
کم کروانے کے لیے کہا اور پھر حضورؐ واپس پہنچے اور تب
پروردگار نے پانچ نمازوں اور ایک مہینے کے روزوں کو
فرض فرمایا۔

حضورؐ کی معراج مبارک کا آغاز ام المومنین ام ہانی
کے مکان سے ہی کی تھی اور یہ بات تمام شارحین نے درج کی ہے
کہ جب حضورؐ واپس تشریف لائے تو دروازے کی کنڈی
ہل رہی تھی اور بستر گرم تھا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معراج
کا یہ طویل سفر بلک جھپکنے میں طے ہو گیا تھا جس کے بارے میں
حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ نے اپنی شبہات کے ازالہ کے ضمن

میں بیان فرماتے ہیں کہ حرکت فلک رُک گئی تھی۔ اُس کے بعد
خاتمہ کے عنوان سے جو حصہ اُس میں واقعہ معراج کے
بعد منکرین و مرتدین کا ہنگامہ بیان کیا گیا ہے۔ لوگوں نے
اس ضمن میں تصدیق چاہی۔ راستوں کی تفصیل اور بیت المقدس
کی تفصیل کے بارے میں سوال کیا اور حضورؐ نے اُن کے بالکل
صحیح صحیح جوابات دیئے۔ اسی طرح بیت المقدس کے راستوں
میں ملنے والے قافلے اور اُن کے بارے میں بھی سوالات کیے گئے
اور تصدیق کے بعد اُن جوابات کو صحیح مانا۔

اس کتاب کے آخری حصے میں معراج المومنؐ کے
نام سے ایک تحریر ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ
کے جو احسانات ہیں اُن سے روگردانی انسان کے لیے خلق نہیں
ہے۔ ہر شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ پروردگار کا حق ادا کرے
اور اُس کی عبادت کرے اور انسان جب نماز کی طرف متوجہ ہوتا
ہے اور خشوع و خضوع سے ادا کرتا ہے تو یہ بھی ایک باطنی معراج
ہے اور اس طرح حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ مسلمانوں کو
نماز کی طرف راغب کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں: ع۱

"دنیا میں دو طرح کی لذت ہے ایک میں سدھ باقی
رہتی ہے جیسا کھانا پینا اس کے لیے تلکی طہارت یعنے
وضو دوسرے سدھ کرنے والی لذت جیسے جماع
اس میں تو تم نے ہم کو بالکل بھولا اس لئے تم خوب

طہارت یعنی غسل کرکے آؤ اور بھیر غلامی کا
اظہار کرو۔ یہ ہے نماز اور یہ ہے
مسلمانوں کی معراج۔"

اور آخر میں وہ نصیحت فرماتے ہیں: [۲]

"مسلمانو! اب وقت ہے کہ تم نماز
پڑھ کر آخرت کی عزت حاصل کرو اگر یہ
وقت گیا اور تم نے نماز نہ پڑھ کر موقع
ہاتھ سے کھو دیا تو پھر پچھتاؤ گے۔
اس وقت پچھتانا کوئی فائدہ نہ دے گا۔"

---

[۱]: معراج نامہ "حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ" ص۔ ۱۶۰۔

[۲]: " " " " " " " " " " ۔ ۱۶۱۔

"سلوک مجددیہ"

اس کتاب میں سلوک مجددیہ کے طریقہ پر
اظہار خیال کیا گیا ہے۔ یہ بات واضح طور سے کہی جا سکتی
ہے کہ انسان کو جس طرح کسی فن کے حاصل کرنے کے لیے
نظری اور عملی دونوں پہلوؤں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے
اس طرح اللہ تعالیٰ کے تعلق کو حاصل کرنے کے لئے تصوف
کے نظری اسباق کے ساتھ ساتھ پیر کامل کی رہنمائی بھی
ضروری ہے اس پر اسلام کی زائد از چودہ سو برس کی دینی
تاریخ شاہد ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت امام غزالیؒ نے
حضرت شیخ ابو علی فارمدیؒ کو حضور سیدنا غوث الاعظمؒ
نے حضرت حماد دباسیؒ کو حضرت شیخ ابن العربیؒ نے
ابو مدین مغربیؒ کو حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی
قدس سرہ نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کو اور اس طرح
حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ نے حضرت خواجہ
باقی باللہ دہلوی کو حضرت بابا شہاب الدین سہروردیؒ
نے اپنے چچا بابا نجیب الدین سہروردیؒ کو حضرت خواجہ
بندہ نوازؒ نے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کو
حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ
کو اور سلوک مجددیہ کے مصنف نے حضرت سید محمد بخاری بادشاہؒ

کو اور ہندوستان کے نامور عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
اور مولانا منظور نعمانی نے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری
کو اپنا اپنا شیخ اور مرشد تسلیم کیا۔

یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سلوک مجددیہ پر
تبصرہ کرنے سے قبل تصوف اور روحانیت پر
کچھ لکھا جائے اس لئے کہ دور حاضر میں اسلام کے اس
انتہائی ضروری پہلو کو تقریباً فراموش کر دیا گیا ہے۔
دین کے اس روحانی پہلو سے جس کو تصوف اور
روحانیت کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی بے خبری اور غفلت
کا یہ عالم ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کے ذکر، فکر، عبادت،
تزکیہ نفس اور ریاضت کے ایک صالطے کے لئے بھی
جو تصوف کے نام سے موسوم ہے شرعی جواز اور
سند پیش کرنے کی ضرورت پڑ رہی ہے اور فقر و طریقت
اور معرفت الٰہی جیسے مقدس علوم کو بھی خود مسلمانوں کی
دست برد سے تحفظ کی ضرورت پیش آگئی ہے اب تو
قرآن اور سنت نبوی کو بھی عامۃ المسلمین سے نہیں بلکہ
ان نام نہاد علماء کی زبان و قلم سے خطرہ لاحق ہے جو مستشرقین
اور عیسائی مبلغین کے پیش کردہ نظریات سے متاثر ہیں اور اسلامی
عقائد اور روحانی اقدار کو مسخ کرنے کے درپے ہیں۔ یورپ
اور امریکہ کی تقریباً ساری جامعات میں اسلامیات

کے شعبہ جات کا بھی نصب العین ہے۔ فروعات کے
علاوہ اصولی مسائل کو تک شکوک کر کے رکھدیا گیا
تاکہ مسلمان اور خصوصاً یورپی اور امریکی اسکالرس
شک و تذبذب کی تاریک وادیوں میں بھٹکتے پھر
گمراہ رہیں۔ اسی کو شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر شیخ محمد
اقبال نے کیا خوب للکارا ہے: ع

عالم ہمہ ویرانہ از چنگیزی افرنگ
معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز

یہ تمام نام نہاد ریسرچ اسکالرس کتاب اور
سنت نبوی کو مسخ کرنے کی جسارت پر ڈٹے ہوئے ہیں
سنت کا ابتدا ہی سے انکار کر دیا ہے کہ احادیث
سب گھڑی ہوئی ہیں اور حضرات کی تاویلیں شروع
کر دی گئیں ہیں۔

دین اسلام کے دو رخ ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا
باطنی و روحانی۔ ظاہری رخ اور پہلو شریعت ظاہر کے نام سے
موسوم ہے جس کو علماء اور فقہاء نے اپنایا ہے اور باطنی و روحانی
رخ کو فقر و تصوف اور طریقت کا نام دیا گیا ہے۔

حاشیہ: مغربی ممالک میں مسخ شدہ قرآن امریکہ میں خاص طور پر یہودیوں کے ہاتھ موجود ہے۔

جس کو فقراء صوفیاء اور اولیاء اللہ نے اختیار
کیا ہے۔ علم تصوف طریقت اور فقر کا
مقصد اسلام کے اس دوسری روحانی رخ کو
ثابت کرنا اور اس کو عملی جامعہ پہنانا ہے۔ مگر
ان ہی الفاظ سے بعض ذہن خفقہ کو جھگانا ہے
شریعت سے جھگانا ہے طریقت دل لگانا ہے۔

کائنات کی ہر چیز ظاہری اور باطنی پہلوؤں
میں تقسیم ہے۔ ہر شئے کا ایک ظاہر ہے اور
ایک باطن ہے۔ خود ہمارا وجود روح اور جسم میں
منقسم ہے۔ جسم ظاہر ہے اور روح باطن ہے۔
اصل چیز روح ہے۔ اس پر جسم کی ساری
زندگی کا دارومدار ہے۔ تمام حقائق باطن میں
مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ اسی طرح اسلام میں
شریعت گویا جسم اور تصوف اور طریقت
اس کی روح ہے اور یہی اصلیت حقیقت
اور صداقت کا سرچشمہ ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی حیات طیبہ
کے یہی دونوں رخ قرآن پاک اور احادیث شریفہ سے ثابت ہیں۔ اور
کسی باشعور ذی عقل اور صحیح العقیدہ مسلمان اس سے انکار نہیں
کر سکتا کہ آپ کی ذات گرامی ظاہر و باطن کی جامع تھی اور آپ ہی کی
ذات والا صفات کو یہ دونوں طریقے دنیا میں رائج ہوئے۔ ظاہری
عبادت کے ساتھ باطنی بصیرت بھی لازمی ہے اور شریعت کے ساتھ
ساتھ طریقت کو بھی اپنانا لازمی ہے۔ آفاق کے ساتھ انفس بھی ہے۔
اور عالم شہادت کے پیچھے ہی عالم غیب بھی موجود ہے اور اس کے لیئے
دل کی بینائی درکار ہے: ع

دل بینا بھی کر خدا سے طلب۔ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں۔

فقر و تصوف درحقیقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم
کی روحانی اور باطنی زندگی کی پیروی اور آپ کے طفیل حسب استعداد باطنی
کمالات تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے اور یہ وہ لائحہ عمل ہے
جس کے ذریعہ اسلام کے باطنی پہلو کو عملی طور پر ثابت کیا جاتا ہے۔

جب تک اسلام کا باطنی اور روحانی پہلو ثابت نہ ہو جائے۔ اسلام مکمل طور پر سامنے نہیں آتا اور اس کی حقیقت پورے طور پر منکشف نہیں ہوتی۔ اور جب تک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی اور روحانی زندگی کو نہ اپنایا جائے مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان اور حقیقی معنوں میں موحد نہیں بن سکتا۔

ائمہ تصوف نے شرعی نصوص ہی سے تصوف کے مسائل اور اصول کا استنباط اور استخراج بالکل اسی طرح کیا ہے جس طرح ائمہ مجتہدین اور فقہا نے شرعی مسائل کا قرآن سنت اجماع اور قیاس کی روشنی میں استنباط اور استخراج کیا ہے۔ اس طرح اس بات میں ذرا بھی اشتباہ نہیں کہ تصوف کا حقیقی ماخذ قرآن اور سنت نبوی ہیں۔ اور فقر و تصوف باہم مترادف ہیں اور اس کو شعار اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیئے باعث فخر قرار دیا۔ ارشاد نبوی ہے۔ "الفقر فخری"۔ (فقر میرا فخر ہے۔)

تاریخ شاہد ہے کہ جس وقت علوم شریعت
تصنیف کا جامہ پہن کر کتابی شکل میں آنے لگی، اور فقہاء نے
فقہ و اصول فقہ اور کلام و تفسیر میں کتابوں کے ذخیرے مرتب
کرنے شروع کیئے تو صوفیاء اکرام نے بھی علم تصوف پر قلم اٹھایا۔
انہوں نے ورع (تقویٰ اور پرہیزگاری) اور مقامات پر مضمون لکھا
اور اس میں کتابیں ترتیب دی۔ مثلاً ابو نصر سراج (م ۳۷۸ھ)
نے کتاب اللمع شیخ ابو طالب مکی (م ۳۸۶ھ) نے قوت القلوب
ابو بکر کلاباذی (م ۳۸۸ھ) نے کتاب التعرف ابو نعیم
اصفہانی (م ۴۳۰ھ) نے حلیۃ الاولیاء امام قشیری (۴۶۵ھ)
نے الرسالۃ القشیریہ حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری
(م ۴۷۰ھ) نے کشف المحجوب عبداللہ انصاری ہروی (۴۸۱ھ)
نے طبقات الصوفیہ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) نے احیاء العلوم
عربی زبان میں اور کیمیائے سعادت فارسی زبان میں پھر اس مبارک فن
تصوف پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری و ساری رہا۔

اس طرح علم تصوف جو صرف اس طریق عبادت یا اُن
احکام سے عبارت تھا جو سینہ بہ سینہ بزرگوں
سے چلے آرہا تھا اب کتابی شکل میں آگیا۔ اور
یہ عمل صرف اسی علم تصوف کے ساتھ ہی مخصوص
نہیں بلکہ ابتداء میں علوم تفسیر حدیث اور
فقہ بھی سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے تھے۔
بعد میں تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا مگر بزرگان
کرام اور فقراء عظام کا مجاہدہ، مراقبہ، ذکر
فکر اور عزلت نشینی ان کو علماء ظواہر پر
فضیلت اور فوقیت بخشی۔ کیونکہ مراقبہ اور
مجاہدہ وغیرہ کی برکت سے ان کے لیے حواس
ظاہری سے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور عالم الغیب
یعنی غیر مرئی عالم ان پر روشن ہو جاتا ہے۔
جس کی وجہ سے صوفیاء کرام کو اپنے اعمال
عبادات اور مجاہدات کے نتائج اور اثرات
معلوم ہوتے ہیں۔ تصوف کے جتنے طریقے ہیں۔ ان
سب کا مقصد ہے کہ طالب کے نفس کے طبقہ کے اندر
ایک خاص کیفیت پیدا ہو جائے اس کیفیت کو صوفیاء کرام
نے "نسبت" نام دیا ہے۔ اس کو "سکینہ" اور "نور" بھی
کہتے ہیں یہ ملائیکہ سے مشابہ ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے

طالب اور سالک کی نگاہ عالم جبروت کے حقائق پر پڑتی ہے۔

محدثین کی طرح صوفیاء کرام کے مختلف طریقے اور خانوادے تھے۔ لیکن جس طرح اس وقت فرقہ ہائے اہل السنت والجماعت سے چار اماموں حنفی — شافعی — مالکی — اور حنبلی — ہی منقسم ہیں۔ اسی طرح ارباب تصوف بھی چار سلسلوں میں منقسم ہیں۔ قادریہ — سہروردیہ — نقشبندیہ — چشتیہ قابل ذکر ہیں۔

کسی خانوادہ یا طریقہ میں جذب و تاثیر کا معاملہ عنایت الٰہی پر منحصر ہے اور ایک خاص وقت میں ایک خاص خانوادہ عنایت الٰہی کا مظہر ہوتا ہے۔

حاشیہ : جملہ اکابر اکثر سلاسل کا تذکرہ ملتا ہے جن میں مندرجہ بالا چار سلاسل قابل ذکر ہیں۔

مذکورہ بالا طریقت کے چار طریقوں میں نقشبندیہ کو یہ
امتیاز حاصل ہے کہ امام ربانی حضرت شیخ احمد فاروقی
سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ ۱۰۳۴ ہجری مطابق
کی وجہ سے اس طریقہ کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔
اس کے صحیح تعلیمات اور رہنمائے حقیقی اب تک اقطاع عالم
میں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت محدث دکن نقشبندی مسلوک
کو حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی سرپرستی میں طے کرچکے
اور اسی پس منظر میں آپ نے مسلوک مجددیہ ترتیب دی۔
اور تطری حشیت سے یہ بات واضح کردی کہ طریقہ نقشبندیہ
رویہ عمل ہے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ کے جس
قدر تصانیف حدیث تفسیر اخلاقیات وتصوف وغیرہ میں
شائع اور مقبول عام اور دوامی شہرت حاصل کرچکے ہیں۔
کتاب مسلوک مجددیہ اس سلسلے تصانیف میں ایک
گرانقدر اضافہ ہے جو طالبان حقیقت وسالکان راہ
طریقت کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

یہ تالیف لطیف دراصل حضرت والد کی ایک بیاض ہے
جو حضرت محدث دکن کے خزینۃ العلوم میں ایک درملکتون کی
حیثیت رکھتی ہے۔ ایک مدت کے بعد حضرت نے اپنی اس بیاض

کو ایک مفصل اور جامع شرح کے ساتھ اخوان طریقت
کے لیے بغرض افادہ عام شائع فرما دیا ہے۔

سلوک نقشبندی و تعلیمات مجددی کے
معارف و غوامض کے بارے میں جو نادر کتب تصوف
و تالیفات بندگان نقشبندیہ مجددیہ میں پھیلی ہوئی تھے
اور جن پر عوام کو دسترس حاصل نہ تھی وہ سب کے سب
تشریح و توضیح کے ساتھ اس خوبی سے یکجا کر دیئے گئے
ہیں کہ اس مختصر بیاض میں گویا دفتر کے دفتر
سمو دیئے ہیں۔ بقول شاعر

لکھتے رقعہ لکھ گئے دفتر + شوق نے بات کیا بڑھائی ہے۔

حضرت والا ادام اللہ برکاتہ کی تعلیم و تلقین سے آج
بیشمار بندگان خدا فیضیاب ہو رہے ہیں۔ لیکن ایک مدت
سے اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ سلوک نقشبندیہ مجددیہ
کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جائے جو مصنفین و سالکین
کے لیے ہر وقت مطالعہ میں رہے اور نظری و عملی دونوں
حیثیتوں میں ان کا ممد و معاون ثابت ہو۔

سلوک مجددیہ اسی بات کی غماز ہے کہ آج کے دور کے لیے یہ
کتاب از حد ضروری قرار پائی ہے۔

سلوک کے معنی راستہ چلنے کے اور باصطلاح تصوف قرب خداوندی
کے طریق حاصل کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں۔

سلوک کے متعلق حضرت عبداللہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:[1]

"سلوک نقشبندیہ مجددیہ سات لطائف اور چھ حس مراقبات یا بالفاظ دیگر لطائف ستہ ولایت سہ گانہ نفی اثبات تلاشہ و حقائق پر مشتمل ہے۔"

آگے آپ فرماتے ہیں کہ:[2]

"طریق عالیہ نقشبندیہ کے امام حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس کا دار و مدار اتباع سنت و عمل بر عزیمت و اجتناب از بدعت و رخصت پر ہے۔ اس میں تین اشغال ہوتے ہیں۔ پہلا ذکر دوسرا مراقبات تیسرا رابطہ شیخ اور اس کا طریق کار ما حصل دوام و حضور آگہی ہے حضرت ذات الٰہی عقیدہ صحیحہ موافق اہل سنت والجماعت سے۔ اس طالب کو اصطلاح صحابہ میں احسان اور تصوف میں مشاہدہ و یاد داشت و نیش النفس کہتے ہیں۔"

ع۱: بحوالہ ..... سلوک مجددیہ، ص ۲ اور ۳۔

ع۲: " ..... " " ص ۶۔

"طریق عالیہ مجددیہ اصول نقشبندیہ پر مبنی ہے جس کے امام حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی رضؓ ہیں۔ آپ سے قبل سلوک نقشبندیہ مراقبات لطیفہ نفس تک تک تھا۔ اور اسی حد تک تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے بعد کے مراتب و حقائق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ پر مکشوف فرمائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کی کوئی حد و انتہا نہیں اور نہ ان کے فیضان کا سلسلہ منقطع ہوا ہے"[1]

آگے آپ فرماتے ہیں کہ:[2]

"تہذیب لطائف کے بعد ہی سالک کی وصول الی اللہ کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ تہذیب لطائف کے طریق نقشبندیہ مجددیہ میں کثرت ذکر و مراقبات و توجہات شیخ ضروری ہیں جن کے بغیر سالک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

آپ مزید فرماتے ہیں کہ:[3]

"مرتبہ کمالات اولوالعزم کے بعد سلوک مجددیہ میں ایک دوراہا[1] پیش آتا ہے۔ ایک بجانب[2] خلق اللہ دوسرا بجانب خالق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے۔"

---

[1] بحوالہ کتاب: سلوک مجددیہ از حضرت جمیل احمد ص ۷

[2] " " " " " " " ص ۸

[3] " " " " " " " ص ۸

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔ ۱

"شغل اول ذکر اسم ذات ہے۔
اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو جمیع
خطرات و حدیث نفس سے ہٹا کر زبان
دہن کو تارک سے گھما کر اور بجمیع
ہمت متوجہ قلب ہو کر ذکر اسم
ذات اللہ اللہ زبان خیال سے یوں
کہ کس کو صورت دل کا تصور ہو نہ
سانس بند کیا جائے۔ مگر وقوف قلبی
کی رعایت ضرور و لازم۔ تو بندہ ذکر
سے بگیر انست خواطر قلبی نا شدہ
ملوث نہیں ہوتا بلکہ واصل حدیث
نفس ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ بہاؤ
الدین نقشبند رضی اللہ عنہ نے وقوف
عددی کو چنداں ضروری نہیں سمجھا مگر
وقوف قلبی کو واجبات و شدائد ذکر
سے متعلق فرمایا ہے۔"

ذکر کے متعلق حضرت عزیزان علی رامتنی نقشبندیؒ فرماتے ہیں کہ:۔ ۲

"ہر شخص سے محشر میں ہر سانس کے متعلق
باز پرس ہوگی اس لئے کوئی سانس بھی

۱: حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ "سلوک مجددیہ" ص ۱۱۔
۲: " " " " " ص ۱۲۔

غفلت میں نہ لینا چاہیئے سالک
پر لازم ہے کہ جو سانس بھی غفلت میں
گذرے اس پر نادم ہو کر تلافی مافات
کا وں کوشش کرے کہ آئندہ کوئی سانس
بھی یاد الٰہی کے بغیر نہ گذرے جیسے جیسے
اسباق آگے بڑھتے جائیں روزانہ کی مقررہ
تعداد ذکر کو لطیفہ قلب سے شروع کر کے لطیفہ با
مراقبہ تک علی التسویہ تقسیم کر کے ذکر
کیا جائے۔"

ذکر بالجہر ایک ایسا حلقہ ہے جس میں شیطان داخل نہیں ہو سکتا
سالک جب تک ذکر میں مشغول رہے شیطان سے محفوظ رہتا ہے
ذکر الٰہی سے قلب نرم ہوتا ہے۔

ذکر کے ساتھ ساتھ مراقبہ بھی کرنا چاہیئے تاکہ فیوض و برکات
حاصل ہو سکیں۔ بقول احمد حیدر آبادی ؎

اس سینے میں کائنات رکھ لی میں نے ؎ کیا ذکر صفات ذات رکھ لی میں نے
ظالم سہی جاہل سہی نادان سہی ؎ سب کچھ سہی تیری بات رکھ لی میں نے

حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندؒ اپنی بات کی سند لانے
کے لئے قرآن و حدیث سے کلام لیتے ہیں۔ اور بزرگان نقشبندؒ
کے حوالوں سے بات کو سمجھاتے ہیں چنانچہ آپ حضرت
مجدد الف ثانی قدس سرہ اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں انہوں نے بات کو
پوری طرح سے سمجھایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحؒ فرماتے ہیں ۱ :-

"جس طرح ذات حق سبحانہ وتعالےٰ کا ادراک نہیں ہو سکتا۔
اسی طرح صفات باری تعالےٰ کا بھی ادراک مراقبات
میں نہیں آ سکتا جو کچھ حالت مراقبہ ادراک میں آتا ہے
وہ ظلال صفات ہیں۔ ع
جس نے عالم کو بنایا ہے سمجھ وہ سمجھ میں کس طرح آئے۔"

حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ : ۲

"میں نے مراقبہ کا طریقہ ایک بلی سے اس طرح سیکھا ہے
کہ ایک روز میری نظر ایک بلی پر پڑی جو چوہے کی بل
پر گھات لگائے بیٹھی تھی۔ اس کے استغراق کا یہ عالم
تھا کہ جسم کا ایک بال تک نہ ہلتا تھا۔ میں یہ دیکھ کر
حیران ہی تھا کہ اچانک میرے باطن میں غیب سے آواز
آئی کہ اے بیت سمت تیرا مقصود نہایت اعلیٰ وارفع ہے۔
اس لئے تیرا استغراق بھی اس بلی سے بالاتر ہونا چاہئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس روز سے میں نے مراقبہ کا یہ طریقہ اختیار کیا اور پورا فیضاب ہوا۔ جب مراقبہ میں انوار کی چمک اور تجلیات کی جھلک نمایاں ہو تو اس کے بعد ہی ثمرات مراقبہ حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ اس چمک دمک کے مٹ جانے کے بعد بحالت سکوت سوائے انوار میں مقصود کا جلوہ منکشف ہوتا ہے۔"

شغل سوم رابطہ شیخ ہے جو ایک مرید کے لیے از حد ضروری ہے شیخ کی صورت کو باطنی نگاہ سے دل میں جمانے کا نام رابطہ ہے۔ یہاں ہمیں یہ خیال کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ کا نور اللہ کے پاس سے نکل کر شیخ کے قلب پر منعکس ہو کر ہمارے قلب پر وارد ہو رہا ہے۔ جس سے مکمل فیضان حاصل ہوتا ہے۔

رابطہ سے مراد یہ ہے کہ کمال محبت اطاعت اور ادب کے ساتھ شیخ کے حضور میں رہنا۔ اور ان کے غیاب میں ان کا تصور

---

۱ الف ۲ : بحوالہ کتاب سلوک مجددیہ از حضرت جلد ۲ صہ ۱۵

تام رکھنا اور یقین کے ساتھ یہ ذہن نشین کر لینا کہ شیخ کے واسطے سے اپنے مورد فیض پر فیضان الٰہی وارد ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت خواجہ محمد[2] معصوم نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:[1]

"ہمارے طریق میں وصول بہ درجہ کمال مربوط بہ رابطہ شیخ ہے۔ طالب صادق اسی راہ محبت سے جو اپنے پیر کے ساتھ رکھتا ہے۔ ان کے باطن سے فیوض و برکات حاصل کرتا ہے اور بہ سبب مناسبت معنویہ ان کا رنگ ہو جاتا ہے۔ بزرگان طریقت کا قول ہے کہ فنا فی الشیخ فنائے حقیقی کا مقدمہ ہے۔ ذکر ہر چند اصل وصول ہے۔ لیکن مشروط بہ رابطہ محبت و فنا فی الشیخ ہے۔ ہاں یہ رابطہ تنہا باعث آداب صحبت و توجہ التفات پیر بغیر التزام طریق ذکر بھی موصل ہے۔"

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:[2]

"اگر مرید کو للہ تکلف رابطہ شیخ حاصل ہو جائے تو پیر و مرید کے درمیان ایک اتصال روحانی تعلق قائم ہو جاتا ہے جو مرید کے لیے افادہ و استفادہ کا سبب بن جاتا ہے۔ وصول الی اللہ کے لیے رابطہ شیخ سے بہتر کوئی طریق نہیں ہے اور ذکر سے رابطہ شیخ کو افضل کہنا بلحاظ نفع ہے کیونکہ ابتداء میں بغیر رابطہ کے مرید کے لئے ذکر سے پورا پورا مستفیض ہونا دشوار ہے۔"

---

[1] حضرت عبداللہ شاہؒ، سلوک مجددیہ، ص ۱۶۔

[2] " " "

شیخ کی حضوری میں نہایت ادب اور غیاب میں تصور شیخ ضروری ہے
اسی کو رابطہ شیخ کہتے ہیں۔ جو لوازمات سلوک سے ہے۔

ہم اگر نہ چاہتے ہیں کہ ہمارا دل آئینہ کی طرح صاف و
شفاف ہو تو ان چیزوں کو اپنے سینے سے نکال دے۔ نفسی
حرص حسد بغض، حرام، غرور، غصہ، بخل، ریا اور کینہ
کو دور کر دے۔ بقول کسی شاعر کے: ع

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار ۔!۔ جب ذرا گردن جھکا لی دیکھ لی۔

باطنی قوت سے کسی پر اثر ڈالنے کا نام اصطلاح تصوف میں
توجہ و تصرف یا ہمت ہے۔ اس توجہ میں شیخ اپنے قلب کو مرید
کے قلب کے مقابل کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ میرے
قلب کی تجلی اس مرید کے قلب میں ڈال دے۔ اس طرح اپنی
توجہ و ہمت بڑے زور سے طالب کے قلب کی طرف مصروف رکھتے ہیں۔
عارف حق سے لطائف میں جو کشش پیدا ہوتی ہے۔ ان کو
جذبات کہتے ہیں۔ فیض غیبی اور عنایت حق کو جس سے نسبت باطنی حاصل
ہو جائے جذب کہتے ہیں۔ اور اسی نسبت کو وصول الی اللہ بھی کہا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ جذب غیر اختیاری امر ہے۔

سالک کی سیر و سلوک مداومت اشغال اور کثرت توجہات پیر کامل پر موقوف ہے۔ جب ان دونوں امور کی تکمیل ہو تو سالک بہت جلد سلوک طے کرتا ہے۔ ان تمام امور کو طے کرنے کے لیے پیر کامل کی از حد ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

"سالک دو طرح کے ہوتے ہیں۔ مرید اور مراد۔

مرید وہ ہے جو اپنی کوششوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچے اور مراد وہ ہے جس کی رب العزت خود اپنی طرف کھینچ لیں۔ مرید کے سب مقامات بند رہتے ہیں جس کے باعث تمام مقامات میں باقاعدہ سلوک طے کرنا ضروری ہے اور مراد کے اکثر مقامات کھلے رہتے ہیں اور ان مقامات میں جو کسر باقی رہتی ہے شیخ کامل اپنی توجہ سے پورا کر دیتے ہیں۔ اور باقی مقامات جو بند ہیں ان میں باقاعدہ سلوک طے کرنا ضروری ہوتا ہے۔"[1]

---

[1]: بحوالہ کتاب: سلوک مجددیہ از حضرت جلد ۱ ص ۲۸

مرید کے ساتھ پیر کا برتاؤ بھی نہایت شفقت آمیز ہو اور اسے روحانی ارتقاء اسقدر مصروف رکھے کہ وہ پیر کی رہبری میں بآسانی سلوک کے تمام منازل کو بخوبی طور سے پورا کرے۔ چنانچہ جب حضرت قبلہ رح کا اس بارے میں جائزہ لیا جاتا ہے تو الحمدللہ آپ کا عمل حد درجہ مشفق راہ طریقت و سلوک میں ایسی وارفتگی اور ہر مرید کو ایک ہی توجہ و عنایات کے ساتھ چلانے والے دکھائی دیتے ہیں۔ اور مرید بھی جب آپ سے ملاقات کرتا ہے تو آپ کی توجہ و عنایات کو اپنے لیے مخصوص پاتا ہے جو ہر مرید کے لیے یہی بات صادق آتے ہوئے نظر آتی ہے۔

ع ۱: حضرت قبلہ علیہ الرحمہ بسط و قبض کے متعلق یوں تشریح فرماتے ہیں کہ:

"سالک پر کبھی بسط کی حالت رہتی ہے جس سے فرحت اور کبھی قبض کی کیفیت جس سے وحشت ہوتی ہے قبض کی حالت میں محبوب آپ چھپتا پھرتا ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ اپنا کام کیے جائے ذکر و شغل بھی جاری رکھے اور دیگر معمولات بھی برابر جاری رہیں۔ اور باطنی حالات کو اللہ پر چھوڑ دے۔"

ع ۱: حضرت عبداللہ شاہ، سلوک مجددیہ، ص ۳۲۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ وسوسوں کے متعلق فرماتے ہیں [1]

"حقیقت میں وسوسہ باطن قلب میں نہیں ہوتے
بلکہ بیرون قلب رہتے ہیں جیسے آئینہ پر لکھی
دیکھنے والے کو تو ویسا معلوم ہوتا ہے پر لکھی آئینہ
کے اندر نہیں ہوتی بلکہ وہ باہر رہتی ہے
ایسے ہی وسوسہ قلب کے باہر رہتے ہیں۔ قلب
کے اندر جہاں ذکر رہتا ہے وہاں ان کی
گنجائش نہیں۔ بوقت ذکر دل میں جو وسوسہ
معلوم ہوتے ہیں وہ دراصل وسوسوں کا عکس
ہوتے ہیں۔"

آپ آگے فرماتے ہیں کہ: [2]

"وسوسوں کا آنا بھی خدائے تعالیٰ کا احسان ہے
بندہ وسوسوں سے گھبرا کر عبادت چھوڑ دیتا ہے۔
ان وسوسوں سے گھبرائیں نہ پریشان ہوں بلکہ اپنے
کام میں لگے رہیں ہم کو ہر امر میں محبوب حقیقی کی
رضا جوئی حاصل کرنی چاہئے۔ حتی الامکان وسوسہ
دفع کرنے کی کوشش کی جائے اس پر بھی دفع
نہ ہوں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ محبوب حقیقی کی ایسی
ہی مرضی ہے۔"

شیطان ذکر چھڑانے کے لئے وسوسے ڈالتا ہے جو ہمارا ازلی دشمن ہے
اس سے بچنے کی حتی المقدور کوشش کریں۔

---

[1] حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ، سلوک مجددیہ، ص ۴۰۔
[2] " " " " " " " ۴۱۔

مخلوقِ خدا کی قیامت تک بار بار سعی کا تار رہتا ہے۔

چنانچہ حضرت عارف رومیؒ نے مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ [1]

"ایک ذاکر کو شیطان نے بہکایا کہ تم اتنا ذکر کرتے ہو۔ اس سے کیا فائدہ ہوا۔ اس وسوسہ سے متاثر ہو کر انہوں نے ذکر و شغل سب کچھ چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کو حکم دیا کہ ہماری طرف سے اس ذاکر سے کہدو کہ جب بادشاہ کسی پر خفا ہوتا ہے تو اس کو اپنی دیوڑھی میں آنے نہیں دیتا۔ دیوڑھی میں آنے دینا ہی اس کی رضامندی کی علامت ہے۔ ایسا ہی ہمارا ذکر کرنا ہماری رضامندی کی اور ذکر چھوڑ دینا ناراضی کی علامت ہے۔ اس لئے تجھ کو چاہئے کہ تا دم آخر ہمارا ذکر کرتا رہے"

لوقت ذکر و مراقبہ ذاکر کو وسوسوں کا ہجوم رہتا ہے۔ مگر اسے توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ کیوں کہ وسوسے خود آتے ہیں اور خود چلے بھی جاتے ہیں۔ مگر اپنی جانب سے کبھی بھی وسوسہ پیدا نہ کرے بلکہ

---

[1] : بحوالہ کتاب : سلوک محمدیہ از حضرت مولانا صاحب

ذکر کی کثرت وسوسوں کو خود بہ خود رفع کر دے گی۔

اس طرح سلوک نقشبندیہ میں مؤلف نے سب سے پہلے طریقہ بیعت کو لیا۔ اس کے بعد سلوک نقشبندیہ طے کروایا۔ اس نظر ضعف میں صفحہ (۴۴) سے لے کر ختم کتاب تک اذکار و مراقبات حضرات نقشبندیہ مجددیہ کی تفصیل دی گئی ہے۔ جس کی روشنی میں سالک سلوک کی کٹھن منزلوں سے آسانی گزر سکتا ہے۔

صفحہ ۴۴ سے ۱۰۶ تک مراقبوں کی تفصیل ہے۔ جس میں حسب ذیل مراقبے ترتیب وار دیے گئے ہیں۔

مراقبہ احدیت، ذکر نفی اثبات، مراقبہ معیت، مراقبات لطائف خمسہ عالم امر، مراقبہ کمالات نبوت، مراقبہ کمالات رسالت، مراقبہ کمالات اولوالعزم، مراقبہ حقیقت قرآن، مراقبہ حقیقت صلوٰۃ، حقائق انبیاء علیہم السلام، فائل ذکر ہیں۔ صفحہ ۱۰۶ سے ختم کتاب تک "ارشادات بزرگانِ کرام" کو بیان کیا گیا ہے۔

نور المصابیح (حصہ دوم)

یہ کتاب بھی زجاجۃ المصابیح کا ترجمہ ہے۔
جس کا ترجمہ مولوی محمد منیر الدین صاحب شیخ الادب جامعہ نظامیہ
اور ڈاکٹر محمد عبدالستار خان صاحب سابق پروفیسر صدر شعبۂ عربی
جامعہ عثمانیہ خلف محدث دکن نے کیا تھا۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ کا "ضروری اقتباس"
جو کہ باتوں اس کتاب میں بھی شامل ہے۔ حصہ اول کی طرح
اس حصہ کے ترجمہ، تشریحات اور فوائد کا سارا کام
مولوی ڈاکٹر محمد عبدالستار خان صاحب نے انجام دیا۔

سب ٹائٹل پر حمد تسمیہ آیت قرآنی اور دونوں جانب
دو شعر فارسی اور اردو میں ہیں۔ درمیان میں کتاب کا نام ہے۔ اس کے
نیچے حصہ دوم جلد اول ہے اور اس کے نیچے ترجمہ اردو زجاجۃ المصابیح
ہے۔ اس کے بعد مولف کا نام ہے جس کے فوراً بعد فہرست مضامین
کا آغاز ہوتا ہے جو (۲۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس حصے کو
(۲۱) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے لیکن ابواب کا سلسلہ شمار نہیں
دیا گیا ہے۔ یہ ابواب اس طرح ہیں:

۱۔ کتاب الصلوٰۃ: اس باب میں نمازی اور بے نمازی کے
فرق کو واضح کیا گیا اور نماز نہ پڑھنے کی وعید دی گئی ہے۔

نماز اور نمازی کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اس میں نماز پڑھنے کے طریقہ کے علاوہ نمازی کی فضیلت اور قیامت میں سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال کیا جائے گا اور بے نمازی پر اللہ تعالیٰ کی غضبناکی ہوگی۔ کیونکہ تارک الصلوٰۃ کفر کے قریب ہوتا ہے اور بے نمازی شرک سے قریب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ شرک کرنے والے اور فتنہ کرنے والے پر وعیدیں آئی ہیں۔ اور باب کے آخر میں اولاد کو نماز کا پابند بنانے کی تاکید آئی ہے اور اس کے علاوہ سلام کے احکام دیئے گئے ہیں جب کہ وہ سن شعور کو پہنچیں۔

۲۔ "باب المواقیت": اس باب میں نمازوں کے اوقات اور ان کی تعیین کس طرح کیا جائے بتلایا گیا ہے۔

۳۔ "باب تاخیر الصلوات وتعجیلھا": اس میں نمازوں کے مستحب اوقات احادیث کی روشنی میں تفصیلاً سمجھائے گئے ہیں۔

۴۔ "باب فضائل الصلاۃ": اس باب میں نمازوں کی پابندی سے ادا کرنے کی فضیلت کے ساتھ ساتھ نمازوں کو ترک کرنے پر وعیدیں بھی دی گئیں ہیں اور نمازوں کی اہمیت کا بھی تذکرہ ہے۔

مسجد کی فضیلت مسجد کے جملہ آداب پر پہلی حدیث سے لے کر
تیرھویں حدیث تک بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مساجد بنانے کا
ثواب اور آداب مساجد کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ عورتوں کیلئے
زیارت قبور کے جائز ہونے کا ثبوت، عمل قبروں کو سجدہ گاہ
بنانے یا عمل قبروں پر چراغ روشن کرنے کی ممانعت ہے۔ مسجد
میں نماز پڑھنے کی فضیلت ہے نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لئے
دور سے آنے والے کی فضیلت کی مسافت کے دن عرش کے سایہ
میں رہنے والے اشخاص کا ذکر ہے مسجد کو ثواب کی نیت سے
آنے والے کی فضیلت اور اپنے بچوں کو بنانے والے اور درجے بڑھانے
والے امور کا بیان شامل ہے مسجد میں آنے اور باہر نکلنے کی دعائیں
تحیۃ المسجد پڑھنے کی کیفیت، کہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے
اور اس پر احادیث کو پیش کیا گیا ہے اور توضیح فرمائی گئی ہے۔

۹۔ باب الستر: اس میں نماز کی ادائیگی کے وقت ستر
کا ڈھانکنا کس حد تک ہونا چاہئے۔ نماز میں تہبند کے سوا
بدن کے بالائی حصہ کو ڈھانکنے کی تحقیق اور اس پر احادیث
کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ ازار یا تہبند ٹخنوں سے نیچے
لٹکاتے ہوئے نماز پڑھنے کی وعید، عورت کے ستر کا بیان، باندی
کا ستر، عورتوں کا ستر، مرد کے لئے ریشم کی ممانعت، قصداً ستر کھلا رکھنے کی ممانعت،
جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی تحقیق، نماز پڑھتے وقت جوتے کہاں رکھے جائیں کا بیان
شامل ہے۔

۱۰- باب السترۃ : اس باب میں سترہ کی تعریف اور اس کے احکام بیان کیے ہیں۔
نمازی کی نماز میں خلل نہیں آئے گا جب کوئی اس کے سامنے سے
گذر جائے۔ نمازی کے سامنے سے گدھا، کتا یا عورت گذر جائے
تو اس سے نمازی کی نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا اور سترہ کہاں
رکھنا چاہیے کا بیان ہے۔

۱۱- باب وصفۃ الصلوٰۃ : نماز میں تعدیل ارکان کا حکم ہے
اور اس حکم پر حدیث ہے نماز میں رفع یدین اور نماز میں طویل قیام
کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نماز میں تکبیرات ادا کرنے کی
کیفیت، تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا ثبوت
اور اس پر حدیثوں کا بیان ہے، تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھنے
کا تحقیق ہے اور عورتوں کو حکم ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کہاں
رکھنے چاہئیں؟ نماز میں رکوع کرنے کا مسنون طریقہ، نماز میں قومہ
سجدہ اور جلسہ کا مسنون طریقہ (تبلایا ہے) عورتوں کے لیے سجدہ میں
چہرہ کو ہاتھ رکھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے سجدہ کے بعد قیام کیلئے
جلسہ استراحت کے لیے اٹھنے کا ثبوت اور اس پر احادیث
کا بیان ہے سجدہ اور قعدہ اولیٰ سے قیام کے لیے اٹھنے کا
مسنون طریقہ عورتوں کے لیے، قعدہ میں یا دونوں سجدوں کے درمیان
جلسہ میں بیٹھنے کے مسنون طریقہ پر احادیث ہے۔ قعدہ اخیرہ میں تشہد
کے بعد درود شریف پڑھنے کا وجوب اور نماز کے ختم پر السلام علیکم

ورحمۃ اللہ کہنے کا توضیح کیلئے نماز اپنے کسی فعل سے عمداً ختم کرنے کی وضاحت
نماز میں تشہد واجب ہونے کا ثبوت ہے، نماز کے ختم پر سلام پھیرنے کا بیان ہے
نماز میں کم سے کم دو رکعت ہونے کا ثبوت اور خشوع و خضوع کے ساتھ
پڑھنے کا بیان بھی شامل ہے۔

۱۲۔ باب وما یقرء بعد التکبیر: اس باب میں تکبیر تحریمہ کے
بعد ثناء پڑھنے کا ثبوت ہے نفل نمازوں میں پڑھی جانے والی
دعائیں اور اس پر احادیث کی دلیلیں دی گئی ہیں۔

۱۳۔ باب القراءۃ فی الصلاۃ: اس باب میں نماز میں قراءت اور
قرآن فرض ہونے کا ثبوت ہے۔ نماز میں سورہ فاتحہ کے واجب
ہونے کا ثبوت ہے۔ نماز میں سورہ فاتحہ اور ضم سورہ واجب
ہونے کا ثبوت ہے، مقتدی کے قراءت خلف الامام نہ کرنے
کے ثبوت پر احادیث دی گئی ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سورہ فاتحہ
کا جزء نہ ہونے کے ثبوت میں احادیث کے دلائل دیئے گئے ہیں نماز میں
قراءت سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کا ثبوت
دیا گیا ہے۔ نماز میں آمین آہستہ کہنے پر ثبوت احادیث کی روشنی
میں ملتا ہے۔ فرض نمازوں کی پہلی اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ
کا پڑھنا افضل ہے واجب نہیں، نماز فجر میں طوال مفصل میں سے اور ظہر
عصر میں اوساط اور
مغرب میں قصار مفصل پڑھنے کا بیان ہے عیدین اور عصر تین چیزیں پڑھنا مستحب
ہونے کا بیان دیا گیا ہے۔

۱۴ - باب الرکوع : اس باب میں رکوع اور سجدہ اطمینان سے ادا کرنے کا بیان ہے قومہ اور جلسہ، رکوع اور سجدہ میں تسبیحات کا بیان ہے نماز کسوف کے رکوع میں مقررہ تسبیح کے بعد پڑھی جانے والی تسبیح کا بیان شامل ہے ۔ رکوع اور سجدہ اطمینان سے نہ کرنے پر وعید سنن نفل نمازوں کے قومہ میں پڑھی جانے والی دعاؤں کے بیان پر احادیث کے ذریعہ سے روشنی ڈالی گئی ہے ۔

۱۵ - باب السجود و فضلہ : - اس میں سجدہ کرنے کی کیفیت اور اس کے آداب پر تفصیلاً روشنی ڈالی گئی ہے ۔

۱۶ - باب التشہد : - اس باب میں التحیات کے لیے بیٹھنے اور کلمہ شہادت کے وقت انگلی اٹھانے کا طریقہ، اس کی فضیلت، حدیث، ثبوت، کیفیت وغیرہ شامل ہیں ۔ حضرت ابن مسعودؓ کا منقولہ التحیات کے بیان پر حدیث کا ثبوت پیش کیا گیا ہے ۔

۱۷ - باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و فضلہا : اس باب میں قعدہ اخیر میں التحیات کے بعد درود شریف اور دعا کے پڑھنے کا ثبوت اور اس کی ضرورت، اہمیت، افضلیت کو احادیث کی روشنی میں اظہار کیا گیا ہے ۔

۱۸ - باب الدعاء فی التشہد : اس میں قعدہ اخیر میں تشہد

اور درود شریف کے بعد پڑھی جانے والی دعا کا ذکر ہے۔ جن چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم ہوا ہے ان کا بیان شامل ہے۔ نماز ختم کرتے ہی امام کو کس طرف رُخ کر کے بیٹھنا چاہئے۔ فرض نمازوں کے سنن اور نوافل کے اپنی جگہ تبدیل کرنے کا بیان ہے۔ ختم نماز پر مقتدیوں کا امام کی دعا سے پہلے اٹھنا مکروہ بتایا گیا ہے۔

۱۹۔ باب الذکر بعد الصلوٰۃ: اس باب میں فرض نمازوں کے بعد اللہ اکبر کہنے کی تحقیق ہے اور دعا کرنے کا ثبوت ہے۔ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت ہے اور فرض و سنن میں اذکار کے پڑھنے کا بیان ہے۔ نمازوں کے بعد کلمہ تمجید پڑھنے کی فضیلت، اور اس پر احادیث کی دلیلیں دی گئی ہیں۔ نماز کے بعد سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھنے کی فضیلت، نماز فجر کے بعد ذکر میں بیٹھنے کی فضیلت اور اشراق پڑھ کر اٹھنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

۲۰۔ باب مالا یجوز من العمل فی الصلوٰۃ: اس باب میں نماز میں ہر قسم کا کلام کرنے کو فاسد قرار دیا گیا ہے۔ نماز میں ایسی ویسی حرکتیں کرنے سے روکا گیا ہے۔ نماز میں سانپ بچھو کے مارنے کا بیان ہے نماز میں دیکھنے کے احکام اور ان کے احکام دیئے گئے ہیں۔ نماز میں نمازی کو جھینک آئے تو کیا کرنا چاہئے۔ نمازی کو اپنا نماز میں سونا کیسے معلوم کرانا چاہئے کولہوں پر ہاتھ رکھنے اور عصا پر ٹیک دینے کے احکام۔ نماز میں کولہوں پر ہاتھ رکھنے کی وعید دی گئی ہے

۲۱۔ باب السہو: اس باب میں سجدہ سہو سے متعلق باتیں بیان کی گئی ہے۔

"میلاد نامہ"

میلاد کے ضمن میں آج تک اظہار
خیال کیا جاتا رہا ہے اور اس کی مختلف وضاحتیں دی
گئیں ہیں۔ کیوں کہ میلاد کا اعزاز اللہ کی تاریخ
کا ایک منفرد حصہ ہے۔ یہ وہ اعزاز ہے جو ہمارے
لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ اعزاز کسی پیغمبر کو
حاصل نہیں ہوا۔ حضورؐ کی صفات جلیلہ کی معرفت آپ
کے عرفان عظمت کا وسیلہ ہے۔ آپ کی عظمت،
تعظیم شریعت کی تعظیم، شریعت عمل کی اور عمل
سعادت ابدی کا ہے۔

اللہ جل مجدہٗ یہ چاہتا ہے کہ اس کو جانے والا
اس کے محبوب کو بھی جانے اور اسی محبت کے صلے میں
دنیا کا وجود عمل میں لایا گیا۔ چنانچہ اقبال نے کیا خوب
فرمایا ہے ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنا کچھ اتنا مشکل نہیں، مشکل تو یہ ہے
کہ وہ جس کے آگے جھکانا چاہتا ہے خوشی سے جھکتا جائے
ابلیس یہ راز توحید سمجھ نہ سکا اور اسی آزمائش محبت
میں مارا بھی گیا۔ بقول شاعر ؎

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا ۔

راز توحید سر اسرار عشق حقیقی ہے۔ یہی وہ فدائیت اور جاں نثاری کی نعمت اعظمیٰ تھی جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو سرفراز فرمایا جس سے آپ ﷺ مالا مال ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ ہر میدان عمل میں کامیاب و کامران ثابت ہوئے۔

میلاد نامہ کے ابواب پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی کتاب کو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے حمد و نعت کے عنوان سے تحمید ربی و توصیف رسول ﷺ ہے۔

باب اول نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اس میں سات فصل بھی شامل ہیں جس میں ہر نکتہ کو تفصیل سے قرآنی آیتوں کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ اس باب میں حضور ﷺ کے پیدا ہونے سے لے کر حضرت آدم ؑ کو تفویض ہونے تک کا بیان شامل ہے۔ اس کے پہلے فصل میں تمام کائنات کی تخلیق سے پہلے نور محمدی ﷺ پیدا ہونے کا بیان دیا گیا ہے۔ چنانچہ خود حضور ﷺ اس باب کے پہلے فصل میں ارشاد فرماتے ہیں: [1]

"سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے بنائی وہ میرا نور ہے"

[1] میلاد نامہ، حضرت عبداللہ شاہ ؒ، ص - ۶ -

ابتداء میں حضورؐ کا نورِ عطا آپؐ ہی کے نور سے سب عالم بنا اور آخر میں موجودات ہو کر آپؐ ہی سے یعنی اس قدر آپؐ کو قرب الٰہی حاصل ہے جو کسی اور پیغمبر کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے پیغمبر جلد آئے اور آپؐ دیر میں تشریف لائے۔

فصل دوم نورِ محمدیؐ سے ساری کائنات اور عشقِ محبت پیدا ہونے کے بیان میں ہے۔ اس فصل کا خلاصہ یہ ہے کہ پروردگار نے اپنا نور پیدا کر کے آشکار ہوا عالم بنا کر اپنی قدرت دکھائی۔ نورِ محمدیؐ بنا کر حسن و عشق کو ظاہر کیا۔ اسی واسطے آپؐ کی اُمت میں ایسے ایسے عاشقانِ الٰہی پیدا ہوئے کہ دوسری اُمتوں میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔

فصل سوم میں اللہ کا حضورؐ کے نورِ مبارک سے طرح طرح کی سرفرازیاں اور آپؐ کے شکرانہ میں دوگانہ ادا کرنے اور نورِ مبارک کا اُمتِ محمدیہ کی مغفرت طلب کرنے کا ذکر ہے۔

فصل چہارم میں نورِ مبارک سے تخلیقِ عرش اور تخلیقِ قلم اور تخلیقِ جنت اور ان حالات کی صراحت جو قلم بننے کے بعد ہوئے اور ان اعمال کی صراحت جو جنت میں جانے کے لئے ضروری ہیں بیان کیے گئے ہیں۔

فصل پنجم میں نورِ مبارک حضورؐ کا پیدائش کے ساتھ ہی نبی ہونا۔ تمام انبیاء کا نورِ مبارک پر ایمان لانا۔ روزِ میثاق اللہ تعالیٰ کے ہر بلیٰ کے جواب کے وقت تمام انبیاء کا نورِ محمدیؐ کے جواب کا منتظر رہنا۔

اور حضورؐ کی دیگر انبیاء پر فوقیت و برتری کا بیان ہے۔

فصل ششم میں نور مبارک سے تخلیق خلیفۃ اللہ،
ضرورت خلیفۃ اللہ اور اعطائے عشق و محبت کا ظاہر ہونا
بتلایا گیا ہے۔

فصل ہفتم میں نور محمدیؐ کے حضرت آدمؑ کو تفویض
کیے جانے کے بیان کا ذکر ہے۔

باب دوم میں ابلیس کے عام طور پر گمراہ کرنے کا
تفصیلی بیان ہے۔ اس باب کے کل دس فصل دیے گئے ہیں

فصل اول میں انسان کو شیطان سے دشمنی کرنے اور
اللہ تعالیٰ اور اس کے مقاصد یعنے حضورؐ سے دوستی کرنے کی ترغیب
دی گئی ہے۔

فصل دوم میں شیطان کے سرکشی و تکبر کا تقابل خاصانِ خدا
کے عجز سے کیا گیا ہے۔

فصل سوم میں اللہ تعالیٰ سے محبت میں ابلیس کی ناکامی۔
ابلیس کی ابتدائی خطاؤں پر خدائے تعالیٰ کا درگذر کرنا اور
ابلیس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونا بیان کیا گیا ہے۔

فصل چہارم میں اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی خطا اور ابلیس
کے گناہ پر سوال کیا ان دونوں کے جوابوں کا
تقابل اس فصل میں کیا گیا ہے۔

فصل پنجم میں آدمؑ کی توبہ قبول ہونے اور ابلیس کی توبہ

قبول نہ ہونے کی وجہ پر اس فصل میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

فصل ششم میں ابلیس کے معتوب ہونے کے باوجود اس کے قیامت تک زندہ رہنے کی دعا قبول ہونے کی وجوہات کی صراحت ہے۔

فصل ہفتم میں عالم، عامل، زاہد، عوام، خواص کو ابلیس کی طرف سے بہکانے کا بیان ہے۔

فصل ہشتم میں ابلیس سے اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو بیان کیا گیا ہے۔

فصل نہم میں شیطان جیسے سرکش کے پیدا کرنے کی غرض و غایت بیان کی گئی ہے۔

فصل دہم میں ابلیس کے فریبوں سے بچنے کے تدابیر کا بیان ہے۔

اس باب کے آخر میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب وصیت فرماتے ہیں: [1]

"بھائیو! دشمن کو دشمن سمجھو وہ بھی کوئی انسان نے جو دوست اور دشمن میں فرق نہ کرے۔ غرض کہ دشمن سے بچنے کے لئے ہم ہر دشمن کی دشمنی ظاہر کر گئی۔"

---

[1] : میلادنامہ، ص - ۵۲ -

باب سوم: اس باب میں حضرت آدمؑ کے ساتھ ابلیس کے دھوکا دہی کا تفصیلی بیان ہے۔ اس باب کے بھی کل سات فصل ہیں۔

فصل اول میں اللہ تعالیٰ کو ابلیس سے دشمنی کی وجہ کا بیان ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:[1]

"دوست کا دشمن بھی دشمن ہوتا ہے،
جو کہ شیطان آپ کا دشمن ہوگیا اور دشمنی
کا اظہار کرنے لگا اس لئے خدائے تعالیٰ بھی
اس کا دشمن ہوگیا۔"

فصل دوم میں آدمؑ کا اپنے کو حضورؐ سے سرشار خیال کرنے کا بیان اور پروردگار کی تنبیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

فصل سوم میں ابلیس کی حضرت آدمؑ کو فریب دہی کا بیان ہے۔

فصل چہارم میں حضرت آدمؑ کا ابلیس کے فریب میں آکر نافرمانی کرنے اور اس نافرمانی کے منحوس اثرات کا بیان ہے۔

فصل پنجم میں آدمؑ کا عرش پر بعض تحریرات دیکھکر بھی لغزش کے خوف سے پریشان ہونا اور لوح محفوظ پر ہر دو دست کی تحریر دیکھکر فرشتوں کے پریشان ہونے کا بیان ہے۔

فصل ششم میں حضرت آدمؑ کے زمین پر اتارے جانے کا بیان ہے۔

---

[1] میلاد نامہ ص - ۵۳ -

فصل ہفتم میں حضرت آدمؑ کے ایک گناہ کی وجہ جنت سے نکالے جانے کا ذکر ہے اور اولاد آدم کو بے شمار گناہوں کے باوجود جنت ملنے کے ذرائع کا بیان ہے۔

باب چہارم ۔ یہ باب ان واقعات کے بیان میں ہے جو نور مبارک حضرت آدمؑ میں آجانے کے بعد سے کر حضورؐ کی ولادت باسعادت کے بعد تک پیش آئے ہیں۔ اس باب میں کل نو فصل دیے گئے ہیں۔

فصل اول میں اللہ کی دوری کی وجہ سے آدمؑ کے روح کی بے قراری اور اللہ تعالیٰ کا اس کو تسکین دینے کا بیان ہے۔

فصل دوم میں نکاح آدم و مہر حوا کا بیان ہے۔

فصل سوم میں فرزند حضرت شیثؑ کی حضرت آدمؑ کی وصیت کا بیان ہے۔

فصل چہارم میں حضرت ہاشم و حضرت عبدالمطلب و حضرت عبداللہ میں نور محمدیؐ کے برکات کا بیان ہے۔ اس فصل میں قصہ ابرہا کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

فصل پنجم نور مبارک کے متعلقات میں بحر ظلمات میں ہونے کے بیان میں ہے۔

فصل ششم میں حضورؐ کے ولادت کی خوشی منانے اور عید میلاد کو ثابت کیا گیا ہے۔

فصل ہفتم میں ان حالات کا ذکر ہے جو حضورؐ
اپنے مادر محترمہ کے شکم مبارک میں تشریف آوری سے لے کر
ولادت باسعادت تک پیش آئے ہیں۔ حضورؐ اس عالم کو
رونق دینے کے لئے پیدا کیے گئے۔ چنانچہ اس ضمن میں حضرت
عبداللہ شاہ صاحب لکھتے ہیں: ع۱

"حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ جس
رات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پیدا ہوئے میں اس وقت کعبہ کے قریب
تھا جب آدھی رات ہوئی کیا دیکھتا ہوں کہ
کعبہ جھک گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا
وہ سجدہ کر رہا ہے اس وقت کعبہ سے یہ
آواز آئی:-
پہلے دو بار اللہ اکبر کی آواز کعبہ شریف سے
آئی پھر کعبہ نے کہا کہ اللہ محمد کا رب ہے اور
یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو گئے۔ ان کے پیدا
ہونے سے اب وقت آگیا ہے کہ میرا رب میرے
گوشتوں کی نجاست اور مشرکین کے نجس اعتقادات
سے پاک کر دے گا۔"

فصل ہشتم میں حضورؐ کا حلیہ شریف و سراپائے
مبارک بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضورؐ کے حلیہ مبارک
کے متعلق

ع۱ - میلاد نامہ ص - ۹۸ -

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ع۱

"گیہوا رنگ جس میں سرخی نمایاں
تھی ایک اور موقع پر فرمایا سرخ
رنگ تھا۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: ع۲

"روئے انور ایسا تھا جیسے آفتاب
طلوع ہو رہا ہو۔"

حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ فرماتے ہیں: ع۳

"آپ کا چہرہ مبارک ماہ بدر کی
طرح چمکتا تھا اور آپ کے چہرہ مبارک
کا نور آفتاب کی طرح تھا۔"

فصل نہم میں اسم مقدس محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فضائل اور برکات کا بیان ہے۔ بقول شاعر ؎

یہ نام کوئی کام بگڑنے نہیں دیتا
بگڑے بھی جو دنیا سے بنا نام محمدؐ۔

یہ نام اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔ آپؐ کی پیدائش کے ساتویں روز آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے آپؐ کا یہ اسم مبارک محمدؐ بن عبداللہ تجویز فرمایا اور

ع۱: طبری، جلد اوّل، ص ۵۰۸۔
ع۲: صحیح بخاری شریف تحریر بخاری، ص ۲۵۸۔
ع۳: میلاد نامہ حضرت عبداللہ شاہ، ص۔ ۹۹۔

اور اس کی کئی فضیلتیں و برکتیں بھی بتلائیں۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے نام کے جتنے حروف رکھے اتنے ہی حروف محمدؐ کے بھی ہیں۔ اس اسم مبارک کی مختلف برکتیں بتلاتے ہوئے حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہٗ اس ضمن میں فرماتے ہیں: [1]

"صاحبو سو جو نام کی یہ فضیلت
اور شان ہے تو نام والے کا کیا
مرتبہ اور کیا شان ہوگی۔"

باب پنجم — اس تصنیف کا آخری باب ہے جس میں حضورؐ کو عظمت و شان کے ساتھ بھیجنے کے مقصد کو بیان کیا گیا ہے۔ حضورؐ کے تشریف آوری کے غرض و غایت رسالت ہے۔ نفس رسالت کے دو اجزاء ہیں۔ ایک رسول، دوسرے منشا رسالت اس باب میں اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ کے منشا رسالت پر پورا ہونے کے تفصیلات بیان کیے گئے ہیں۔

۔ اس باب میں بھی مطلب و مقتضیٰ کو
بیان کرنے کے لیے فصلوں سے کام لیا گیا ہے تاکہ
بات واضح ہو سکے۔ اس میں کُل بارہ فصل دیے گئے ہیں

فصل اوّل میں مالداروں کو بیعمید نہ بنانے کے وجوہات
دیے گئے ہیں

فصل دوم میں دولتمند کو بیعمید نہ بنائے جانے کے
دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

فصل سوم حضورؐ سے منشاء رسالت کا مکمل طور سے پورے
ہونے کے ضمن میں ہے

فصل چہارم میں تولّد ہدایت کے خصوصیات اور تاثرات کا
بیان ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب اس ضمن میں فرماتے
ہیں = [1]

"الغرض جب تک مدینہ کا چاند نہیں نکلا تھا
عالم تیرہ و تار تھا کسی کو کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا
شیطان چور کی خوب بن آئی تھی عقائد ٹوٹ رہا
تھا اور اعمال بھی۔ ایسے وقت خدائے تعالیٰ کی
رحمت کو جوش ہوا مدینہ شریف میں ایسا چراغ
روشن ہوا جس سے سارا عالم چمک اٹھا۔"

---

[1] : میلاد نامہ حضرت عبداللہ شاہؒ ص۔ ۱۲۸ اور ۱۲۹۔

فصل پنجم میں پیروی و اتباع حضور نبی کریم ﷺ کے تفصیلات ہیں۔
پیروی کی ماہیت و اصلیت یہ ہے کہ اس سے جڑ جائے۔ اس
فصل میں اولاً عقلی طور پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کوئی چیز کسی
چیز سے جڑ جاتی ہے، پیوند ہو جاتی ہے تو اس جڑنے والی چیز
کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ سے جڑ کر پیروی
ہو کر آپ ﷺ سے محبت پیدا کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

فصل ششم میں حقیقی محبت اور اس کے ثمرات و فوائد
کا بیان ہے۔

فصل ہفتم میں حضور ﷺ کے انسان ہونے کی وجہ سے ہونے والے فوائد کا تفصیلی بیان ہے۔
فصل ہشتم میں حضور ﷺ کی شان و عظمت بیان کی گئی ہے
اور یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام اور حضور
کی شان و عظمت میں کیا فرق ہے تاکہ حضور ﷺ کی اطاعت کرنے
والے پر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت ظاہر ہو
اور اتباع کا شوق بڑھے۔

فصل نہم میں حضور ﷺ کو ہمارے ہم جنس ہونے کی وجہ پیغمبر
بنانے اور اس کے فوائد کی تفصیلی بحث اس فصل میں دی گئی ہے۔

فصل دہم میں حضور ﷺ کی امت کے واسطے جو جو تکالیف اٹھائیں
ہیں اس کا بیان ہے تاکہ حضرت کے اس احسان کی وجہ سے حضور ﷺ کی
تابعداری کا شوق بڑھے۔ قاعدہ بھی یہی ہے کہ کوئی شخص دوسروں
کے لیے تکلیف اٹھائے تو اسے محسن جانتا اور اسکا تابع ہو جانا چاہیے۔

فصل گیارہویں میں حضورؐ کے غلام بننے اور کامل طور پر حضرت کی پیروی کرنے کے لیے مشفق اعظم کے دنیا اور آخرت کی مشقتوں کا بیان ہے۔ اس فصل کو بیان کرنے کے لیے متعدد حکایتوں اور حدیثوں سے کام لیا گیا ہے۔

فصل آخر میں حضورؐ کے اس امت پر کیا کیا حقوق ہیں ان کا بیان ہے۔ اس فصل کی وضاحت میں بھی حدیثوں اور حکایتوں سے کام لیا گیا ہے۔

اس تصنیف کے آخری حصے میں "خاتمہ" کے عنوان سے ایک تحریر ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جب سے کہ پیدا ہوا ہر وقت اور ہر مقام پر اپنی رحمتوں سے فیضیاب کرتا رہا۔ خاتمہ میں اس نور مبارک کی رحمتوں کے قیامت تک مستفید ہوتے رہنے یعنے حیات النبیؐ کو ثابت کیا گیا ہے۔

اس خاتمہ کے اختتام پر آپؒ فرماتے ہیں:[1]

"آپؐ کے ہوتے ہوئے
عذاب کیسے آئے گا۔"

ع۱: میلاد نامہ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ، ص۔ ۲۲۷۔

آگے فرماتے ہیں : ع۱

"مسلمانو! مرنے سے گھبراؤ مت مدینہ کا چاند
ساری زمین روشن کر دیا ہے۔ قبر میں آرام
چین ہی ہے، مگر کچھ تعلق پیدا کر کے چلو
تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف قدم
بوسی کے وقت شرمندگی نہ ہو۔"

مختصر یہ ہے کہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ کی یہ تصنیف "میلاد نامہ" نہ صرف حضورؐ کی پیدائش مبارکہ کی تفصیل ہے بلکہ ہمارے لئے شمع ہدایت اور مشعل راہ کا بھی کام دیتی ہے۔

ع۱: میلاد نامہ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ، ص۔ ۲۲۷۔

"شہادت نامہ"

واقعہ کربلا کے ضمن میں بیشتر اظہار خیال کیا جاتا رہا ہے کیوں کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت تاریخ انسانی کا ایک منفرد واقعہ ہے یہ وہ اعزاز ہے جو کسی پیغمبر کو بھی اس کی حیات میں حاصل نہیں ہوا اور اسی لیے آپؓ حضورؐ کو بے حد پسند تھے۔

دیگر فدائیان اسلام کو بھی قرب الٰہی کی نعمت میسر ضرور تھی لیکن شہادت اعظمیٰ کسی کو اس طرح نصیب نہیں ہوئی جس طرح سید الشہدا حضرت امام حسینؓ کو نصیب ہوئی۔

"شہادت نامہ" چھ ابواب پر مشتمل ہے۔

ان ابواب سے "فصل" حمد و نعت" کے عنوان سے تضمین کی گئی ہیں۔ اس کے بعد "تمہید" کے طور پر دین کی قدر کرنے والے دین پر جان و مال قربان کرنے کے بارے میں حکایت اور احادیث بیان کی گئی ہیں۔

"حمد و نعت" کے تحت حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ قبلہ لکھتے ہیں:

"مسلمانو! اب عبرت لو دل کو نفس کی صحبت میں ہرگز نہ رکھو ورنہ تم میں بھی ایسے ہی برے اوصاف پیدا ہو جائیں گے اور اپنے دل کو روح کی صحبت میں رکھا کرو تو محب الٰہی ہو

ترقی کرکے جنتوں کے اوصاف پیدا کرکے
جنت کے مستحق ہو جاؤ گے۔"

باب اول میں خواہشات نفسانی یعنے ھوا پرستی کی
اور اس کی تشریح و توضیح بیان کی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے
کہ ابن ملجم مرید اور مریدوں نے خواہش نفسانی کی۔ اس
کے بعد حضرات آل بیت کے فضائل اور مصائب بیان
کیے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ ھوی پرستی کی مریدوں تو
دنیا میں کیا سزا ملی۔

آخر میں یہ لکھا گیا ہے کہ عام طور پر خواہش نفسانی سے
دنیوی و اخروی میں کیا سزا ملتی ہے۔ اس باب کے
کل تین فصل دیے گئے ہیں۔ جس کے ذریعہ رموز شہادت
کو اجاگر کیا گیا ہے۔

باب دوم ــ اس میں ابتداء دنیا کی حقیقت
اور اظہار خوشی و غمی آرام و آسائش کے بعد مریدوں کے
آرام و آسائش کا تقابل آل بیت کے مصائب سے
کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اسی طرح دنیا کی بے ثباتی اور بے
وفائی ظاہر کی جاکر مریدوں کے ساتھ دنیا کی بے وفائی
کو بیان کیا گیا ہے۔

۱؎ : شہادت نامہ، ص - ۵ -

آخر میں عام طور پر دنیا کی بے وفائی نظر نہ آنے کی وجوہ
و اسباب بیان کیے گئے ہیں۔
اس باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب سوم — اس میں حضرت علی رضؓ کے احوال
زندگی کا ذکر ہے۔ جس میں آپ کی از ابتدا تا انتہا حالات
کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس میں پانچ فصل ہیں۔

باب چہارم — اس باب میں فضائل حضرت
فاطمۃ الزہرا رضؓ بیان کیے گئے ہیں۔

باب پنجم — اس میں حضرت حسن رضؓ کے فضائل
بیان کیے گئے ہیں۔

باب ششم — اس باب میں واقعہ شہادت
حضرت حسین رضؓ سے پہلے تمہیداً دو مکتوں پر بحث کی گئی ہے۔
بسلسلہ کلیہ — اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت کرنے والوں کو مصائب میں
کس طرح مبتلا کیا جاتا ہے، بیان کیا گیا ہے اور دوسرا کلیہ
جو درجات اعمال سے حاصل نہیں ہوتے، مصائب وغیرہ درجات
دیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کے مصائب
کا تقابل حضورؐ و اہل بیت کے مصائب سے کیا گیا ہے۔
اس باب میں چار فصل دیے گئے ہیں۔
پہلی فصل عشق و محبت کو ظاہر کرتی ہے۔

دوسری فصل میں یہ بتایا گیا ہے کہ تو
مراتب اخروی اعمال سے حاصل نہیں ہوتے وہ مصائب
سے دیئے جاتے ہیں۔ پھر بندہ ان مصائبوں میں گھر کر
جب صبر کرتا ہے تو جو درجہ عمل سے نہیں مل سکتا تھا وہ ان
بلاؤں پر صبر کرنے سے مل جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ شاہ
ان مصیبتوں اور بلاؤں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ع۱

"دوستو! بڑے بڑے مراتب مصیبت زدوں
کے لئے ہیں۔ "دوسرے" جو غم میں رہنے والے
ان مرتبوں کو نہیں پہونچ سکتے۔"

مزید برآں فرماتے ہیں کہ: ع۲

"اس لئے عارف اور قرب الٰہی کے تلاش
میں رہنے والے جہاں ذلت و خواری دیکھتے
ہیں تو اس کی خریداری کے لئے کھڑے ہوجاتے
ہیں۔ بلاؤں کا طمانچہ دیکھتے ہیں تو رخسار پیش
کرتے ہیں، مصیبت کا خنجر دیکھتے ہیں تو خوشی
خوشی سر جھکا دیتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ اہل بیت پر مصیبتوں کا تذکرہ فرماتے
کہ: ع۳

"صاحبو! سچ تو یہ ہے کہ کسی پر وہ مظالم نہیں ہوئے جو
اہل بیت پر ہوئے، مگر اہل بیت کو ان مصیبتوں
میں بھی لطف و لذت ملتی رہی۔"

ع۱ اور ع۲ : شہادت نامہ، ص - ۹۵ -

ع۳ : شہادت نامہ، ص - ۹۹ -

خدائے تعالیٰ سے عشق و محبت رکھنے والوں کو مصائب و آلام پہنچتے رہے، چنانچہ ہر پیغمبر کو بیشمار مصیبتیں آتی رہیں اس فصل میں انبیاء علیہم والسلام کے مصائب کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم و اہل بیت کے مصائب سے تقابل کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کے غم ہابیل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غم حسن کا تقابل، قاتل ہابیل اور قاتل حسن کے عذاب کا تقابل، کشتی نوح اور کشتی اہل بیت کا تقابل پیش کیا گیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا فرق بتلایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مصیبت اور اہل بیت کی مصیبت کا تقابل، حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت کا بھی تقابل کیا گیا ہے۔ حضرت یعقوب کے رنج و غم کا تقابل حضرت امام زین العابدین کے رنج و غم سے، یوسف علیہ السلام کے قافلہ کے کوچ اور اہل بیت کے قافلہ کے کوچ کا تقابل اور حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت امام مظلوم کے زخموں کا تقابل کرکے حق و صداقت کی راہ متعین کی گئی ہے۔

تیسری فصل میں تفصیل واقعہ شہادت حضرت
امام حسین رضی اللہ عنہ بیان کیا گیا ہے۔
واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ حاکم مدینہ منورہ
کے نام یزید کا حکم آیا کہ جتنا جلد ہو سکے امام حسینؓ
سے بیعت لی جائے اگر وہ میری بیعت سے انکار کر دیں تو
ان کا سر کاٹ کر میرے پاس روانہ کر دو میں تم کو سرفراز
کروں گا۔ حاکم مدینہ منورہ آپ کو بلا کر عرض کیا آپ کے قتل
کے متعلق احکام آرہے ہیں۔ اس پر حضرت امام حسینؓ
نے فرمایا:[1]

"او یزید بدعتی شارب خمر ہے اس کے
ہاتھ پر کس طرح بیعت کروں عام
مسلمانوں سے رائے لی جائے جو سب
کی رائے ہو گی اس سے مجھ کو گریز نہیں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا کے میدان میں جہ
عزیز و اقارب کے تشریف لائے دریائے فرات پر
پہلے ہی سے قبضہ ہو چکا تھا تاکہ آپؓ کو پیاسا رکھا جائے
چنانچہ وہی ہوا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا گیا۔ اس کے
باوجود امام عالی مقام نے صبر آزما ہمت و استقلال کا ثبوت دیا۔

---

[1] بحوالہ شہادت نامہ ص - ۱۱۰ -

تن تنہا ایک امام حسین رضی اللہ عنہ سے چاروں
طرف سے تیر حملے اور تلوار برس رہے ہیں صرف چہرہ مبارک
پر (۷۲) بہتر زخم آئے - چنانچہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب رح
فرماتے ہیں: ع[1]

شمر لعین نے جلدی سے گلا کاٹنا چاہا
ایک بال بھی نہ کٹا آپ نے فرمایا تو
میرا گلا کیا کاٹ سکتا ہے جس
حلق کو میرے نانا نے بوسہ دیا ہے
وہ نہیں کٹ سکتا حضور میں نماز پڑھتا
ہوں اور امام عالی مقام نے نماز شروع فرمائی
حضرت امام رضی اللہ عنہ رب
سجدہ لئے شمر لعین نے گردن کاٹ
لی امام عالی مقام نے جنت کی راہ لی"

بقول جوش ملیح آبادی ع

اگ ذرا تو ہم کو بیدار تو ہو لینے دو ۔ ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین ؓ

محمد علی جوہر فرماتے ہیں: ع

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے ۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد -

---

ع: شہادت نامہ ص - ۱۲۴ -

"نوی المصابیح" (حصہ چہارم)

یہ کتاب بھی زجاجۃ المصابیح کا ترجمہ ہے۔
سب ٹائٹل پر کچھ بھی درج نہیں ہے۔ اس
حصے کو جملہ چودہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔
لیکن ابواب کا سلسلہ شمار نہیں دیا گیا ہے۔

اس حصے میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب (قدس
محدث دکن قدس سرہ نے حسب ذیل ابواب کو یکجا
کر کے علم دین کی وضاحت میں قرآن اور حدیث کی
دلیلیں پیش فرمائی ہیں۔ یہ ابواب اس طرح ہیں۔

۱۔ باب العشرہ : اس باب میں "فرح اور عشرہ مبشرہ
ہونے کا بیان اور اس پر حدیثیں دی گئی ہیں ۔

۲۔ باب صلاۃ الخسوف : اس میں سورج گہن کی نماز
جماعت کے ساتھ پڑھنے کا بیان، نماز کی ترکیب اس
پر احادیث کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ کسوف کے وقت
خیرات کرنے کا بیان ہے ۔

۳۔ باب فی سجود الشکر : اس باب میں سجدہ شکر
ادا کرنے کا طریقہ ہے کسی مصیبت سے محفوظ رہنے پر اور
کسی نعمت کے ملنے پر سجدہ شکر ادا کرنے کا بیان ہے ۔

۴۔ باب الاستسقاء : اس باب میں چار فصل دیئے گئے ہیں ۔
جس میں استسقاء کے لئے بغیر نماز کے صرف دعا کرنے کا بیان
اور اس پر حدیثیں، استسقاء میں بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا جائے
جمعہ اور دعاؤں کے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اس کے لئے منبر
سے تابر حاکر اور بغیر نماز کے دعا استسقاء کرنے کا بیان اس پر
حدیث دی گئی ہے ۔ آبادی میں دعا استسقاء کے وقت چادر الٹنے اور
قبلہ رو ہونا مسنون نہیں ہے بتایا گیا ہے ۔

نماز استسقاء کی کیفیت اور تحویل رواء کا طریقہ، استسقاء کے لیے نکلنے کی حالت اور واقعہ استسقاء کا ذکر، استسقاء میں بارش آنے کے بعد کی دعا اور بارش کے مانگنے کی فضیلت بیان کی گئی اس کے سرکات کے غلہ استسقاء کے وقت وسیلہ لینے کا بیان ہے۔

باب فی الریاح: اس باب میں ہواؤں کا بیان ہے۔ (بعض ہوائیں جو عذاب کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ اب بھی خوف ہے کہ کہیں یہ عذاب کا ذریعہ نہ بنے اور بعض ہوائیں رحمت کا ذریعہ ہوتی ہیں۔) - باد صبا سے حضور کی مدد کی گئی۔ ابر اور تیز ہوا کو دیکھکر حضور پر خوف طاری ہو جاتا تھا۔ اس طرح ہوا کو برا نہ کہے اور نہ کسی پر بلا سبب لعنت بھیجیں وہ لعنت بھیجنے والے پر لوٹتی ہے۔ آندھی سے تکلیف ہو تو دعا کرنی چاہئے۔ بادل دیکھکر بڑھنے والی دعا۔ گرج اور کڑک کے وقت کی دعا کا بیان دیا گیا ہے۔

باب الجنائز: اس باب میں مردوں کے حق حالت اور ان کے متعلق احکام دیے گئے ہیں۔ یعنی بیمار کی عیادت کا حکم اور اس پر ثواب کا، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر کتنے حق ہیں؟ سات باتوں کا حکم اور سات باتوں سے ممانعت ہے۔ غیر قسم سے نماز کا بیان۔ بیمار پرسی کے آداب، بیمار کی خواہش کی تکمیل اور اس کا ثواب ہے

بیمار پرسی کرنے، کھانا کھلانے اور پانی پلانے کا ثواب ہی یا وضو
عیادت کرنے کی فضیلت۔ بیمار پرسی کو جانے والا رحمت خداوندی
میں غرق ہو جاتا ہے، بیمار پرسی کو جانے والا کیا دعا کرے، معمولی
بیماریوں میں بھی عیادت کرنا چاہئے۔ بلا اور مصیبت میں
راضی برضا رہنے کا ثواب بڑا اور ان سے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں
اس طرح مصیبتیں درجات کو بلند کرنے کا سبب بنتی ہیں۔
بلا اور مصیبت کا ثواب قیامت میں ملے گا اور اس پر عافیت
میں رہنے والے حسرت کریں گے۔ ہر ایک کو مصائب اس
کے مرتبہ کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ بخار کو برا نہ کہو۔ ہر تکلیف
کا بدلہ آخرت میں دیا جاتا ہے اور بعض تکلیفوں کا بدلہ دنیا ہی
میں دیا جاتا ہے۔ مصائب سے کچھ گناہ مٹا دیے جاتے ہیں
اور بعض گناہوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرما دیتے ہیں
بیٹ کی بیماری سے مرنے والا عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔
شہید کی تفصیل، سفر کی حالت میں مرنے کی فضیلت اور صحیح
اعتقاد پر نقل مکان کرنا جائز ہے اور نابینا ہونے پر
راضی برضا رہنے کا ثواب کے بارے میں تفصیلات دی
گئی ہیں۔

باب تمنی الموت وذکرہ: اس باب میں موت کی آرزو کرنا
اس طرح کہ جو اللہ سے ملنے کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان
سے ملنے کو پسند کرتے ہیں۔ مومن موت سے راحت پاتا ہے۔

اور دنیا کو حاضر کی موت سے راحت ملتی ہے اس لئے کہا
جا رہا ہے کہ دنیا میں مسافر کی طرح رہو اور موت کو کثرت
سے یاد کرو۔ موت کو یاد کرتے رہنا اطاعت الٰہی کا سبب
بنتا ہے۔ موت مومن کے لئے تحفہ ہے۔ موت
کے وقت امید اور خوف کی حالت رکھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ
سے حسن ظن رکھے۔ مومن کا خاتمہ بالخیر ہونے کی علامت ہے
اگر [illegible] مومن کے لئے رحمت اور کافر کے لئے [illegible]

باب ما یقال عند من حضرۃ الموت: اس میں تلقین میت
کا بیان ہے کلمہ طیبہ پر خاتمہ کی فضیلت ہے سکرات کے وقت
سورہ یٰسین پڑھنے کا حکم ہے مرنے والے کے ذریعہ حضرت اقدس
کی خدمت میں سلام بھیجنے کا بیان ہے میت کو بوسہ دینے کا بیان،
اور مرنے والے کے پاس دعاء خیر کرنے کا بیان ہے مرنے کے بعد مرنے
والے کی آنکھیں بند کرنے کا حکم ہے میت کے وقت پڑھی جانے والی
دعا اور روح نکلنے کے بعد چادر اوڑھانے کا بیان ہے۔
تجہیز و تکفین میں عجلت کرنے مومن اور کافر کی روح کے قبض
کرنے کی کیفیت کا بیان شامل ہے

باب غسل المیت و تکفینہ: اس باب میں میت کو غسل
دینے اور کفنانے کا طریقہ ہے مرد اور عورت میت کے کفن کا ذکر ہے
ان کے کپڑوں کی تعداد، اور شہید کو بغیر غسل اسی کپڑوں میں دفنانے
کا بیان شامل ہے

باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا : اس باب میں جنازے کے ساتھ چلنے کا بیان ہے جنازے کی نماز پڑھنے کا بیان ہے نماز جنازہ کے فرائض، سنتیں، مستحبات اور مسنون طریقہ بتایا گیا ہے جنازہ کو آتا ہوا دیکھ کر کھڑا رہنا منسوخ ہے۔ مدت تک ساتھ نماز پڑھ کر دفن تک رہنے کا ثواب ہے نماز جنازہ غائبانہ درست نہیں ہے نماز جنازہ کی ادائیگی کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

باب دفن المیت : مردہ کو دفن کرنے کا فطری طریقہ کا ذکر ہے دفن قبر کی فضیلت اور قبر پر نشان نہ کرنے کا جواز کے علاوہ صندوقی قبر کھودنے کا بیان ہے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت بنانے اور قبر پر بیٹھنے کی حرمت کی وعید دی گئی قبر کے آداب اور طریقے وغیرہ بیان کیے گئے ہیں۔

باب البکاء علی المیت : غم کی حالت میں بغیر نوحہ اور آہ وزاری کے اگر آنسو جاری ہو جائیں تو جائز ہے۔ جاہلیت کے ممنوعہ خصلتیں جیسے نوحہ کرنے یا نوحہ کی حمایت کرنے کی وعید دی گئی نوحہ کی تفصیل اور اس کی وعید اور اظہار غم کرنے کے لئے اپنی ہیئت بدلنے کی وعید ہے بچوں کے مرنے پر صبر کا اجر ہے خواہ وہ بالغ ہوں یا نابالغ ہوں۔ حمل گرنے سے جو بچہ پیدا ہو اس کا وضع حمل کے لئے ماں باپ کو داخل

جنت کروائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا صدمہ
بھی امت کے لئے بخشش کا سبب ہے۔ موت پر صبر کرنے
کے احکام میں پرسہ دینے کا ثواب ہی اہل میت کے گھر کھانا
بھیجنے کا جواز بھی شامل ہے۔

باب زیارۃ القبور: یہ باب اس حصے کا آخری باب ہے
جس میں زیارت قبور کا جواز، فضیلت آداب اور ثواب
کا ذکر ہے۔ اہل قبور کو سلام مسنون طریقہ ہے اور والدین کی
قبر کی زیارت کرنے کی فضیلت دی گئی۔ زیارت قبور کے وقت مردوں
کے ساتھ زندگی میں جیسا برتاؤ کرنے کا حکم ہے ویسا ہی برتاؤ کرنا چاہئے۔
مرد اور عورت دونوں کے لیے زیارت قبور کی اجازت اور
اس کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر سال شہدائے
احد کے لئے زیارت کے لئے تشریف لے جانے سے اعراس میں شرکت
ہونے کی اجازت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی والدہ ماجدہ
کی قبر کی زیارت کرنے سے قبروں کی زیارت کا جواز ہے اس کے
علاوہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ مدت تک رکھنا
جائز کیا ہے زیارت قبور کی اجازت کا ذکر ہے۔

فضائل نماز

سرورق پر بعد تسمیہ ایک قرآنی آیت درج ہے [1]
اس کے بعد نماز کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے ایک فارسی
شعر تحریر ہے: روز محشر کہ جاں گداز بود ۔ اولیں پرسش نماز بود۔
پھر حمد و نعت میں کتاب کا نام "فضائل نماز" لکھا گیا ہے۔
اس کتاب کو حضرت عبداللہ شاہ نقشبندیؒ کے خلیفہ نے مرتب کیا تھا
ان کا نام بھی سرورق پر موجود ہے۔ سید رحمت اللہ شاہ نقشبندی
و مادری۔

کتاب میں فہرست ابواب نہیں ہے۔ ۱۳۵ صفحات
پر مشتمل یہ کتاب دلچسپ انداز میں تحریر کی گئی ہے۔ ص ۱۳۵
پر تاریخ اختتام کتاب "فضائل نماز" کی تفصیل درج ہے کہ یہ کتاب
روز جمعہ رمضان المبارک کی ۲۵ تاریخ ۱۳۸۳ ہجری کو مکمل کی۔
جس سے نماز کی فضیلت و اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ قرآنی
آیات و احادیث قدسی اور دلچسپ حکایتیں فارسی اشعار
وقتاً فوقتاً اردو اشعار سے اظہار خیال میں ندرت پیدا کی گئی ہے۔

---

[1]: آیت: اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن والفجر ان قرآن الفجر
کان مشھودا ۃ (پارہ ۱۵ - رکوع ۹ - سورہ بنی اسرائیل -)

بات کو سمجھانے کا الیسا انوکھا ڈھنگ اختیار کیا گیا ہے
کہ کوئی گوشہ تشنہ ملال نہیں رہ جاتا۔ طرز مخاطب
ناصحانہ ہے۔ انداز بیان فکر انگیز، بات کی لطافت
الفاظ کی گرفت محل وقوع کے اعتبار سے زبان شائستہ
دلگداز، شعر دل میں اتر جانے والی اثر پذیری کے
ساتھ ہر وہ اصلاح پر مبنی وعظ، ان کے تمام
گرانمایہ خصوصیات ہیں۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ نے ہمیشہ اس بات کو ملحوظ رکھا تھا کہ عامۃ المسلمین کو نیکیوں کی طرف راغب کیا جائے لیکن سب سے زیادہ انہوں نے ادائیگی نماز کو اہمیت دی کیونکہ نماز ہی وہ زینہ ہے جہاں سے تقرب الٰہی حاصل کیا جاسکتا ہے اور اسی لیئے انہوں نے یہ کتاب تحریر فرمائی

ابتداء میں بطور تمہید کچھ جملے تحریر کیے گئے ہیں اور نماز کے بارے میں احادیث سے استناد حاصل کیا گیا ہے۔

نماز اصل میں مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ، ہفتہ میں ایک بار اور سال میں دو مرتبہ۔ ایک دوسرے سے ملنے کا موقع عطا کرتی ہے۔ ایک دوسرے کے مسائل سمجھنے اور اسے حل کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے اور اس بات پر علوم بحرانیات کے ماہرین متفق ہیں۔

ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے آج کل ہر علمی معاملے کے استناد کے لیے مغربی مفکرین اور ماہرین کی رائے کو اہمیت دینا شروع کر دیا ہے جو دراصل ہماری مرعوبیت کی علامت ہے۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ اس طرح کی مرعوبیت

مناسب نہیں۔ لیکن اُن کا منصب اصلیت کرنا تھا۔ انھیں علم تھا کہ مسلمانوں کی ذہنی مرعوبیت کسی مسئلے پر اس وقت تک قائل نہیں ہوگی جب تک کہ کسی یورپین ماہر کی رائے نہ پیش کر دی جائے چنانچہ وہ احادیث تحریر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں۔ ع۱

"ان احادیث کے بعد اب کوئی شخص نماز کی فضیلت کے لیے کسی اور کی زبان سے سننے کا روادار نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کی یہ انفرادی فوقیت یورپ میں یورپ ہی کی تحقیق کے بغیر تسلیم نہیں ہوتی اس لئے نفسیات اور اجتماعیات کے ماہر امریکہ کا ایک ڈاکٹر لکھتا ہے اور عالم مورخین کہتے ہیں کہ اسلام کو حیرت انگیز کامیابی دنیا کے مسخر کر لینے میں جو ہوئی وہ اس بناء پر ہوئی کہ اس میں ایسے حلقے میں زبردست وحدت و تنظیم پیدا کر دی تھی۔"

حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندؒ آگے تحریر فرماتے ہیں کہ اس وحدت و تنظیم کا سب سے بڑا اور نہایت موثر ذریعہ نماز تھی۔ اسی طرح وضو کی اہمیت کے بارے میں وہ ایک جرمن ڈاکٹر کے حوالے

ع۱: فضائل نماز از حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندؒ ص ۲

سے لکھتے ہیں۔ ع۱

"ایک جرمن ڈاکٹر کہتا ہے کہ حفظانِ صحت کے لیے وضو بہترین چیز ہے۔ منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور سر پانی سے دھوتے رہنے سے مسامات کھلے رہتے ہیں۔ جو حفظانِ صحت کے لیے نہایت مفید ہے۔"

نماز ادا کرنے کے لیے ایک مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے ایسی جگہ منتخب کی جاتی ہے۔ جہاں آس پاس کے رہنے والے لوگ آکر فریضہ نماز بآسانی ادا کر سکیں۔ اور یہی مسجد ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کام کے لیے مکان بنایا جائے تو وہ مکان بھی تقدس حاصل کرے گا۔ چنانچہ فضائل نماز سے قبل مسجد اور اس کی اہمیت کے بارے میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔ ع۲

"غرض خدا کے ارادے ظاہر تین طرح ہوتے ہیں جیسا کہتے ہیں کہ خدا عرش پر ہے نور دل میں ہے اور مسجد اللہ کا گھر ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ

ع۱ : فضائل نماز از حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ رح ص ۳

ع۲ : " " " " " " " ص ۵ اور ص ۶

تین مساجد ہیں۔

(۱) عالم جبروت میں عرش۔
(۲) عالم ملکوت میں دل۔
(۳) عالم ناسوت میں مسجد۔"

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ ہر کسی کو مسجد آباد کرنے کا حق نہیں۔ مشرک کتنے ہی نزدیک ہوں۔ اس وقت تک مسجد آباد نہیں کر سکتے جب تک ان کے دلوں میں توحید کا نور نہ موجود ہو۔ حضرت عبداللہ شاہ نقشبندؒ لکھتے ہیں۔ [1]

"مسجد کی آبادی کا حق اُن کو ہے جو خدا کی توحید کے قائل ہیں۔ عظمت و ادب الٰہی اُن کے دل میں ہو تاکہ مسجد کا ادب کریں اور ایمان قیامت کے آنے پر وہ جس سے خوف الٰہی دامنگیر ہو تاکہ آبادی مسجد کا خیال رہے۔ نمازی ہو کہ انفس کو مسجد کی ضرورت ہے۔ وآتی الزکوٰۃ زکوٰۃ دیتا ہو مال صرف کرنے کی عادت ہو۔ ولم یخش الا اللہ ڈرے تو خدا ہی کا ہے کہ سارے عالم کو چھوڑ کر اسی کے در دولت پر جبہ سائی کرتا رہے، فعسیٰ اولئک ان یکونوا من المھتدین" یہی لوگ

---

[1] : فضائل نماز از حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندؒ ص ۷

راہ پانے والے منزل مقصود تک جانے والے ہیں۔"

آبادی مسجد کے لیے صرف نمازیوں کا اکٹھا ہو جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ مسجد کی دیکھ بھال، اس میں جاروب کشی، چراغ جلانا، جاء نماز بچھانا یہ بھی ضروری چیزیں ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسجدیں اللہ کے نزدیک دنیا کے تمام مکانوں سے زیادہ محبوب ہیں مسجد کی دیکھ بھال کے ضمن میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ ع۱

"مساجد کو خس و خاشاک، بلغم، زبد اور دیگر نجاسات سے پاک رکھے، عود، اگربتی سے معطر رکھے۔ فرش پاک اور بے تکلف بچھائے، نقش و نگار نہ ہو، للہ، اللہ کے نام کی روشنی ہو، اللہ والوں کے سوز دل کے غماز ان کے زرد چہرے عشق سے سنہرے گز اور سنہ خراشوں کے نقش و نگار لیے ہیں۔ نماز پنجگانہ ہو، اذاں وقت پر دی جائے، بعد دخول مسجد فرض و سنت پڑھے تو لبس ورنہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں جب نماز کی نیت سے نہ گیا ہو اور اگر وہ وقت مکروہ ہو تو قبلہ رو بیٹھ کر خفی ذکر و تسبیح کرے۔"

ع۱: فضائل نماز از حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ ص ۱۵

کہ جن انسانوں نے مسجد کو سجایا تو ضرور لیکن اس کی حرمت کا
خیال نہیں رکھا۔ اقبال فرماتے ہیں۔ ع

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں

مَن اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا۔

اور یہ بات حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ وہ تلقین کرتے ہیں کہ انسان کی بنائی ہوئی مسجد میں اگر ذکر الٰہی نہ ہو تو خداوند قدوس کے ناراض ہونے کا خدشہ رہتا ہے لیکن وہ مسجد جسے خود اللہ تعالیٰ نے بنایا ہو یعنے دل اس میں ذکر الٰہی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کو کسقدر ناگوار گذرے گا۔ اور اس طرح وہ متوجہ کرتے ہیں کہ ہر وقت دل میں ذکر الٰہی ہوتے رہنا چاہئیے۔ وہ لکھتے ہیں ع۱

"سچ پوچھو صاحبو! جس مسجد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہو خلقت بندی وہ کونسی مسجد وہ دل ہے کس کے واسطے فی ما اپنے واسطے ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (پ ۲۷۔ رکوع ۲۔ سورہ الذریٰت) اس میں اگر ذکر الٰہی نہ ہو تو کس قدر ناراض ہوگا اگر ذکر نہ ہوتا تو پھر بھی ایک بات تھی، ہائے ہم نے تو اس مسجد

ع۱: فضائل نماز از حضرت سید عبداللہ شاہ صاحبؒ ص ۱۶ اور ص ۱۷

کو مندر بنا رکھا ہے طرح طرح کے بت
شہوات، آرزو، علائق، کتا غضب
کا دبکا بٹھا رکھا ہے، کہیں حرص کا سور
بٹھا رکھا ہے۔ ہائے مسجد میں کتا اور سور
کیا غضب ہے۔
بخیلی خود پسندی ریا حسد حرص
طمع، حرص سخن دوستی مال دوستی جاہ
یہ طرح طرح کی نجاستیں اس دل کی مسجد
میں بڑھتے ہوئے ہیں کسی عورت نے
حرام کرنے کا ارادہ کیا تو اس عورت
کی موت بھی ایک طرف اس مسجد میں
سے اگر نشہ کی عادت ہے تو شراب
کے شیشے، سندھی کے گھڑے اس دل
کی مسجد میں رکھے ہوئے ہیں، سود لینے
کا رشوت لینے کا کسی پر ظلم کرنے
کا طرح طرح کا خیال بھی دو دو اے ہائے
ہم نے اس مسجد کو کیا ویران کیا ہے
سچ فرمائیے اس کے اجڑنے میں مجھ ملی باقی
ہے مسجد میں دنیا کی باتیں بہت کثرت سے ہیں
مگر دل کی مسجد میں جو شور ہو رہا ہے جو
کسان پٹری آواز نہیں آتی کہیں اس کی بھی
فکر کیجئے۔
ابھی آپ کے ہاتھ میں ہے اب تک
بت تراش تھے۔ اب بت شکن بنو،

پشیمانی گناہ کے تیر لے کر سب بتوں کو توڑتے جاؤ۔
آج اس کا علاقہ تو بالکل اس کا علاقہ سارے
لالچ چوڑے آرزوں کو خیال موت کے جھاڑوں
سے جھاڑو حلم کی چھری سے کلب غضب
اور قناعت کی چھری سے خنزیر حرص کو ذبح کرو
بر بہ گاری کی الماری سے شراب کے شیشے نکال کر
کے گھڑے توڑ دو۔
سود رشوت لیے کے خیال کے دھبوں
کو تقوے کے پانی سے دھو ڈالئے نہ سہی
کی جو سہولت پڑی ہے اس کو دھو ڈالو پھر دیکھو
وہی دل کی مسجد کیسی پیاری معلوم ہوتی ہے۔"

اس اقتباس کو پڑھتے ہوئے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت
عبداللہ شاہ صاحب "قلم" کے ارشادات میں کس قدر اثر پذیری ہے۔
انہوں نے طہارت قلب اور دل میں ذکر الٰہی کی اہمیت کو نہایت
سادہ سلیس اور دل میں اتر جانے والے الفاظ میں اس طرح
پیش کیا ہے کہ ہر ایک کی سمجھ میں آجائے۔ فارسی مواعظ
میں بھی یہ دستور رہا ہے کہ بات کو واضح کرنے اور اثر انگیزی
پیدا کرنے کے لیے حکایتیں شامل کی جاتی ہیں۔ حضرت عبداللہ شاہ
کی تحریروں میں یہ وصف موجود ہے۔ انہوں نے قرآنی آیات اور

احادیث کے ساتھ ساتھ ایسے ہی دلچسپ حکایات بیان کئے کہ
قاری کا دل بھی لگا رہے اور جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ
بھی پوری ہو جائے۔ فضائل نماز بیان کرتے ہوئے بھی حضرت
عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ نے یہی طریقہ کار اختیار کیا ہے اور
نماز کا اور متعلقات نماز کا ہر پہلو سے جائزہ لیتے ہوئے
اس کی اہمیت کو آئینہ کی طرح صاف کر دیا ہے۔ ظاہر ہے
کہ نماز کی پابندی کروانے اور اس کے فضائل بیان کرنے
راغب کرنے کا یہ بھی مقصد تھا کہ مسلمان غلط روش
اختیار کرنے کی بجائے راہِ راست پر چلیں اور فلاح حاصل
کریں۔ یہ وہ جذبہ ہے جو حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ کی
تحریر میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

"فضائل رمضان"

ٹائٹل یعنی سرورق پر جلی حروف میں کتاب کا نام "فضائل رمضان" مرقوم ہے۔ کتاب کے نام کے نیچے مؤلف کی صراحت ہے۔

کتاب میں مبدب ٹائٹل نہیں ہے اور نہ ہی کوئی فہرست کتاب ہے۔ صفحہ ۱ پر بعد تسمیہ تمہید مضمون ہے آخری صفحہ ۲۰۴ تک رمضان المبارک کے جملہ فضائل اس کی اہمیت، افادیت، بزرگی و عظمت، فرضیت و غیرہ بیان فرمائی گئی ہیں۔ یہ بھی حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ کے مختلف اوقات میں دیے گئے ارشادات ہیں جو یکجا دیے گئے ہیں۔

مصنف ہذا میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ نے رمضان سے متعلق جملہ فضائل بیان فرمائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی زندگی ایک آئینہ ہے۔ جس میں وہ اپنا عکس دیکھتا ہے۔ جملہ عبادات و اوقات میں جانب اللہ بندگان خدا کے لیے مختص کر دیے گئے ہیں تاکہ وہ اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھال کرنے کی پوری پوری کوشش کرے ورنہ اللہ سے اس کا تعلق و ربط ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اللہ کے حضور نادم و پشیمان ہوتا ہے کیونکہ اللہ کے اس پر جو تقاضے ہیں۔ اس کی عدم تکمیل اسے روز حشر میں شرمسار و شرمندہ بناتی ہے۔ پھر روز قیامت

میں سمجھاوے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں اس لیئے کہ اس دنیاوی زندگی ہی جو ہمارے لیئے ایک آزمائشی دورے کچھ کرتے چلیں تاکہ اللہ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی حاصل ہو سکے۔ یہی چند وضاحت آمدہ باتیں حضرت محدث دکن اس تصنیف کے ذریعہ سے پیش کرتے ہیں۔

رمضان ایک مہینے کا نام ہے۔ جس کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو۔ اس پر لوگوں نے سوال کیا کہ چاند کبھی کامل روشن کبھی باریک اور کبھی تاریک کبھی مشرق سے ظاہر کبھی مغرب سے طالع ۔۔۔

حضرت قبلہ قدس سرہ رمضان المبارک کی کئی خوبیاں اور فضیلتیں بیان کرتے ہیں اور اس بات کو مختلف مثالوں سے سمجھاتے ہیں تاکہ ہمارے ذہن میں یہ بات پوری طرح اتر جائے اور سلوک کے مسافر کو اپنی منزل کا صحیح پتہ چل جائے اور یکسوئی کے ساتھ وہ اپنی منزل کی جانب سفر طے کرتا جائے۔ قرآن کے الفاظ میں: ع۱

"انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔"

حضرت محدث دکن قدس سرہ اسی بات کو مختلف مثالوں سے سمجھاتے ہیں کہ: ع۲

ع۱: قرآن مجید و الفرقان الحمید، پارہ ۲۷، سورہ والنجم، رکوع ۳۔

ع۲: بحوالہ فضائل رمضان از حضرت عبداللہ شاہ نقشبندی، ص ۳۔

"اگر دو اشخاص کاشت کر رہے ہوں۔ ان میں سے ایک شخص کچھ کوشش کیا ہی نہیں صرف زمین میں بیج بو یا دوسرا شخص مل جل کر بیج ڈالا ہے۔ کیا دونوں کو برابر اناج ملے گا۔ ہرگز نہیں جتنی کوشش اتنا ہی مال پیدا ہوگا۔ اس کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص صرف مل جلا یا اور دوسرا شخص مل بھی جلا یا اور کھاد بھی ڈالا (کذا) اس کی کوشش بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اس لئے اس کا مال بھی زیادہ نکلے گا۔ یا یوں سمجھیے کہ ایک شخص مل جلا تا ہے کھاد بھی دیتا ہے اور دوسرا شخص مل بھی جلاتا ہے کھاد بھی دیتا ہے اور ضرورت کے وقت پانی بھی دیتا ہے تو چوں کہ اس کی کوشش بھی زائد ہے۔ اس کا دوسرے شخص کا مال بہت زیادہ نکلے گا۔ غرض جتنی کوشش اتنا ہی مال نکلے گا۔"

اس مثال کی روشنی میں دوسری مثال کو اصل موضوع پر منطبق کرتے کے لیے یوں فرماتے ہیں کہ: ع۱

"ایک سنا گیا خدا کا فرمان رمضان
کا جو رکھا اس کو آخرت میں وہی مراتب
ملیں گے جو خدا کے فرماں بردار کو رمضان

ع۱: حضرت عبداللہ شاہ، فضائل رمضان، ص ۳۔

"میں دن کا بھوکا پیاسا رہنے والے
رات کو نیند ضائع کرنے والے تو
ملتے ہیں۔ جب کھاد ڈالنے والا اور
کھاد نہ ڈالنے والا دونوں برابر نہیں
ہو سکتے تو آخرت میں بھی یہ دونوں کیسے
برابر ہو جائیں گے۔ مگر انسان کو نفس
شیطان کچھ ایسا سبق سکھاتے ہیں کہ
وہ دنیا کے لیے تو بڑا محنتی ہو جاتا ہے
لیکن آخرت کے لیے اندھا ہو جاتا ہے۔"

ہمیں حدیث کے واقعی حقدار و مستحق بننے کے لئے
حدیث شناسی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ خدا کا کلام اور
اس کے رسولؐ نے حکم فرمایا ہے۔ ان احکامات و ہدایات
خداوندی و رسول العربی پر سختی سے مائیلز و عمل پیرا ہونا ضروری ہے
تب ہی ہم حدیث کے حقدار و مستحق بن سکتے ہیں۔ بقول شاعر
مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ہمیں پچھلے دور کے لوگوں سے سبق حاصل کرنا
ضروری ہے۔ جن کے لئے انبیاء علیہ السلام صحابہ تابعین تبع
تابعین صالحین، کاملین، شہداء، اولیاء محدثین مشائخین
اکابرین کی زندگیوں کو بغور پڑھنا ہوگا۔ اور حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ[1]

"وہ جس کو رسول اللہ کی محبت نہیں اس کا
ایمان نہیں۔"

---

[1] : حضرت عبداللہ شاہ، فضائل رمضان، ص ۵۔

اور حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ :[1]

"تم لوگوں میں سے کوئی شخص پورا
مومن نہیں ہوتا۔ جب تک کہ میں اس
کے نزدیک اس کی جان سے اور بیٹے اور
باپ اور سارے جہان کے لوگوں
سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"

یہ مہینہ ہمیں اس بات کی تربیت دیتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے
و برگزیدہ بندے بنکر زندگی گذاریں۔ ہماری تمام زندگی اس کے حکم
کے تابع ہو جائے۔ اس لئے مومن کی ہر ادا عبادت ہو جاتی ہے۔
رمضان المبارک کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب
تذکرہ شعبان اور شب برات کی اہمیت بتلاتے ہیں۔ جہاں سرور عالم
اپنی خاص عنایات و اکرامات کا تذکرہ فرماتے۔ چنانچہ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعبان میرا مہینہ ہے۔ شعبان
میں پانچ حروف ہیں۔ ہر حروف کے بدلے ہمیں ایک ایک چیز
عطا ہوئی ہے۔ جیسے شین سے شرف و شفاعت، عین سے
عزت و کرامت، ب سے بدلہ نیکی، الف سے الفت محبت اور
ن سے نور الٰہی۔ شعبان میں ایک رات ہے جو پندرھویں شب
کو آتی ہے۔ اسکا نام شب برات ہے جس کی شان میں ارشاد
ربانی ہے کہ ہم نے اس کو (لوح محفوظ) سے ایک برکت والی رات میں

---

[1]: حضرت عبداللہ شاہ، فضائل رمضان، ص ۵۔

اُتارا ہے۔ شب برات کا نام اللہ تعالیٰ نے مبارک رات رکھا اور اسی رات قرآن اُتارا۔ ہم نے ایسا ہی شب قدر کے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن اُتارا ہے۔

ہر رات کا ہیبا ہے کہ شب برات میں [illegible] احمد اُتارنے کی تمیز ہوئی، اور شب قدر میں آسمان اول پر اُتارا پھر ۲۳ سال تک متواتر دنیا میں اُتارتے رہے۔ اسی لئے اس رات مرنے والے اور پیدا ہونے والوں کو درج رجسٹر کر لیا جاتا ہے۔ قسمتوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ گنہگاروں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ مگر شرک، بدعتی، ظالم، ماں باپ کا نافرمان، غیبت کی خبر نہ سننے والا، کینہ پرور، خونی، دائمی شرابی، سود خوار، چغل خور کی مغفرت نہیں ہوتی۔ تاآنکہ وہ صدقہ دل سے توبہ کر کے دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو جاتا۔ مغفرت و بخشش سے مستثنیٰ رہتا ہے۔

رمضان کے مہینے کے متعلق حضرت عبداللہ شاہ فرماتے ہیں کہ:[1]

"یہ وہ مہینہ ہے جو آپ کو فرشتہ جیسا بنانے والا ہے اس میں مسلمانوں کی روزی زیادہ ہو جاتی ہے جو کچھ کھائے اس کا حساب نہیں ہوتا، کھانا مناسب طاقت جھوٹی عبادت پر بڑا ثواب، فرشتے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔ شیاطین بند ہو گئے ہیں۔ رحمت کا دریا بہہ رہا ہے۔ جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند ہیں۔ ۳۰ روز کی روزہ کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خوش اور راضی ہے۔ صاحبو! اس مہینہ"

---

[1] : حضرت عبداللہ شاہ، فضائل رمضان، ص ۲۴ -

کی قدر کرو - ناراض ہو کر مصائب
بھیجا تھا - اب تمہارے تلملانے سے
مصائب دفع کیا ہے جلد توبہ کرکے
نماز، روزہ، تراویح سے خدائے تعالیٰ
کو خوش کرو - اس مدینہ کی عزت کرنے
سے خدائے تعالیٰ راضی اور عزت نہ کرنے
سے ناراض ہو گئے۔"

روزہ کے فضل میں حضرت محدث دکن عبداللہ شاہ نقشبندیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بعض بزرگوں کے ایک پیر و مرشد کا حال بیان کیا ہے کہ انہوں نے تین روز تک مسلسل تجربہ کرنے کے بعد ثابت کیا ہے کہ:[1]

"قیام شباب اور اعادہ شباب کے لئے
روزہ رکھنے سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں ہے"

یہ بزرگ مذکور سب سے پہلے پندرہ دن کا مسلسل فاقہ تجویز کیا کرتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ:[2]

"جب انسان کھانا شروع کرتا ہے تو معدہ
سے زیادہ لعاب پیدا ہوتا ہے اور تمام
اعضاء و عضلات زیادہ قوت سے کام
کرنے لگتے ہیں - انہوں نے خود یہ امر کا
تجربہ کیا ہے اور متعدد طویل فاقوں کے
بعد وہ خود کو بہت زیادہ قوی، چست
و چالاک اور جوانی سے زیادہ قریب
پاتے ہیں"

---

[1] : حضرت عبداللہ شاہؒ فضائل رمضان، ص ۳۴ -
[2] : " " " " " ص ۳۵ -

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: [1]

"مسلمانو! رمضان المبارک کا مہینہ آگیا۔
رحمت باری کے نزول کا وقت آپہنچا۔ انابت
الی اللہ خشوع وخضوع نرمی وگداری کا زمانہ سر
پر آکھڑا ہوا۔ لیکن تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟"

روزہ ایک سختی ہے جو کھرے کو کھوٹے سے جدا کر دیتی ہے
اور ہم جیسے لوگوں کے لیے یہ ادنیٰ سی آزمائش ہے۔ روزہ میں
غور و فکر بڑھ جاتا ہے طبیعت میں رسائی قلب میں نرمی پیدا
ہوتی ہے۔ امریکہ کے ڈاکٹروں کی تحقیق نے یہ ثابت کر
دکھایا ہے کہ روزہ جسم وجان میں مستعدی اور عقل میں جولانی
پیدا کرتا ہے جس کے ثبوت میں بیان کیا گیا ہے کہ: [2]

"شکاگو یونیورسٹی کے طلباء سالانہ امتحان
میں جانے سے پہلے ایک دن فاقہ کر لیا کرتے تھے
نتیجۃً امتحان کھلے سالوں سے بہتر رہا۔
ڈاکٹروں سائنس دانوں کی تحقیق کروڑوں
دلیل کی سرگردانی کے بعد وہاں آکر قائم ہوتی ہے
جہاں ایمان بالغیب رکھنے والے بدویوں کا قافلہ
پہلے ہی دن سے خیمہ لگائے بیٹھا ہے۔

---

[1]: فضائل رمضان، حضرت عبداللہ شاہ قدس سرہ، ص ۳۶۔
[2]: " " " " " ص ۳۶۔

کاش امریکہ کے ڈاکٹر وضو، نماز اور رمضان
کی طرف بھی توجہ فرماتے۔ شاید کہ ایمان بالغیب
کے منکر مسلمان اسی راہ سے مشرف بہ اسلام
ہو جائیں۔"

روزہ سے متعلق یہ فوائد بیان کیے جاتے ہیں کہ روزہ کا ادا
فائدہ یہ ہے کہ مابین دو رمضان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے اس کے قریب بندے بن جاتے ہیں۔

رمضان میں نماز تراویح میں ایک پورا مکمل قرآن ختم کرنے کا
حکم دیا گیا ہے۔ جبکہ کوئی عذر ظاہری یا شرعی نہ ہو۔ قرآن
نے ہمیں دو چیزوں سے بندگی ہے۔ ایک تو دنیا میں امن کی زندگی
گذر بسر کرنا دوسرے خدائے تعالیٰ کے قریب بندے بنے
اور اس کو ہر حال میں راضی و رضا رکھیں۔ قرآن نے قرب کے
پانچ طریقے بتلائے ہیں۔

۱۔ عقائد میں توحید و رسالت کی مرضی کو ملحوظ رکھنا۔
۲۔ روزہ کے متعلق یہ معلوم کرنا کہ کن کن لوگوں کے روزہ ادا
نماز ادا کیے اور حج کی تکمیلات ہوئی۔
۳۔ تیسرا جز معاملات بھی ہے۔ ان کی لوگوں نے بالکل ضد ارج ہی
سمجھ رکھا ہے۔ حرام و حلال کا کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔
۴۔ چوتھا جز معاشرت ہے۔ طرز معاشرت میں عورتوں کی مانتے
اور سنتے ہیں۔
۵۔ پانچواں جز اخلاق ہے۔ عوام تو عوام مولویوں تک میں اس قدر اخلاق
خراب ہیں کہ گویا شریعت کی ہوا لگی ہی نہیں ہے۔

روزہ دن کی اس لئے حقیر ہوا کہ نیند سے اٹھتے ہی بھوک و
پیاس کی خواہش تر و تازہ رہتی ہے۔ حواس تیز تر ہو جاتے ہیں
ہر چیز کو دیکھنا، سننا، سمجھنا اور تخیل تیز
ہو جاتا ہے۔ اچھی چیزوں کی آرزو کرنے لگتا ہے اپنے ہم جنسوں
کو دیکھ کر رک جاتے ہیں۔ عورتوں سے اجتناب کرتے ہیں
ان حالات میں اس وقت رک کر بھوکا رہنا مجاہدانہ نفس ہے
اس لیے روزہ دن کو حقیر ہوا۔

رمضان شریف مجاہدوں کا مہینہ ہے نفس اسلام
نفس کا دوسرا نام مجاہدہ ہے۔ دنیا میں خواہ کوئی چیز ہو۔
نفس مجاہدہ کے کسی کے قائل نہیں ہوتی۔ مجاہدہ میں دو قسم
کے کام ہوتے ہیں۔ ایک ترک یعنی بعض کام چھوڑ دینا یعنی
مناہی تمام ترک کے زمرے میں آتے ہیں اور طاعات میں وہ
اعمال ہیں۔ جن کو کرنا پڑتا ہے۔ غرض تصوف نام ہے
مجاہدہ بطریق اسلام کا جس کا ثمرہ رضائے قریب
الٰہی ہے جو لوگ مجاہدہ کرتے ہیں وہ اچھی راہ
راہ پاتے ہیں۔ اس طرح مجاہدہ کی حقیقت ارتکاب
طاعات اور اجتناب مناہی ہے۔

چنانچہ اس خصوص میں صوفی حضرات کے نزدیک مجاہدہ کے چار ارکان تسلیم کئے جاتے ہیں۔

(۱) تقلیل طعام (کم کھانا)۔ (۲) تقلیل منام (کم سونا)

(۳) تقلیل کلام (کم گفتگو کرنا)۔ (۴) تقلیل اختلاط مع الانام یعنی (جہاں تک ہو سکے ملنا)

غرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادات رمضان میں آپ کو ان چاروں مجاہدوں کی روح سے کامیاب فرمانا چاہا ہے۔ چنانچہ رمضان کی ایک عبادت روزہ ہے۔ جس کی حقیقت ترک غذا ہے۔

حضرت قدس سرہ کے الفاظ میں:[1]

"بادشاہوں کے یہاں کا قاعدہ ہے کہ ایک روز ایسا ہوتا ہے کہ جس میں عنایات خسروانہ زیادہ ہوتے ہیں۔ انعامات بٹتے ہیں۔ فرماں برداروں کے لئے ترقی درجات ہوتے ہیں۔ ایسا ہی بندہ کو اعتکاف، روزہ، تراویح کا بدلہ دینے کا وقت آگیا۔ اسی کا نام شب قدر ہے روزہ داروں کی تراویح پڑھنے والوں کی قدر کی رات ہے۔ وہ رات ہم حقیر نہیں کرتے اس لئے کہ محبوب ملتا ہے تو بول کر نہیں ملتا۔"

---

[1] : بحوالہ کتاب: فضائل رمضان از حضرت قدس سرہ ص ۱۰۷۔

قدر کے معنی اندازہ کے ہیں۔ اس رات سال بھر کے سب کاموں کا اندازہ ہوتا ہے یا قدر کے معنی تنگی کے ہیں۔ اس رات اس قدر فرشتے زمین پر اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ قدر کے معنی عالی قدر والی چیز کے بھی ہیں یعنی کتاب قدر والی نبی قدر والا، امت قدر والی، راتیں قدر والی، مذہب قدر والا، قوم قدر والی۔ تین حرفوں کے ملنے سے قدر بنا یعنی ق، د، ر اور سورۃ کے اعتبار سے بھی لفظ قدر تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اس لئے اس رات کو بڑی فضیلت بیان ہو گئی ہے۔ جس نے خواب غفلت میں کھو دیا۔ اسے حضوری نصیب نہیں۔

رمضان کی ایک اور فضیلت حضرت عبداللہ شاہ صاحب یہ بیان فرماتے ہیں کہ: ع۱

"اسی طرح رمضان میں توبہ کرنے کے نزدیک
اعمال کرنے والا جلد اور بہت
سے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے
اسی کے برخلاف دوسرے دنوں میں
توبہ اور نیک اعمال کیا تو ان دنوں
میں اتنا جلد اور بہت سے گناہوں
سے پاک نہیں ہوتا۔"

ع۱: ..... : فضائل رمضان، ص ۱۱۲ -

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ :[1]

"صاحبو! رمضان آیا اور اپنے ساتھ برکات و انوار کی بارش برسایا اور رخصت ہو گیا۔ ہائے نااہلوں کو کچھ خبر بھی نہ ہوئی۔ ان بوکھلوں کی مثال ایسے کوئی شخص دن کو کسی کھان میں کمرہ اندر سے بند کر کے بیٹھا ہو اور باہر یہ حالت ہے کہ ابر آیا ٹھنڈی ہوائیں چلیں بارش برسی لوگ خوش ہوئے ابر چھٹ گیا اور آسمان صاف ہو گیا۔ یہ حضرت گھمان کے اندر ہی رہے ان کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی کہ ابر کیا آیا کیا ہو گیا۔"

حضرت شبلیؒ رمضان کی فضیلت یوں بیان فرماتے ہیں کہ :[2]

"صاحبو! روزہ اللہ تعالیٰ کو اتنا پیارا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی اس قدر تعریف فرما رہے ہیں۔ پھر بھی اگر کوئی شخص روزہ نہ رکھے اس سے بڑھ کر کوئی بدنصیب نہیں۔"

---

[1] : بحوالہ کتاب : فضائل رمضان از حضرت شبلیؒ صـ ۱۱۲ -

[2] : " " " " " " " " صـ ۱۳۸ -

حدیث کے ذریعہ سے روزہ اور روزہ دار کی قدر و منزلت پر آپؐ بیان فرماتے ہیں:[1]

: ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اے الٰہی تو نے مجھے عزت بخشی کہ مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ کیا ایسی عزت تو نے کسی اور بندہ کو بھی عطا فرمائی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بہت سے ایسے بندے ہیں۔ جن کو میں آخر زمانہ میں پیدا کروں گا۔ اور ان کے دہان کا بو مجھ کو مشک سے زیادہ پسند ہوگا۔ میں ان کو ایسا بدلہ دوں گا۔ کیوں کہ تم سے جو باتیں کرتا ہوں تو موسیٰؑ تمہارے اور میرے درمیان ستر ہزار پردے پڑے ہوئے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی امتی جب روزہ رکھے گا اور روزہ کی وجہ سے ہونٹ سفید ہو گئے ہوں گے۔ رنگ زرد پڑ گیا ہے۔ افطار کا وقت قریب ہو رہا ہے تو اس وقت میرے اور روزہ دار کے بیچ میں جس قدر پردے ہیں — سب اٹھا دوں گا۔ اگر ان کا کثیف جسم حائل نہ ہوتا تو افطار کے وقت میں دیدار دکھا دیتا۔ آخرت میں دیدار کا لطف دکھاؤں گا۔

اس وقت روزہ کی قدر ہوگی۔"

---

[1] بحوالہ کتاب: فضائل رمضان از حضرت قبلہؒ ص ۱۲۹ اور ص ۱۳۰ —

فضائل رمضان کے آخر میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب کا ایک واعظ بھی شامل ہے جو انہوں نے ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ م ۱۴ فروری ۱۹۶۴ء کو ارشاد فرمایا تھا۔ کیونکہ یہ رمضان کا مبارک ہفتہ تھا۔ اس لیے اس واعظ میں بھی انہوں نے رمضان کے فضائل بیان فرمائے اور اسی وجہ سے یہ واعظ بھی اس کتاب میں شامل کر لیا گیا۔ ایک طرح سے یہ بات وداع رمضان کے مضمون میں ہے۔ چونکہ اس ماہ کا اختتام ہی یوں شروع ہوتا ہے۔ ع۱

"حضرات رمضان المبارک آئے
بھی اور چلے بھی گئے۔"

اس واعظ میں فضائل رمضان کے بجائے بعد میں آنے والے گیارہ مہینوں کے بارے میں ہے اور یہ بتائیں ہیں کہ یہ گیارہ مہینے کیسے گزارے جائیں اور ان گیارہ مہینوں سے کیسے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ ع۲

"دل ایک ربانی صندوقچہ ہے
جس میں رحمانی موتی رہتے ہیں۔"

دل اصل میں ایک طرف تمام برائیوں کی جڑ ہے تو دوسری طرف نیکیوں کا منبع ہے اور اسی لئے حضرت عبداللہ شاہ صاحب

ع۱: فضائل رمضان از حضرت عبداللہ شاہ صاحب۔ قبل ۱۱ صفحہ ۱۹۰

ع۲: فضائل رمضان از حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبل ۱۱ صفحہ ۱۹۱۔

نے اپنے اس واعظ میں دل کی کارفرمائیوں پر روشنی ڈالی ہے
انہوں نے نوحؑ، عادؑ، ثمودؑ، شعیبؑ کی قوموں پر نازل کئے گئے
عذاب کا ذکر کرکے یہ بتایا ہے کہ نافرمانی کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے
اسی طرح فرعون، ہارونؑ، بنی اسرائیل کے بارے میں بھی انہوں نے
نہایت اختصار سے بیان کیا ہے اور ان کی مثال کے ذریعہ
آج کے مسلمانوں کو سنت توفیق حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔

یہاں ایک بات بہت اہم معلوم ہوتی ہے کہ
حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کا وصال ماہ اگست ۱۹۶۴ء
میں ہوا اور یہ واعظ فروری ۱۹۶۴ء کا دیا ہوا ہے۔ اس کا
مطلب یہ ہے کہ یہ رمضان حضرت عبداللہ شاہؒ کی
زندگی کا آخری رمضان تھا۔ اور انھیں اس بات کا اندازہ
تھا کہ شاید آج کے بعد وہ ماہ رمضان کی کسی محفل میں
فضائل نہ کر پائیں گے۔ وہ کہتے ہیں: ع ۱

"صاحبو! میں آپ کو ایک اور واقعہ
سناتا ہوں۔ آپ کو تکلیف تو
ہو رہی ہے گی۔ مگر سن لیجئے اس لئے
سنا رہا ہوں کہ پھر ایک سال تک سنانے
کا موقعہ نہیں ملتا نہ طبیعت ہی صاف ہے
اس لیے جو کچھ بولنا ہے آج ہی بولنا چاہتا ہوں۔"

ع ۱ : فضائل رمضان از حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ ص ۲۰۰

اس اقتباس میں انہوں نے یہ تو نہیں کہا ہے کہ وہ اس دنیا سے کوچ کرنے والے ہیں۔ لیکن بین السطور اس بات کا اظہار موجود ہے کہ شاید اگلے آئندہ سال موقع نہ ملے۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ اس کے باوجود رمضان المبارک اس کے فضائل کے علاوہ مسلمانوں کو نصیحت کرنے اور تلقین کرنے کا یہ بہت اچھا موقع تھا۔ آپ حضرت عبداللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا بیان سنا چاہتے تھے۔

اس واعظ سے حضرت عبداللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے واعظ بیان فرمانے کا طریقہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ وہ ابتداء میں درود شریف تین مرتبہ حاضرین سے پڑھنے کے لیے کہتے اور پھر خود بھی یہ درود شریف پڑھتے۔ ع ۱

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحٰبِہٖ اَفْضَلَ صَلَوَاتِکَ وَعَدَدَ مَعْلُوْمَاتِکَ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ"

ترجمہ: "اے اللہ درود بھیج ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل و اصحاب پر سب سے افضل درود اور اتنی تعداد میں جتنی آپ کی معلومات کے موافق ہے برکت اور سلام نازل فرما"

ع ۱: فضائل رمضان از حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبل ص ۱۹۰

چنانچہ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کے ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ
فروری ۱۹۶۳ء کے واعظ میں بھی ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ
اور ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ کو ارشاد فرمائے گئے
واعظ میں یہی درود شریف اور طریقہ دعا جو اوپر
بیان کیا گیا۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب
تواتر کے ساتھ ہر سال ۲۸ رمضان المبارک کو جامعۃ
المسلمین میں خطاب فرماتے تھے اور رمضان المبارک
کے فضائل کے علاوہ دوسری بہت سی باتوں کی طرف متوجہ
کرتے ہوئے سنتی کی تلقین فرماتے اور واعظ کے آخر میں
رقت انگیز دعا فرماتے۔

"ذوی المصابیح" (حصہ سوم)

یہ کتاب بھی مرحاۃ المصابیح کا ترجمہ ہے
جس کا ترجمہ مولوی محمد منیر الدین صاحب شیخ الادب جامعہ نظامیہ نے کیا۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ کا "ضروری اقتباس" جو کہ اس کتاب میں بھی شامل ہے اور دیگر حصوں کی طرح اس حصے کے ترجمہ تشریحات اور فوائد کا سارا کام مولوی ڈاکٹر محمد عبدالستار خان صاحب نے انجام دیا۔

اس کتاب کا سب ٹائٹل بھی دوسری کتابوں کی طرح ہے۔

حضرت محدث دکن قدس سرہ نے اس حصے میں مندرجہ ذیل مضامین کو ضبط تحریر میں لیا ہے جس کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ "باب سجود القرآن": اس میں قرآن شریف میں کتنے سجدے ہیں اور کہاں ہیں، سجدہ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ اور اس کے شرائط و آداب کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے واجب ہونے کی دلیل اس کی فضیلت، آیت سجدہ سننے والے پر سجدہ

واجب ہونے کی حدیث کے ذریعہ ثبوت اور کعبہ تکبیر تحریمہ کہے کانوں تک ہاتھ اٹھائے بعد اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جائے کا ثبوت، الم تنزیل، سورہ والنجم، سورہ الانشقاق، سورہ علق، سورہ حج آخر میں سجدہ تلاوت، سجدہ تلاوت کی دعا کا بیان، سجدہ تلاوت میں ماثورہ دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ حدیثوں کے ذریعہ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

دوسرا باب۔ "باب اوقات النہی": اس میں ان اوقات کا بیان شامل ہے جن میں نماز اور سجدہ تلاوت دونوں حرام ہیں۔

تیسرا باب۔ "باب الجماعت وفضلہا": یہ باب نماز باجماعت ادا کرنے کے فضائل سے متعلق ہے۔ ہر مرد کے لئے نماز جماعت سے ادا کرنا واجب ہے۔ جس کا مقام اللہ کا گھر یعنی مسجد ہے۔ نماز باجماعت کے تارک پر وعیدیں، عورتوں کے جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے کی تفصیل نماز باجماعت کی فضیلت، موسموں کی سختی اور مشکلات کے باوجود باجماعت نماز ادا کرنے کا ثواب، اگر نماز سے پہلے کھانا لایا جائے تو کھانا کھا کر نماز میں شریک ہونا، پیشاب یا پاخانہ کے سخت تقاضہ کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، عورت کو خوشبو لگا کر باہر جانے پر وعید وغیرہ شامل ہے۔

چوتھا باب۔ باب تسویۃ الصف: اس میں صفوں کو سیدھا رہنے کی تاکید، صف میں کھڑے رہنے کا طریقہ اور خالی جگہوں کو پُر کرنے کی فضیلت کے بارے میں احادیث ہیں۔

باب الموقف : اس باب میں جماعت کی تعداد اور جماعت میں عورتوں کے پیچھے رہنے کی تاکید پر حدیثیں، اس کے علاوہ صف اول کی فضیلت اور صف میں بھی سیدھی طرف کھڑے ہونے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس باب میں امام اور جماعت کے رکوع میں ہونے کی صورت میں نماز میں شریک ہونے کا طریقہ، مقتدی اور امام کا ایک سطح پر ہونا یعنی امام کو مقتدیوں سے بلند مقام پر کھڑا نہ ہونا اور اگر حالت اعتکاف میں امامت کی جارہی ہو تو امام کے اعمال نماز مقتدیوں پر منتقل نہ ہوں۔

باب الامامۃ : اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ امامت کا مستحق کون ہے۔

باب ما علی الامام : اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ امام مقتدی کا ضامن ہے۔ اس سلسلے میں احادیث درج کی گئی ہیں۔

باب ما علی المامومن المتابعۃ وحکم المسبوق : اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مقتدی کو امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کرنا چاہئے اس کی وعید بھی دی گئی ہے۔ اور جماعت الثانیہ کے بارے میں بھی بیان ہے۔

باب من صلی صلاۃ مرتین : اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرض نمازوں کو دوبارہ نفل کی نیت سے ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

اس باب کے بعد جو باب ہے اس کا عنوان نہیں دیا گیا۔ صرف باب لکھ دیا گیا ہے۔ اس میں ظہر عصر مغرب اور عشاء میں نماز کی رکعتیں، فرض ہونے کے بارے میں احادیث ہیں۔ اس طرح نماز جمعہ اور نماز عیدین کی رکعتوں کا بیان ملتا ہے۔

باب السنن و فضائلها: اس میں ہر نماز کی مؤکدہ سنتوں اور ان کی فضیلتوں کا بیان ہے۔

باب صلاة الليل: اس باب میں تہجد کی نماز کا بیان اور اس کی کیفیت کا بیان شامل ہے۔

باب ما يقول اذا قام من الليل: اس میں تہجد کی مسنون دعاؤں کا بیان ملتا ہے۔

باب التحريض على قيام الليل: اس میں رات کے مختلف اوقات میں نماز پڑھنے کی فضیلت اور تہجد کے لیے بیدار نہ ہونے کی وعید ہے۔

باب القصد في العمل: اس میں نفل اعمال میں اعتدال اور بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے کا بیان ہے۔

باب الوتر: اس باب میں بتایا گیا ہے کہ اس میں ایک رکعت نہیں بلکہ تین رکعت پڑھنے چاہئے اور ایک سلام سے پڑھنا چاہئے۔ وتر کے پڑھنے کے وقت اور اس کے واجب ہونے کے ثبوت کا بھی بیان ہے۔

باب القنوت: اس میں وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کا بیان

اور نماز فجر میں دعائے قنوت کا پڑھنا منسوخ ہونے کے
بارے میں بلا حادثہ فجر میں دعائے قنوت پڑھنے کی
ممانعت کے بارے میں بیان ملتا ہے۔

باب قیام شہر رمضان: اس میں تراویح کی فضیلت
تراویح کا باجماعت ادا کرنا اور بیس رکعت کا سنت
مؤکدہ ہونے کا ذکر ہے۔

باب الصلوٰۃ والضحیٰ: نماز چاشت اور اشراق
کے وقت فضیلت اور تعداد رکعت کا بیان ہے۔

باب التطوع: اس میں تحیۃ الوضوء، نماز استخارہ
نماز توبہ رنج و مصیبت کے وقت نماز اور نماز حاجت
کا بیان شامل ہے۔

صلوٰۃ التسبیح: اس باب میں اس کی فضیلت اور نقص
فرائض دور کرنے کے لیے سنت و نفل پڑھنے کے بارے
میں ذکر ہے۔

باب صلاۃ السفر: اس باب میں مسافر کے لئے نماز
کے احکام میں اور حضر کے شرائط بیان کیے گئے ہیں۔ اس
کے علاوہ اس باب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بعذر خاص
موقعوں کے جمع بین الصلاتین جائز نہیں۔

باب الجمعہ: اس میں جمعہ کے فضائل، آداب، احکام اور
درود پڑھنے کی فضیلت کا بھی بیان ہے۔

اس کے ساتھ جمعہ کے دن یا رات میں انتقال ہونے کی بھی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

باب وجوبہا: اس میں نماز جمعہ ترک کرنے کی وعید اور کفارہ کا بیان ملتا ہے۔

باب التنظیف والتکبیر: اس میں نماز جمعہ کے آداب، خطبہ کے آداب، اس دن غسل کی فضیلت، گھر سے وضو کر کے جانے کی فضیلت، اچھا کپڑا پہننے کی فضیلت اور آداب مسجد کا بیان ہے۔

باب الخطبہ والصلوٰۃ: اس میں نماز جمعہ کے دونوں خطبوں کی کیفیت اور اختصار کے علاوہ خطبہ کے آداب کا ذکر ہے۔

باب صلوٰۃ الخوف: اس میں صلوٰۃ خوف پڑھنے کی کیفیت کا ذکر ہے۔

باب صلوٰۃ العیدین: اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ اس باب میں عید کی تیاری، عورتوں کو مردوں اور عیدگاہ میں آنے کی ممانعت، مزامیر کی ممانعت، زائد تکبیرات کا ذکر ملتا ہے۔

باب فی الاضحیۃ: اس میں قربانی کے جانور کا انتخاب، نصاب، ذبح کرنے کا طریقہ، دعا اور قربانی کا واجب ہونے

بارے میں ذکر ہے۔ اس کے علاوہ قربانی کی فضیلت
بتائی گئی ہے اور ذی الحجہ کے عشرہ اول میں روزہ رکھنے
کا حکم دیا گیا ہے۔ قربانی کے جانوروں میں نقائص
کے علاوہ وہ تمام امور ملتے ہیں جن کا تعلق قربانی
سے ہے۔ یہ اس حصے کا آخری باب ہے۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ محدث دکن

قدس سرہ کا انداز بیان ناصحانہ ہے۔ ہر بات کو واضح
اور تفصیلاً بیان فرماتے ہیں۔ اس لئے باب کی تفصیلات
سے خود یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ کون سی بات کونسے
باب کے ذریعہ سے ظاہر کی گئی ہے۔ اس کی عملی اہمیت
کس قدر ہے اور اس کا اظہار کیسا ہے۔

نور المصابیح (حصہ ہفتم)

اس کتاب کا سب ٹائٹل نہیں ہے لیکن جلد کے فوراً بعد فہرست مضامین کا آغاز ہوتا ہے جو (۱۶) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو (۱۶) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر باب کا سلسلہ شمار نہیں دیا گیا ہے پوری کتاب حج کے بیان پر مشتمل ہے۔

۱۔ کتاب المناسک: اس باب میں حج کے مناسک پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ حج کیونکر فرض قرار پاتا ہے۔ حج میں پائے جانے والے مسائل کو حج ایک حاجی کے لیے ضروری ہیں وضاحت کی گئی ہے۔ اور قدرت کے باوجود حج نہ کرنے پر وعید بھی دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ عمرہ ادا کرنے کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔ عمرہ اور حج دونوں کی فضیلت بیان کی گئی ہیں اس باب میں محرم کا بھی ذکر ہے بغیر محرم کے عورت کوئی سفر نہ کرے۔ اور عورت احرام کی حالت میں حائضہ ہو جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے اس کا بھی بیان ہے۔ حج کی ابتدا میں میقات کا بھی ذکر کیا گیا ہے یہ باب (۲۵) صفحات پر مشتمل ہے

۲۔ باب الاحرام و الفاظ التلبیۃ: اس باب میں احرام کا بیان ہے حج کی ادائیگی کے لیے احرام کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔

احرام کے جملہ آداب کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تلبیہ کہتے ہوئے اور اس میں کیا پڑھا جاتا ہے اور کہاں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد دعا کرنا اور درود پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔ اس پر مکمل فی حاشیہ اس کے بعد دیگر بیان ہوئے ہیں۔ یہ باب (۲۸) صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔ باب قصۃ حجۃ الوداع: اس باب میں حجۃ الوداع کی تفصیل اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ادا فرمایا تھا وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ (۱۶) صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۔ باب دخول مکۃ والطواف: اس باب میں کعبۃ اللہ میں داخلہ کے آداب اور طواف کرنے کا طریقہ اور اس کے آداب سکھلائے گئے ہیں۔ یہ باب (۱۸) صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۔ باب الوقوف بعرفات: اس باب میں وقوف عرفات کی فرضیت اور اسکی اہمیت بتلاتے ہوئے منیٰ اور مزدلفہ کے وقوف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس کے علاوہ جمرہ پر رمی جمار کرنے کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ باب (آٹھ) صفحات پر مشتمل ہے۔

۶۔ باب الدفع من عرفۃ المزدلفۃ: اس باب میں عرفات سے مزدلفہ کو اور مزدلفہ سے منیٰ کو واپسی کا بیان ہے۔

یعنی عرفات سے واپس ہوتے وقت اطمینان اور سکون سے
مزدلفہ کی طرف روانہ ہونے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور
اس رات مزدلفہ میں ٹھہرنا اور عشاء ایک ہی اذان اقامت
سے اور بلند آواز سے پڑھنا مسنون بتلایا گیا ہے اور نماز فجر اول
وقت پڑھنے کا حکم ہے۔ عرفات میں ظہر اور عصر کو
ملا کر پڑھنے کے شرائط اور اسکی تفصیل بیان کی گئی ہے۔
اس کے علاوہ عرفات سے مزدلفہ کو روانہ ہونے کے مسنون
اوقات کو ظاہر کرتے ہوئے یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ راستہ
میں کہیں قیام نہ کریں۔ یہ باب (۱۰) دفعات پر مشتمل ہے۔

۷۔ باب رمی الجمار: اس باب میں جمرات پر رمی کرنے
کی فضیلت اور اس کے اوقات کو بیان کیا گیا ہے اس
کے علاوہ کنکریوں کی تعداد اور اس کے آداب کو بھی
واضح کیا گیا ہے۔ رمی جمار کے وقت پڑھی
جانے والی دعاؤں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس کے مستحبات
کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ باب (چھ) صفحات پر مشتمل ہے۔

۸۔ باب الھدی: اس باب میں حج کی قربانی اور ان کے
جانوروں کا بیان ہے یعنی قربانی دینے کے طریقے اور
قربانی کے جانوروں کی تفصیل ہے۔ اس کے علاوہ قربانی کے
قواعد قرآن اور حدیث کی روشنی میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ یہ باب (۸)
صفحات پر مشتمل ہے۔

۹ - باب المحلق : اس باب میں حج یا عمرہ کے موقعے پر احرام سے باہر آنے کیلئے سر منڈوانے کا بیان ہے ۔ یعنی احرام سے باہر آنے کے لئے سر منڈھوانا افضل ہے ، عورتوں کو احرام سے باہر آنے کیلئے بالوں کو کتروانے کی نیابت ہے اور اس کی مقدار اور طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے ۔ یہ باب (۳) فقرات پر مشتمل ہے ۔

۱۰ - باب جواز التقدیم والتاخیر فی یوم النحر من ایام الحج :
اس باب میں واجبات حج میں تقدیم و تاخیر سے کفارہ کے ساتھ حج درست ہونے کا بیان ہے ۔ یعنی مناسک حج میں تقدیم و تاخیر سے قربانی واجب ہوتی ہے اور مناسک حج کو ترتیب سے ادا کرنا واجب بیان کیا گیا ہے ۔ یہ باب (چار) فقرات پر مشتمل ہے ۔

۱۱ - باب خطبۃ یوم النحر ووسط ورمی ایام التشریق والتودیع :
اس باب میں منیٰ میں گیارھویں ذی الحجہ کو خطبہ دینے ایام تشریق میں رمی کرنے اور طواف رخصت کرنے کا بیان ہے ۔ اور زمزم پینے اور پلانے کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ کچھ ضروری مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے ۔ یہ باب (۷) فقرات پر مشتمل ہے ۔

۱۲ - باب ما یجتنبہ المحرم : اس باب میں ان امور کا بیان ہے جن سے احرام باندھنے والے کو بچنا چاہئے ۔

اور حالت احرام کی پابندی حاجی کے لئے ضروری قرار دی گئی
حالت احرام میں کپڑوں کے پہننے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔
اور حالت احرام کے طریقے اور آداب بتلائے گئے ہیں۔
یہ باب (۷) صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۳۔ باب المحرم یجتنب الصید: اس باب میں محرم کو شکار کرنے کی ممانعت کا بیان ہے۔ یہ باب (۷) صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۴۔ باب الاحصار وفوت الحج: یہ باب محرم کے حج یا عمرہ سے روک دیئے جانے پر جو پابندیاں اس پر عائد ہوتی ہیں ان کا بیان ہے اور کسی وجہ سے حج کے فوت ہونے پر جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی بیان دیا گیا ہے۔ احصار کی تعریف اس کے احکام پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ باب (۷) صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۵۔ باب حرم مکۃ حرسہا اللہ تعالیٰ: اس باب میں حرم کی حرمت، آداب اور اس کی عظمت کا بیان ہے۔
حرم کے لفظ کے احکام اور حرم مکہ کے درختوں اور خودرو جھاڑیوں کے احکام بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ حرم میں قصاص کی مخالفت اور چور بازاری کی وعید بھی ہے۔
اور حرمین کی فضیلت کا بیان بھی دیا گیا ہے۔ یہ باب (۱۱) صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۶- باب فضائل المدینۃ زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً وتعظیماً -

اس باب میں مدینہ منورہ کی فضیلتوں کا بیان ہے - اللہ تعالیٰ
اس ارض پاک کی عظمت کو شرعی نے کا حکم فرمایا ہے
اس طرح اس ارض مقدس کے تقدس کو شرعی میں بیان کیا گیا ہے
کہ [illegible] مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے پہرہ دیتے ہیں
کہ دجال کے [illegible] مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے پہرہ دیتے ہیں
اہل مدینہ کی فضیلت کو بھی بیان کیا گیا ہے - اس کے علاوہ یہ بھی
بتایا گیا ہے کہ مدینہ منورہ میں کوئی ہر آدمی نہیں رہ سکتا اور نہ ہی کوئی وہاں آسکتا ہے
مدینہ میں وفات ہونے کی بھی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے اور آخر میں
وادی عقیق میں نماز پڑھنے کا ثواب بتایا گیا ہے - یہ باب
(۱۳) صفحات پر مشتمل ہے - اس کتاب میں کل ۲۴۲
احادیث جمع ہیں جو متذکرہ بالا موضوعات پر مشتمل ہے -

"نور المصابیح" (حصہ پنجم)

یہ کتاب بھی نور حاشیہ المصابیح کا ترجمہ ہے۔
جس کو مولوی محمد منذر الدین صاحب شیخ الادب جامعہ نظامیہ
نے ترجمہ کیا۔ اس میں کل (۱۶۸) صفحات ہیں۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر فرمودہ اقتباس
جو کہ باتوں اس کتاب میں بھی شامل ہے۔ دیگر حصوں کی طرح
اس حصے کے ترجمہ تشریحات اور فوائد کا کام مولوی ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں صاحب نے انجام دیا۔

سبب ٹائٹل پر کچھ بھی درج نہیں ہے۔

یہ حصہ حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد تیار ہوا۔ اس حصے میں مندرجہ ذیل ابواب کو شامل کیا گیا ہے جو دینی معاملات میں ہماری مکمل رہنمائی کرتا ہے۔

۱۔ کتاب الزکوٰۃ: اس باب میں زکوٰۃ سے متعلق تمام امور کو موضوع بحث لایا گیا ہے جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں۔ زکوٰۃ کی اہمیت، افادیت، فرضیت، فضیلت، اس کے اصول و ضابطے اور کل ہدایتوں کو شامل کیا گیا ہے۔ اس باب کو مزید ذیلی ابواب میں تقسیم کرکے زکوٰۃ پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲- صدقۃ الفطر: یہ باب صدقہ فطر کے جملہ احکام و مسائل پر مشتمل ہے، جس میں اس کا وجوب اور اس کی وجوب کی حکمت کو ظاہر کرتا ہے۔

۳- باب من لا تحل لہ الصدقہ: اس باب میں ان لوگوں کا بیان ہے۔ جن کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر لینا جائز نہیں ہے۔ اس کے مستحق دراصل مساکین، یتیمی، لاچار، محتاج، غربا، اور فقراء ہیں۔

۴- باب من لا تحل لہ المسئلۃ ومن تحل لہ: یہ باب ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کا سوال کرنا جائز ہے اور ناجائز سوال کی وعید سے مانگنے کی مذمت اور کسب حلال کی ترغیب سے متعلق ہے۔

۵- باب الانفاق وکراھیۃ الامساک: یہ باب سخاوت کی ترغیب میں ہے۔

۶- باب الفضل الصدقہ: یہ باب صدقہ اور خیرات کی فضیلت کے بیان میں ہے۔ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حقوق ہیں۔ خیرات کرنے، قصور معاف کرنے، انکساری کرنے کی فضیلت بیان کیئی جن اعمال پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اس کی تفصیل اور خیرات کرنے کا وجوب اور ان کاموں کی تفصیل جن سے خیرات کا ثواب ملتا ہے انسانی جسم و جان کا صدقہ کا ذکر کرتے ہے کوئی تکلیف زدہ جانور سانے کا ثواب پھل یا کھیتی کے نقصان پر صبر کرنے سے خیرات کا ثواب اور جانور کو پانی پلانے کا ثواب اس طرح

بھوکے اور پیاسے کی مدد کرنے کا جذبت میں بدلہ سے مسلمان کو
کپڑا پہنانے کی فضیلت ہے۔ یوم عاشورہ پر خرچ کرنے کی
فضیلت دی گئی ہے۔ بہترین صدقہ کا بیان ہے افضل ترین
خرچ جو اہل و عیال پر اور اولاد پر بھی خرچ کرنے کا ثواب ہے
صلہ رحمی کا ثواب خیرات سے بڑھ کر بتلایا گیا ہے۔ عورت
کا اپنے شوہر اور بچوں پر خرچ کرنے کا ثواب ہے پڑوسی
کی تعریف اور اس کے حقوق کا ذکر اور پڑوسیوں سے اچھا
سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سائل کو خالی ہاتھ نہ
لوٹایا جائے اور نہ جھڑکا جائے۔ بیوی اور شوہر کے
خیرات کا بیان ہے۔ خیرات دے کر واپس لینے کی ممانعت
ہے مگر بعض حالتوں میں خیرات واپس لی جا سکتی ہے
میت کی طرف سے قضا روزوں کا فدیہ دینے کا بیان ہے
اور میت کی طرف سے حج بدل کرنے کا بیان بھی شامل ذکر ہے۔

۷۔ کتاب الصوم: رمضان المبارک کی فضیلت روزہ دار
کو افطار کرانے کی فضیلت اور ملازمین سے کم کام
لینے کا ثواب کا ذکر ہے۔ روزہ دار کا باب الریان سے
داخلہ کی فضیلت روزہ کی فضیلت اور اس کے آداب کا ذکر ہے
رمضان میں ترک اعمال کرنے سے پچھلے گناہ معاف کر دیے
جاتے ہیں۔ روز حشر روزہ دار کی روزہ اور قرآن شفاعت کریں گے۔
رمضان کے آخری رات کی فضیلت کا بیان بھی کیا گیا ہے۔

۸- باب رویۃ الہلال: چاند دیکھ کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھ کر روزہ ختم کرنا، اگر ابر کی وجہ سے چاند دکھائی نہ دے تو کیا کیا جائے؟ شعبان کے آخری دنوں میں کون روزے رکھے اور کون نہ رکھے، رویت ہلال کا اہتمام کرنے کا حکم، یوم الشک میں روزہ رکھنے کی تحقیق اور شعبان میں نفل روزہ رکھنے کا جواز بیان کیا گیا۔

۹- باب: اس باب میں سحری کی فضیلت، افطاری کی اہمیت و عجلت اور تہنیت روزہ شامل ہے۔

۱۰- باب تنزیہ الصوم: یہ باب ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے روزہ کو بچانا ضروری ہے خواہ وہ مفسدات ہوں یا مکروہات۔

۱۱- باب صوم المسافر: یہ باب مسافروں کے روزوں کے بارے میں ہے۔

۱۲- باب القضاء: اس باب میں قضاء روزوں کے احکام کا بیان ہے۔

۱۳- باب صیام التطوع: یہ باب نفل روزوں کے بیان میں ہے

۱۴- باب: نفل روزوں کو توڑ دیا جائے تو اس کی قضاء واجب ہوتی ہے۔ نفل روزہ توڑنے کے شرائط کو ذکر کیا گیا ہے۔

۱۵- باب لیلۃ القدر: یہ باب شب قدر کی فضیلت کے بیان میں ہے

۱۶- باب الاعتکاف: اس باب میں اعتکاف کا بیان، مسائل، فضیلت، اہمیت، معتکف کے فضائل درج ہیں۔ جو اس حصے کا آخری باب ہے۔

نور المصابیح (حصہ ششم)

اس کتاب میں بھی نزھۃ المصابیح جلد دوم کے کچھ حصوں کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر محمد عبدالستار خان خلف محدث دکن نقشبندی و قادری سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے کیا تھا۔ چنانچہ کتاب کے آخر میں خاتمۃ الطبع کے عنوان سے جو تحریر شامل کی گئی ہے۔ اس کے نیچے ڈاکٹر عبدالستار خان کا نام درج ہے۔ مترجم نے اس بات کی بھی وضاحت کردی ہے کہ اس ترجمہ میں صاحب زادہ لطف علی خان مرحوم، علامہ محمد صاحب ریڈر عربی جامعہ عثمانیہ، مولوی سید احمد علی صاحب فاضل جامعہ عثمانیہ اور مولوی سید عبدالحفیظ منشی فاضل لاہور بھی شامل تھے۔

یہ ترجمہ عبدالستار خان صاحب کے بیان کے مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ یوم پنجشنبہ ۲۰ نومبر ۱۹۸۶ء کو مکمل ہوا تھا حضرت عبداللہ شاہ صاحب کے انتقال کے کئی دنوں بعد اس کتاب کی طباعت عمل میں آئی ہے۔ اس طرح یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ عبداللہ شاہ صاحب کی نظر سے یہ ترجمہ نہیں گذر پایا۔

لیکن ضروری "التمامی" کے عنوان سے کتاب کے دیباچہ کے طور پر حضرت عبداللہ شاہ صاحب نے جو کلمات تحریر فرمائے تھے ان کو بھی اس کتاب کے آغاز میں شامل کرلیا گیا ہے اور حاشیہ میں

یہ نوٹ دیا گیا ہے ۔[1]

"واضح ہو کہ ضروری التماس دراصل
نور المصابیح کے حصہ اول سے لے کر
چہارم سے متعلق ہے ۔ یہ چاروں حصے
حضرت پیر و مرشد قدس اللہ سرہ کی
زندگی میں تکمیل پا چکے تھے اور طباعت کے
پیش نظر اب اس "ضروری التماس"
کو نشیم نور المصابیح کی ابتداء میں
تبرکاً رکھا گیا ہے اور یہ حضرت
پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال
کے بعد شائع ہوا ہے ۔ مقصد یہ ہے کہ
قارئین کرام کتاب شروع کرنے سے پہلے
اس کو غور سے پڑھیں اور کتاب سے
پورا پورا فائدہ حاصل کریں ۔ (مترجم)

چونکہ حضرت عبداللہ شاہ کا دیباچہ جو کہ اس
کتاب میں شامل ہے ۔ اس لیے پڑھنے والے کو یہ گمان ہو سکتا
ہے کہ عبدالستار خان صاحب نے صرف تشدید حمات اور تحسین
کی عبارت اور ف کے عنوان کے تحت فائدوں کا اضافہ کیا ہے
جب کہ ایسا نہیں ہے ۔ حصہ اول تا پنجم کا ترجمہ مولوی محمد منیر الدین

ع ۱: "ضروری التماس" فٹ نوٹ "نور المصابیح ص (ج)
از حضرت محدث دکن عبداللہ شاہ صاحب قبلہ رح

شیخ الادب حاجی نظامیہ نے کیا تھا اور اس ترجمہ پر عبدالستار خاں صاحب نے نظر ثانی کی تھی اور اس پر "ف" کے تحت کچھ فائدوں کا اضافہ کیا تھا تاکہ کتاب کی تفہیم میں آسانی ہو اور عام لوگ بھی بحسن وخوبی اس کتاب سے مطالب سے مستفید ہو سکیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"اس ترجمہ کے طبع ہونے سے پہلے مولوی
محمد عبدالستار خاں صاحب ایم۔اے، بی۔ایچ۔ڈی
پروفیسر عربی جامعہ عثمانیہ نے تمام کوشش
اور محنت سے اپنا عزیز وقت دے کر تمام
میں قوسین کی عبارت بڑھا کر اور "ف" کے
تحت فائدوں کا اضافہ کر کے ترجمہ کے حسن
کو دوبالا کر دیا ہے۔ اس سے زجاجۃ المصابیح
کے سمجھنے میں جو دقتیں پیش آرہی تھیں،
اب وہ باقی نہ رہیں، اس کے لیے تمام
مسلمانوں کی طرف سے موصوف کا شکریہ ادا
کیا جاتا ہے۔"

مگر حقیقت یہ ہے کہ حصہ ششم سے ترجمہ تشریحات اور فوائد کا سارا کام ڈاکٹر عبدالستار خاں نے کیا اور اس کے لئے انہوں نے لطف علی خاں، غلام محمد، مولوی سید احمد علی، مولوی سید عبدالحفیظ کی مدد لی جسکا ذکر متذکرہ بالا سطور میں آچکا ہے۔

ع۱: "ضروری التماس" نور المصابیح حصہ ششم از حضرت عبداللہ شاہ صاحب محدث دہلی قدس سرہ، ص (ھ)

اس کتاب کا کوئی سب ٹائٹل نہیں ہے بلد/جلد
کے فوراً بعد فہرست مضامین کا آغاز ہو جاتا ہے جو (۲۹)
صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو (۱۲) ابواب میں
تقسیم کیا گیا ہے۔ لیکن ابواب کا سلسلہ شمار نہیں دیا گیا
یہ ابواب اس طرح ہیں۔

۱۔ کتاب فضائل القرآن: اس باب میں قرآن کے نزول
اس کے تدوین، قرآن پڑھنے اور پڑھانے کا ثواب اور قرآن
میں مہارت حاصل کرنے اور سیکھنے کے فضیلت کا بیان ہے۔
اس کے علاوہ اس باب میں حافظ قرآن کی فضیلت کا بھی
ذکر ہے اور اس کے اوامر و نواہی کی تفسیر سے متعلق علم
بھی ہے۔ اس کے بعد مختلف سورتوں کی فضیلتیں اور ان سے
متعلق حدیثیں ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس سورۃ کو کب
پڑھنا موجب فضیلت ہے۔ یہ باب (۳۹) صفحات پر
مشتمل ہے۔

۲۔ باب: تلاوت کے آداب اور اس کے احکام: اس باب
میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ قرآن کو کس طرح پڑھنا چاہیے۔ یہ
بھی بتایا گیا ہے کہ قرآن بھولا دینے کی وعید کیا ہے اور اسی لئے
قرآن کو پڑھتے رہنا چاہیے تاکہ وہ سینوں سے نکل نہ جائے
اس باب میں یہ بھی ہدایت ہے کہ قرآن کو راگ بنا بنا کر نہیں
پڑھنا چاہیے بلد/خوش الحانی سے پڑھنا مستحب ہے اور آخر میں

قرآن کے آداب اور حقوق کے بارے میں جامع احکام دیئے گئے ہیں۔ یہ باب (۱۳) صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔ باب ۲: قراءت کے اقسام اور قرآن جمع کرنے کا بیان:
اس باب میں قراءت کے ساتھ طریقوں کا ذکر ہے اور اس ضمن میں احادیث دی گئیں ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن کے جمع اول اور جمع دوم کی تفصیل بیان کرکے ان دونوں کے فرق کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں سورہ انفال سورہ براءت کے درمیان بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ کا بھی ذکر ہے۔
یہ باب (۱۴) صفحات پر مشتمل ہے۔

اس باب میں قرآن مجید کے سورتوں کی تفصیل کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نزول اس لئے ہوا کہ صرف دو سورتوں کے درمیان فصل کو قائم رکھا جائے۔ اُمید کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کسی صورت کا جز نہیں ہے۔

۴۔ کتاب الدعوات: اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ دعا کیسے کرنے چاہئے اور دعا کی قسمیں اور طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ اور ترک دعا کی وعید بھی ہے۔ اس بات کی خاص طور پر اظہار ہے کہ ہمیشہ جامع دعا مانگنی چاہئے۔ علاوہ ازیں اس باب میں صندوق ہونے والی دعاؤں کا بھی ذکر ہے۔ یہ باب (۲۲) صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۔ باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ : اس باب میں ذکر کی فضیلت اور اس کے اقسام کا بیان ہے اور ذاکرین کے مرتبہ کی وضاحت بھی ہے۔ یہ باب (۱۹) صفحات پر مشتمل ہے۔

۶۔ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ : اس میں اسمائے حسنیٰ کو یاد کرنے کی فضیلت بھی ہے اور اس ضمن میں اسم اعظم کے بارے میں بھی اشارے ہیں۔ یہ باب (۹) صفحات پر مشتمل ہے۔

۷۔ باب ثواب التسبیح والتحمید والتھلیل والتکبیر : اس باب میں تسبیح پڑھنے والے کی فضیلت اور اس کے ثواب کا ذکر ہے اور مختلف کلمات کے پڑھنے کی فضیلت بھی ملتی ہے۔ اس باب میں ایک جامع تسبیح کے بارے میں بھی بیان کیا گیا ہے اور تسبیحات سے غفلت کی وعید بھی ملتی ہے یہ باب (۱۲) صفحات پر مشتمل ہے۔

۸۔ باب الاستغفار والتوبۃ : اس باب میں استغفار کی تاکید اور اسکی فضیلت ہے اور یہ بھی بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب بندے ہونے کے باوجود کیوں استغفار فرمایا کرتے تھے۔ اس باب میں استغفار اور توبہ کرنے والوں کے بارے میں تفصیل سے احادیث کے ذریعہ وضاحتیں کی گئی ہیں۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ توبہ کی کثرت سنت نبوی ہے اور گناہوں پر ندامت بھی توبہ ہے۔

یہ باب (۱۷) صفحات پر مشتمل ہے۔

۹۔ باب رحمت خداوندی کی وسعت کا بیان : اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ چنانچہ خوف الٰہی اور گناہوں کا اقرار مغفرت کا سبب ہے۔ اس باب میں اللہ تعالیٰ ارحم الرحمین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت للعالمین ہونے کا بھی بیان ہے۔ یہ باب (۱۱) صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۰۔ باب ما یقول عند الصباح والمساء والمنام : اس باب میں ان دعاؤں کا ذکر ہے۔ جن کو صبح و شام پڑھنا موجب نجات ہے۔ ایسی دعائیں بھی درج ہیں جنکو پڑھنے سے امراض اور بلاؤں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں تسبیحات فاطمی کی فضیلت بھی ہیں۔ یہ باب (۱۹) صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۱۔ باب الدعوات المتفرقۃ فی الاوقات : اس باب میں مختلف دعائیں ملتی ہیں جو مختلف اوقات میں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ باب (۲۲) صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۲۔ باب الاستعاذہ : یہ باب پناہ کے ضمن میں ہے۔ یعنی ان ساری چیزوں کی تفصیل بتائی گئی ہے جن سے پناہ مانگنی چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس باب میں کچھ اور دعائیں بھی شامل ہیں۔ یہ باب (۲۷) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مجموعی ۳۹۳ احادیث جمع ہیں جو مذکورہ بالا ۱۲ عنوانات پر مشتمل ہے۔

نور المصابیح (حصہ ہشتم)

یہ کتاب بھی زجاجۃ المصابیح حصہ دوم جلد اول کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ بھی سابق کی وہی اصحاب نے انجام دیا ہے جو پچھلی جلدوں کو انجام دیا تھا۔ اس میں بھی حضرت محدث دکن کا ضروری التماس شامل ہے۔ اس حصے کی تشریحات اور فوائد کا سارا کام مولوی ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں نے ہی انجام دیا ہے۔

اس کتاب کے سب ٹائٹل پر بعد تسمیہ قرآن کی آیت ۱ درج ہے۔ اور اس کے نیچے دائیں جانب نماز ہی سعد اور بائیں جانب اردو شعد ۲ ہیں۔ درمیان میں کتاب کا نام ہے اور اس کے نیچے حصہ ہشتم (۸) اور اس کے بعد ترجمہ اردو، زجاجۃ المصابیح اور مولف کا نام ہے۔ یہ کتاب جلد (۴۳۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ سب ٹائٹل کے فوراً بعد فہرست مضامین کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کتاب کو (۳۹) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ کتاب البیوع: اس میں خرید و فروخت کے مسائل اور احکام بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ باب الکسب و طلب الحلال: اس باب میں پاک روزی اور حلال پیشہ کی فضیلت کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ اس باب میں

ع۱: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ اما بعد۔

ع۲: بہ دھلنے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست : اگر بہ آواز رسید کلام بولہبی است : تو جھوٹے اور بدعتوں سے ہوشیار:

مال حرام سے پرورش پانے کی وعید بھی دی گئی ہے اور قبولیت دعا کے لیے اکل حلال اور صدق مقال ضروری بتلایا گیا ہے۔ حرام مال کی صدقات قبول نہیں ہوتی اور اس میں برکت نہیں ہوتی بلکہ وہ دوزخ کا توشہ بنتا ہے۔ اس طرح حلال کمائی کی ترغیب اور حرام مال سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے حدیثیں درج کی ہیں حضرت محدث دکنیؒ حدیثوں کے ذریعہ سے بات پوری فرماتے ہیں۔ اس کے بعد آخر میں ان پیشوں سے بچنے کی بھی ہدایت ہے جس سے مال کمانا حرام ہوتا ہے جیسے شراب کے کاروبار، گانا سکھانا اور گانے والیوں کی خرید و فروخت وغیرہ ——— یہ باب (۱۸) صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۔ باب المسامحۃ فی المعاملۃ: اس باب میں معاملات میں نرمی اور رعایت کرنے کا بیان ہے کیونکہ معاملات میں نرمی کرنے والے پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور معاملات کی قسمیں کھانے کی ممانعت کا ذکر ہے اور سچائی کے ساتھ تجارت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ باب (چار) صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔ باب الخیار: اس باب میں خرید و فروخت میں خریدار کو اختیارات دینے کا بیان ہے اور بیع میں خیار کی صورتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ خرید و فروخت کا طریقہ اور خیار کی مدت کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ باب گیارہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۔ باب الربا: اس باب میں سود کی حرمت کا بیان ہے۔

یعنی سودی کاروبار کی ممانعت اور اس پر وعید بیان کی گئی ہے۔
معاملات میں سود سے بچنے کی صورتیں اور ان کی تفصیل کی گئی ہے
کیا گیا ہے۔ حنفی مذہب میں سود کے حرمت کی علت بیان کی گئی ہے
کہ سودی کاروبار میں لینے اور دینے والا دونوں گناہگار ٹھہرتے ہیں۔
اسی طرح جنسی کاروبار، سونے چاندی کی خرید و فروخت اور جانوروں
کے تبادلہ میں جائز اور ناجائز صورتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ یہ باب
سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۔ باب النھی عنھا من البیوع: اس باب میں خرید و
فروخت کی ان قسموں کا بیان ہے جو منع ہیں۔ یعنی وہ
تجارت جو قمار میں اور اندازہ پر کی جائے ناجائز ہے جیسے محاقلہ
اور مزابنہ ہیں اور یہ ہدایت بھی ہے کہ اگر کاروبار میں کسی کو
نقصان آجائے تو اس کی مدد کریں۔ تجارت کے چند ضروری
احکام اور اس کے اصول بتلائے گئے ہیں وہ یہ کہ خرید و فروخت
میں دلالی ممنوع ہے اندر کاروباری فریقین میں تیسرے شخص
کی مداخلت کو روکا گیا ہے اور اس تجارت سے بھی روکا گیا ہے
جو ناجائز ہے اور آخر میں عیب چھپا کر بیچنے کی وعید دی گئی ہے۔
یہ باب (۱۷) صفحات پر مشتمل ہے۔

۶۔ باب: اس باب میں بیع کی ان ممنوعہ اقسام کا تکملہ ہے جن کا
ذکر پچھلے باب میں گذر چکا ہے اور ان سے متعلق بعض امور کا بھی بیان ہے۔

یعنی درختوں کے پھل اور غلام کا مال عموماً بیچنے والے کے ہوں گے
بیع میں رعایت کا دیا جانا جائز ٹھہرایا گیا ہے اور خلاف شرع
شرط بیع کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ خریدار نفع اور نقصان
دونوں کا مالک ہوتا ہے۔ اگر فروخت شدہ جنس میں اختلاف ہو جائے
تو یکسوی کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور بیع کے مکمل ہو جانے کے بعد فسخ بیع
کا ثواب بتایا گیا ہے۔ مکان اور زمین میں فروخت کے بعد درخت
نکل آئے تو اس کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ یہ باب سات
صفحات پر مشتمل ہے۔

۷۔ باب السلم والرہن: اس باب میں بیع سلم اور رہن کے
احکام بیان کیے گئے ہیں۔ یعنی بیع سلم معین پیمانہ، معین وزن
اور معین مدت کے لیے ہو اگر تو ہے۔ بیع سلم کے جائز ہونے کی صورتیں
بھی بیان کی گئی ہیں۔ قبضے سے پہلے کوئی مال فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔
اور نہ جانوروں کی خرید و فروخت میں ادھار جائز ہے۔ خاص
بات یہ بتائی گئی ہے کہ مکہ معظمہ کا تول اور مدینہ منورہ کا ناپ
تجارتی اغراض کے لیے معتبر مانا گیا ہے اس طرح ناپ تول میں
کمی کرنے والے کو وعید دی گئی ہے۔ ادھار اور رہن کے بعض
مسائل بیان ہوئے ہیں۔ یہ باب سات صفحات پر مشتمل ہے۔

۸۔ باب احتکار: اس باب میں غلہ وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی
کا بیان ہے۔ گراں بیچنے کے خیال سے غلہ کو روکنے کی وعید
دی گئی ہے اور حاکم وقت جبراً اور قہراً کوئی نرخ مقرر نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے
یہ باب تین صفحات پر مشتمل ہے۔

۹۔ باب الافلاس والانظار: اس باب میں ایسے شخص کو مہلت دینے اور معاف کر دینے کا بیان ہے جو قرضدار ہو اور مفلس ہو گیا ہو۔ اس میں تجارت کے دیوالیہ ہو جانے کے احکام مقروض کی حالت کے اعتبار سے قرض وصول کرنے کے طریقے اور قرضدار کو مہلت دینے کا ثواب کے علاوہ تنگدستی سے وصولی قرض میں نرمی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ اس طرح قرضدار کے ساتھ بہتر حسن سلوک کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ باب (۱۷) صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۰۔ باب الشرکۃ والوکالۃ والمضاربۃ: اس باب میں شرکت یعنی کاروبار میں شرکت کا جواز، ایک کا ملک اور دوسرے کی محنت کا جواز بتلایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ امانت اور خیانت کا بیان بھی ہے اور کاروبار میں وکالت کو درست قرار دیا گیا ہے یہ باب پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۱۔ باب الغصب والعاریۃ: اس باب میں غصب اور عاریہ کا بیان ہے لغتی غصب کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے مال کو ناحق زبردستی چھین لیں اور عاریۃ کے معنی یہ ہیں کہ ایسی چیز جس کا طلب کرنا باعث تنگ و عار ہو۔ اس میں غصب کی سزا اور اس کے ضمن میں حدیث بیان کرنے کے علاوہ مال غیر کا استعمال بلا اجازت حرام بتایا گیا ہے اور غیر مملوکہ زمین پر کاشت کرنے

اور اسکو آباد کرنے کے احکام دیے گئے ہیں۔ کسی کا مال بغیر اجازت لینا یا غصب کرنے کی مخالفت کے علاوہ مال منقولہ کی ہیئت بدل جانے کے احکام بھی دیے گئے ہیں۔ لوٹ کے جواز کی صورتیں، بغصب کی تین ناجائز صورتیں یعنی جلب، جذب اور شعار کی تفصیل کے علاوہ مشتبہ مال کی خریداری کے احکام اور حاملوں سے نقصان پہونچنے پر تاوان کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ آخر میں مستعار یعنی کا جواز اور اس پر تاوان عائد ہونے کی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ باب چودہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۲۔ باب الشفعۃ: اس باب میں شفعہ کا بیان ہے یعنی شفعہ کی تعریف اور پڑوسی کے لیے اس کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اور حق شفعہ کی قسمیں بیان کی گئی ہیں، مشترکہ جائیداد میں شفعہ کے تعلق سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ پڑوسیوں سے حسن عمل کی تاکید بھی کی گئی ہے اور راستہ کے مسائل اور اس کے احکام کو بھی بیان کیا گیا ہے آخر میں بغیر اجازت غیر منقولہ جائیداد بیچنے کی وعید اور سایہ دار درخت کاٹنے کی بھی وعید آئی ہے۔ یہ باب آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۳۔ باب المساقاۃ والمزارعۃ: اس میں درختوں اور کھیتوں میں بٹائی کا بیان ہے۔ زمین کو کھیتی کے لیے بلا معاوضہ دینے کی فضیلت اور جہاد چھوڑ کر صرف کھیتی باڑی میں مشغول ہو جانے کی وعید بھی دی گئی ہے۔ یہ باب چھ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۴۔ باب الاجارۃ: اس باب میں اجارہ کا حکم، اُجرت دینے کا جواز بیان کیا گیا ہے اور مزدور کی مزدوری نہ دینے پر اللہ تعالیٰ کا عتاب بتایا گیا ہے مثلاً مزدور کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دینے کا حکم دیا گیا ہے اور اگر سائل سوار ہو کر آئے تو اس کو رد نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ باب چھ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۵۔ باب احیاء الموات والشرب: اس باب میں ویران زمین کو آباد کرنے اور کھیتوں اور مویشی کے لیے پانی کی باری مقرر کرنے کا بیان ہے۔ افتادہ زمین کو حاکم کی اجازت کے بغیر اپنے لیے مختص کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مستعار زمین پر تعمیر کرنے یا درخت اگانے کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ حاکم کو جاگیر دینے کے اختیارات، زمین کے اقسام اور اس کے مسائل پر توضیح کی گئی۔ یہ باب بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۶۔ باب العطایا: اس باب میں عطایا یعنی وقف، ہبہ اور امراء اور سلاطین کے مسائل کا بیان ہے۔ یعنی وقف یہ ہے کہ کسی جائیداد کو محفوظ کر دیا جائے اور واقف کے منشاء کے مطابق اس کی آمدنی یا پیداوار کو خرچ کیا جاتا رہے۔ عمری یعنی کسی کو بطور عطیہ گھر دینے کا بیان اور اس کی صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ رُقبی کی تعریف اور احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔ یہ باب پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۷۔ باب: اس باب میں باب الخطایا کے متعلقہ اُمور کا بیان ہے۔ یہ ایک طویل باب ہے۔ جس کے شروع کا پہلے باب میں گذر چکا ہے اس میں دیہ کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام اور وراثت دار اور غیر وراثت دار کو دیہ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور عطیات میں لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر ٹھہرایا گیا ہے۔ بدلہ کا بدلہ دینا درست ہے اور دکھاوے کی مذمت لکھی ہے۔ احسان پر جزاک اللہ کہنے کی فضیلت، شکریہ ادا کرنے کی اہمیت اور محسن کے لیے دعا کرنے اور اس کی تعریف کرنے سے جس پر احسان ہوا ہے اس کو بھی ثواب کا ملنا، تحفہ تحائف دینے سے کینہ دور ہونے وغیرہ کا بیان ہے۔ یہ باب دس صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۸۔ باب اللقطة: اس باب میں گری ہوئی چیز کے اٹھانے کے مسائل کا بیان ہے۔ اس میں گری ہوئی چیز کے مسائل اور احکام اور اس کی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ گم شدہ چیز کو غرب کرنے کی نیت سے رکھ لینے کی وعید آئی ہیں۔ یہ باب دس صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۹۔ باب الفرائض: اس باب میں وراثت کے احکام کا بیان ہے اور علم فرائض کے سیکھنے کی اہمیت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ وراثت کی تقسیم، وصیت کی تعمیل اور ترکہ کے متعلقات بتلائے گئے ہیں اور یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمان کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اور عورت کن صورتوں میں کتنوں

کی وارث ہو سکتی ہے بیان کیا گیا ہے۔ یہ باب چودہ صفحات پر مشتمل ہے

۲۰۔ باب الوصایا: یہ باب وصیتوں سے متعلق ہے۔ اس میں وصیت کی اہمیت اور اس کی تاکید کے علاوہ وراثت سے محروم کرنے پر وعید دی گئی ہے۔ وصیت اور اس کے متعلقہ مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے وارثوں کے حقوق کا بیان بھی دیا گیا ہے۔ اور کافر کی وصیت پر کوئی ثواب نہ ملنے کی بات بتائی گئی ہے۔ یہ باب پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۱۔ کتاب النکاح: اس باب میں نکاح کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں واضح روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں نکاح کی تکمیل کے باہمی محبت کا سبب بننا بتایا ہے نکاح سے گریز کرنے کی مخالفت آئی ہے، اعمال میں اعتدال کی تاکید اور نکاح کے فوائد بیان ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کونسی عورت سے نکاح کیا جائے اس کی فضیلت اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ باب (۱۳) صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۲۔ باب النظر الی المخطوبۃ وبیان العورات: اس باب میں منگنی شدہ عورت کو دیکھنے کا بیان اور ان چیزوں کا بیان ہے جنکا چھپانا واجب ہے۔ یعنی شادی سے پہلے عورت کو دیکھنے کا بیان، غیر محرم افعال سے اجتناب اور ستر کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ باندی کے ستر کا بیان اور عورت کے اجنبی مرد کو دیکھنے کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ اجنبی مرد، اجنبی عورت کے

پاس جانے کی ممانعت، عورت کے اجنبی مرد کو دیکھنے کے مسائل اور ستر وپردہ کو پوشیدہ رکھنے کا بیان اور اس کے متعلقہ مسائل کو واضح کیا گیا ہے اس کے علاوہ برہنہ ہونے کی ممانعت اور مخنث کا گھروں میں آجانا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ یہ باب پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۳۔ باب الولی فی النکاح واستئذان المرأۃ: یہ باب نکاح میں ولی کا ہونا اور عورت سے اجازت طلب کرنے کا بیان پیش کرتا ہے۔ لڑکی کی رضامندی کے بغیر نکاح درست نہیں ہے۔ نکاح میں گواہوں کی اہمیت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اور اولاد کی تعلیم اور نکاح کی ذمہ داری ماں باپ پر عائد ہوتی ہے۔ یہ باب چھ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۴۔ باب المحرمات: اس باب میں ان عورتوں کا بیان ہے جن سے نکاح مردوں پر حرام ہے جیسے ساس، بیوی کی موجودگی میں اس کی بھتیجی یا خالہ اور ایسی رشتے جو نسب سے حرام ہیں وہی رشتے رضاعت سے بھی حرام قرار پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آقا کا لونڈی سے صحبت کرنے کا بیان بھی شامل ہے۔ میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام لائے ان میں تفریق کی صورتیں وغیرہ بیان کی گئی ہیں۔ یہ باب بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۵۔ باب المباشرۃ: اس باب میں بیوی سے صحبت کرنے کا بیان، صحبت کرنے کا طریقہ اور دبر میں جماع کی ممانعت، ایام حیض میں صحبت کی ممانعت اور عزل کا بیان دیا گیا ہے اس طرح لواطت کی ممانعت کا ذکر ہے۔ یہ باب سات صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۶- باب : اس باب میں غلام اور باندی کے مسائل کا بیان ہے۔ یعنی باندی کو آزاد ہونے پر اپنے شوہر کے ساتھ نکاح قائم رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار حاصل ہے اور غلام یا باندی کے نکاح کے باقی رکھنے کا حق شوہر سے صحبت کرنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ یہ باب تین صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۷- باب الصداق : اس باب میں مہر کا بیان دیا گیا ہے۔ اس میں مہر کی مقدار کو اپنی استطاعت کے مطابق باندھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ باب چار صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۸- باب الولیمہ : اس باب میں ولیمہ کے متعلق بات بیان کی گئی ہے۔ ولیمہ کی دعوت میں فقراء کو نہ بلانے پر وعید اور بغیر بلائے دعوت کھانے پر وعید بھی دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آرائش جو تکبر کو ظاہر کرے ممنوع قرار دیا گیا ہے اور ایسی دعوت جس میں لہو ولعب ہو نہیں جانا چاہئے۔ اور پڑوسیوں کی دعوت قبول کرنے کا بیان بھی ہے۔ واضح رہے کہ ولیمہ واجب اور سنت ہے اور ریا بھی ہے ہر ایسی دعوت میں جس کا مقصد دکھاوا ہے مکروہ ہے۔ فاسق کی دعوت کو قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ایسی مقابلہ کرنے والوں کی دعوت کو بھی قبول کرنا منع قرار دیا گیا ہے۔ اور مسلمان بھائیوں کے ہاں کھانے پینے میں بدگمانی کرنے سے روکا گیا ہے۔ یہ باب گیارہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۹- باب اعلان النکاح والخطبۃ والشرط : اس باب میں نکاح کا اعلان اور اس کے شرائط اور خطبہ نکاح کا بیان ہے۔ یہ باب آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۰ - باب القسم : اس باب میں بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنے کا بیان ہے - باری کے مقرر کرنے میں نئی شادیوں اور پرانی شادیوں میں کوئی فرق نہیں ہے - بیویوں میں انصاف نہ کرنے کے برا انجام کی ---- تفصیل بیان کی گئی ہے - یہ باب آٹھ صفحات پر مشتمل ہے -

۳۱ - باب عشرة النساء وما لكل واحد من الحقوق : اس باب میں عورتوں سے محبت کے ساتھ زندگی بسر کرنا اور ان میں سے ہر ایک کا حق ادا کرنے کا بیان شامل ہے - اور شوہر کے خلاف بیوی کی اور آقا کے خلاف غلام کو بھگانے پر وعید دی گئی ہے - اس کے علاوہ بیوی پر فرشتوں کی لعنت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب بھی بتلائے گئے ہیں، بیویوں کو شوہروں کی حاجت فوراً پوری کرنے کا حکم دیا گیا، کسی کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی مذمت بھی کی گئی ہے اور وہ اعمال بھی بتلائے گئے ہیں جن سے عورت جنت میں داخل ہونے کی مستحق ہو سکتی ہے اور خاص بات یہ بتلائی گئی ہے کہ شوہر کی رضامندی ہی بیوی کو جنت میں داخلہ کا سبب بنتی ہے - اس طرح بیوی کے لیے اللہ کے بعد اطاعت میں شوہر کا درجہ بتلایا گیا ہے اور بہترین عورتوں کے صفات کو بھی گنوایا گیا ہے - یہ باب پچیس صفحات پر مشتمل ہے -

۳۲ - باب الخلع والطلاق : اس باب میں خلع اور طلاق کا بیان ہے - جس کی تفصیل احادیث و تشریح کی روشنی میں واضح ہو جاتی ہے - یہ باب (۱۹) صفحات پر مشتمل ہے -

۳۳- باب المطلقۃ ثلاثا والایلاء والظہار:
اس باب میں تین طلاق ایلاء اور ظہار کا بیان دیا گیا ہے۔
اس میں حلالہ ایلاء اور کفارہ ظہار کی ادائی کا بیان ہے۔
یہ باب بیس صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۴- باب: یہ باب پہلے باب کا ضمیمہ ہے اس لئے کہ اسمیں ظہار کے کفارہ میں صرف غلام کے آزاد کرنے کا بیان ہے۔
یہ باب تین صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۵- باب اللعان:
لعان کے لغوی دوری کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں میاں بیوی کے اختلافات کے باعث دونوں میں ہمیشہ کے لیے تفریق کرادی جائے پھر ان میں ملاپ نہیں ہو سکتا اور نہ وہ دوبارہ نکاح ہی کر سکتی ہے۔
اس میں لعان کے احکام کی تفصیل کو واضح کیا گیا ہے اس کے علاوہ بیٹے کے اپنے باپ سے انکار کرنے کی وعید اور ماں کا اپنے بیٹے کو کسی اور میں شامل کرنے اور باپ کے اپنے بیٹے سے انکار کرنے پر وعید دی گئیں ہیں۔ اور بدکاری سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔
یہ باب سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۶- باب العدۃ: اس میں عدت کا بیان شامل ہے یعنی عدت کے لغوی شمار اور گنتی کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں مطلقہ عورت یا وہ عورت جس کا خاوند مر جائے تو خاوند کے دونوں سے دوسرے نکاح سے رکے رہنے کو کہتے ہیں۔ مطلقہ کے لیئے عدت کے دوران شوہر پر نفقہ واجب

اور عدت کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔ یہ باب چودہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۷۔ باب الاستبراء: اس میں باندیوں کے حمل سے ہونے یا نہ ہونے کو معلوم کرنے کا بیان ہے۔ لونڈی سے استبراء کے مسائل اور حاملہ غیر سے صحبت جائز ہونے کا بیان ملتا ہے۔ یہ باب تین صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۸۔ باب النفقات وحق المملوک: اس میں زوجیت قرابت اور ملکیت کے اعتبار سے خرچ کرنے اور غلام باندیوں کے حقوق کا بیان ہے۔ اس طرح واجب اور غیر واجب نفقوں کی قسم کے نفقہ کا ذکر ہے جیسے بیویوں، اولاد، والدین، تو اتداروں پر خرچ کرنا اور اسی طرح غلام باندیوں کو کھانا اور کپڑا دینے کا بھی ذکر ہے اور اس بات کا بھی بیان ہے کہ غلام باندی کو ان کی طاقت سے زیادہ کام کا بوجھ نہ ڈالیں لونڈی خادموں کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک نیکی کرنے اور صدقہ دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور غلاموں کے ساتھ برا سلوک کرنے والے پر وعید آئی ہیں۔ اور حاجتمندوں پر رحم کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ دار الحرب کو بھاگے ہوئے غلام پر وعید آئی ہے۔ یہ باب سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۹۔ باب بلوغ الصغیر وحضانتہ فی الصغر: اس میں چھوٹے بچوں کے بالغ ہونے اور ان کی تربیت اور پرورش کا مکمل بیان ہے۔

جس میں بلوغ کی علامتیں، جہاد میں شرکت کی عمر اور مطلقہ بیوی کی
نابالغ اولاد کی نگہداشت وغیرہ بیان کیے گئے ہیں۔ یہ باب
چھ صفحات پر مشتمل ہے جو اس کتاب کا آخری باب ہے۔
اس کتاب میں جملہ ۵۳۸ احادیث جمع ہیں۔ جو متذکرہ بالا
موضوعات پر مشتمل ہیں۔

۱۔ عظمت اللہ خان، ریسرچ اسکالر (پی۔ ایچ۔ ڈی)
مرکزی حاصہ کی نظر میں "زجاجۃ المصابیح" (عربی)
اردو تالیف "نور المصابیح" پر اپنی رائے
اور تبصرہ۔

"حضرت عبداللہ شاہ حیات اور کارنامے"

جب میرے تحقیق کا موضوع بنا تو لقیناً مجھے بڑی مسرت
حاصل ہوئی اور مجھ سے کہا گیا کہ اردو تالیف "نور المصابیح"
پر اپنی رائے دوں۔ اس کے کل آٹھ حصے بازار میں دستیاب
ہوئے۔ جس کو پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ تصانیف
حضرت محدث دکن کی محنت شاقہ جو عبادت و ریاضت
کے علاوہ ہے۔ اس میں فقہی مسائل حدیث اور قرآن
سے ثابت ہیں۔

حضرت محدث دکن کا دنیاداری سے کم اور دینداری سے
گہرا تعلق تھا۔ اس طرح آپ کی یہ تصانیف ہمارے لیے
مشعل راہ کا کام دیتی ہیں۔ جس کی روشنی میں ہم آخرت
کی منزل کو حسن و خوبی سنوارتے ہیں۔ زجاجۃ المصابیح
احناف کے لیے انتہائی اہم ترین تصنیف ہے۔ اس پر
مختلف مبصرین، دانشوروں اور علماء کی آرا شامل ہے
یہ کتاب احادیث کا مجموعہ ہے۔ آپ کی ہر بات محسوس جامع

اور مستند ہے۔ ہر بات کو واضح اور مدلّل بیان فرمایا ہے۔
اور یہ تصنیف "مشکوٰۃ المصابیح" عربی احادیث کی کتاب
کے اسلوب پر ترتیب دی گئی ہے۔ اس کتاب کو لکھنے
سے پہلے حضرت محدث دکن ایک ذہنی فکر میں مبتلا رہتے
آپ کی یہ فکر نور اللہ المرقدین صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں
تشریف فرما ہونے اور آپ کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹانے
پر دور ہوئی اور یہ کام آپ پر آسان ہو گیا۔

اس کتاب میں کوئی بات بھی قیاس پر مبنی نہیں ہے
بلکہ مکمل حوالوں اور مستند راویوں کی روایتوں، قرآنی آیتوں
کے حوالوں سے ترتیب دی گئی۔ اگرچہ کہ یہ کام بڑا دیر طلب
ہوا مگر عقائد کی صحیح بنیادوں پر جامع حیثیت سے پائے
تکمیل کو پہنچا۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت محدث دکن کے
حصے میں یہ گرانقدر سرمایہ تحفہ و ودیعت کر گیا تھا جسکو
آپ نے انجام دیا۔ مجھے قوی امید ہے کہ آپ کا یہ کام
رہتی دنیا تک محدث دکن کی یاد کو تازہ کرتا رہے گا اور
لوگ اس کتاب کی مدد سے اپنی دین دنیا کو سنوار لیں گے۔

۲- مجلس نشر و اشاعت "زجاجۃ المصابیح" ۱؎

"کتاب کی اصل قدر و قیمت تو مطالعے سے ظاہر ہو سکے گی۔ تاہم بطور تعارف چند سطور ہدیہ ناظرین ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مولف مدظلہ العالی نے مشکوٰۃ شریف پر نظر ثانی مطالعہ کے بعد اس امر کی شدید ضرورت محسوس فرمائی کہ جس طرح مشکوٰۃ شریف مسائل کے لحاظ سے شافعی حضرات کے لیے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بہترین مجموعہ ہے۔ بالکل اسی طرح ان احادیث کو بھی یکجا کیا جائے جن پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اہل علم حضرات کی سعی مشکور فرمائے جنھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور بہترین انداز سے حنفی احادیث جمع فرمائیں لیکن مشکوٰۃ جیسی جامعیت میسر نہ ہوئی۔

ایسی عظیم الشان کتاب کی تالیف اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا موصوف کے حصہ میں رکھی تھی۔ چنانچہ مولانا ممدوح نے تائید غیبی جس کا اظہار اپنی کتاب زجاجۃ المصابیح کے دیباچہ میں فرمایا ہے۔ اس کام کا بیڑہ اٹھایا اور اس کو بتائید تکمیل تک پہونچایا۔ پیش شدہ تالیف کی وجہ سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرنے والے اس امر سے بخوبی واقف ہو جائیں گے کہ امام صاحب کا قول علاوہ حدیث کے کسی نہ کسی صحابی"

۱؎: حضرت عبداللہ شاہ، نور المصابیح حصہ اوّل ص ۱۰ اور ۱۱۔

یا تابعین پر اعتراض کے مماثل ہے اور اس طرح یقیناً دنیا کے ایک بڑے حصے کے امام کی کوئی بات بلا سند نہیں۔

زجاجۃ المصابیح میں مولف ممدوح نے حسب ذیل امور کا التزام رکھا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری کے طرز پر ہر بڑے عنوان کے تحت متعلقہ آیات قرآنی کو جمع کیا گیا ہے۔

۲۔ چونکہ اس تالیف سے مقصود اصلی مشکوٰۃ کے طرز پر احناف کے لیے حدیثوں کا ایک جامع ذخیرہ مہیا کرنا تھا۔ اس لئے کتاب وباب وعنوان مشکوٰۃ ہی سے لیے گئے۔ البتہ فاضل مولف مشکوٰۃ علیہ الرحمہ نے عنوان میں جن مقامات پر فقہ شافعی کی رعایت رکھی ہے اس کتاب میں بھی ان مقامات پر فقہ حنفی کی رعایت پیش نظر رہی۔

۳۔ مشکوٰۃ میں ایک مسئلے کے متعلق احادیث تین فصلوں میں منتشر تھیں۔ جس سے پڑھنے والے میں ایک تو کیفیت تسلسل کا برقرار رہنا اور دوسرے مسائل کا بیک نظر تلاش کرنا دشوار تھا۔ اس لئے ہر مسئلہ سے متعلق احادیث بلا لحاظ تو فصل یک جا کیے گئے۔

۴۔ ظاہر ہے کہ فقہ حنفی ایک بیدا کنار سمندر ہے علامہ موصوف نے اس بحر ذخار سے انمول موتی چن لیے ہیں۔ ہر مسئلہ میں کئی

کئی قول ہیں۔ اس وجہ سے اوّل قول مفتی بہ حاصل کیا گیا۔
ثانیاً اس کے موافق حدیث تلاش کی گئی۔ ثالثاً اس حدیث
کی چھان بین کرکے رفع اعتراض کا موقع بہم پہونچایا گیا۔ اسی
وجہ سے اکثر احادیث کے آخر میں تنقید رواۃ مذکور ہے۔

۵۔ فقہ حنفی پر اعتراضات کے مدلل جواب احادیث کی صحیح
تعبیر کے بعد حنفی مقاصد کی وضاحت اور حسب ضرورت
احادیث سے اور حنفی کتابوں کے حوالے سے حاشیہ پر مسائل
کا اندراج کامل احتیاط سے کیا گیا ہے۔

یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے
اور بھی کئی اہم خصوصیات ہیں جو بوقت مطالعہ ہی ظاہر ہوں گے۔
مختصر یہ کہ جس مشکوٰۃ شافعی مذہب والوں
کے لیے ایک نعمت ہے بالکل اسی طرح یہ کتاب حنفی حضرات
کے لیے ایک بہترین اور نادر تحفہ ہے۔"

۳۔ "مولانا عبدالماجد دریابادی فاضل مدیر صدق جدید لکھنؤ نے
اس تالیف سے متعلق اپنی اشاعت مورخہ ۲۹ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ
م ۹ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں جو رائے ظاہر فرمائی ہے اس کا اقتباس"۔ ع۱

"خطیب تبریزی کی مشکوٰۃ المصابیح سے دیندارون
میں ہر پڑھا لکھا واقف ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

ع۱: حضرت عبداللہ شاہ نور المصابیح حصہ چہارم ص ۲۱۲ اور
۲۱۳۔

مستند اور کارآمد اور نسبتاً مختصر ہونے کے باوجود بڑی حد تک
جامع مجموعہ صدیوں سے ہندوستان میں چلا آرہا ہے اور عوام و
خواص سب کے حق میں شمع ہدایت کا کام دے رہا ہے۔ لیکن
صاحب مشکوٰۃ باوجود اپنی جلالت قدر کے بہر حال حنفی المذہب
نہ تھے، شافعی تھے۔ اس لئے شافعی مسلک کی رعایت ان کی
کتاب میں جابجا آجانا بالکل قدرتی تھا اور اس لئے علماء حنیف
ایک قسم کے دوسرے مجموعہ احادیث کی ضرورت مدت سے محسوس
کر رہے تھے۔ جس میں رعایت ان کے مسلک و مشرب کی ہو۔
صدیوں کے بعد اس ضرورت کو عملاً پورا کرنے کی سعادت
اس حیدرآبادی فاضل کے حصہ میں آئی ہے۔ کتاب کا نام مشکوٰۃ
کے جوڑ پر "زجاجۃ" ہی ہے۔ مضامین کی ترتیب بھی اس متاخر
نے اپنے اسی پیشرو کے مطابق رکھی ہے۔

دیباچہ میں مولف زجاجۃ المصابیح نے اپنے
ایک رویاء صالحہ اور بشارت نبوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے،
"ہر کتاب" میں ابواب کے تمتانی عنوانات مشکوٰۃ
کے مطابق ہی ہیں۔ سوائے اس کے جہاں مولف کو ضروری معلوم
ہوا ہے۔ تقویت مذہب امام اعظم رح کے لیے متن کتاب میں
یا حاشیہ پر مضامین کا اضافہ کر دیا ہے۔ چنانچہ کتاب العلم
کے تحت مناقب کی ایسی روایتیں درج کر دی ہیں۔ جن کا
اشارہ ان کے خیال میں ابو حنیفہ" کی طرف نکلتا ہے۔

اسی طرح باب قیام رمضان کے تحت تراویح کی تاکید اور اس کی تعداد رکعات وغیرہ پر حاشیہ اور متن میں اقوال و مباحث درج کیے ہیں۔ اسی طرح باب عیادت المریض کے تحت زمانہ طاعون میں آبادی چھوڑ کر باہر نکل جانے پر ورقین علی ہذا اور حواشی میں تو کثرت سے مسائل حنفی کی تائید میں دلائل اجمالاً یا تفصیلاً دیے گئے ہیں۔

مشکوٰۃ سے فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر عنوان باب کو تین تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس میں فصلوں کی یہ تقسیم اٹھا دی گئی ہے۔

مضمون کتاب کی اصل قدر و قیمت کو پہچاننا اور احادیث مندرجہ کو سمجھنا تو اہل فن ہی کا کام ہے۔ باقی عام ایک ناظر کے نقطہ نظر سے تو فاضل مؤلف نے ایک اہم دینی خدمات انجام دی ہے اور حنفیہ کے ذمہ جو قرض صدیوں سے چلا آرہا تھا۔ اسے ادا کرنے کی سعادت انھیں حاصل ہو گئی۔

فاضل رشک ہیں ایسی ستاں جو اس دور میں بھی
کساد بازاری اور کسمپرسی کے سر پیلو کو آنکھیں بند کیے ہوئے
خدمت دین کی دھن میں لگی ہوئی ہیں۔"

۴۔ "اس تالیف کے متعلق "دارالعلوم دیوبند" کے دینی وعلمی ماہنامہ دارالعلوم کے جلد ۸ شمارہ ۶ ماہ جمادی الآخریٰ ۱۳۷۴ھ مارچ ۱۹۵۵ء کے تبصرہ کا اقتباس ذیل میں درج ہے:" ۱

"فقہائے احناف پر جہاں اور بہت سے غلط الزام ہیں، اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ احناف اہل الرائے ہیں بلکہ بعض زبان وقلم کے بے باک تو یہاں تک کہہ گذرتے ہیں کہ احناف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل نہیں کرتے بلکہ وہ تو نعمان بن ثابت الکوفی کی شریعت پر عمل پیرا ہیں۔ گویا کہ مخالفین مسلک احناف کو فقہ حنفی احادیث کے خلاف اپنی رائے اور اجتہاد پر قائم نظر آتا ہے۔ حالانکہ محققین کا اس بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حتی الامکان فقہی جزئیہ کی بنیاد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے اس کی کوشش کی ہے کہ ذاتی رائے اور اجتہاد پر فیصلہ کرنے سے حتی الوسع گریز اور اجتناب کیا جائے مثلاً باب المہر میں ایک حدیث ہے کہ "لا مہر اقل من عشرۃ دراہم" احناف یعنی مہر کو

۱: حضرت عبداللہ شاہ نور المصابیح حصہ چہارم ص ۲۱۳ اور ۲۱۴۔

شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے
متعین سمجھا اور اس کے لیے حدیث کی
حجت حرارد یا۔ لیکن امام شافعی رد اللہ مضجعہ
زوجین کی رائے پر دوسرے معاملات کی طرح اس
معاملہ کو بھی موقوف کرتے ہیں اور تعین مہر
میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے
کسی صراحت کو تسلیم نہیں کرتے۔ شوافع
نے اس حدیث پر اعتراضات کیے اور
اس کی صحت کو مشکوک قرار دیا۔ ہندوستان
کے ایک عالم جن کے بارے میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے تھے کہ ان کی نقل نہایت معتبر ہے اور
خود ان کی رائے ساقط الاعتبار ہے۔
(اوکمال ضال) جن کے ذوق محتھدانہ
کی رد میں اکثر احناف آتے ہیں اس خاص
مسئلہ میں امام شافعی کے ہمنوا ہیں۔
اور اپنی مشہور تصنیف میں احناف کے اس
استدلال پر عقلاً و نقلاً اتنے اشکال
وارد کیے جن اشکالات کو پیدا کرنے میں
شوافع کی ذہانت بھی ناکام رہی۔ امید
اس سلسلہ میں امام محمدؒ کی تفضیلی بحث نیز
علماء احناف کی تشفی بخش تقاریر پر مولانا
مرحوم نے قلم تنسیخ پھیر کر رکھ دیا۔ گفتگو
کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس حدیث کو بقول شوافع
ضعیف تسلیم کر لیا جائے تو کم از کم اتنی

حقیقت ضرور معلوم ہوتی ہے کہ فقہ حنفی کی
بنیاد الحمدللہ رائے پر نہیں بلکہ احادیث
وقرآن کے ذخیرے ہی پر ہے۔ پھر اس کے
اوپر کیا کیا جائے کہ احناف پر اہل الرائے
ہونے کا الزام خلوص نظر کی ناہمواری نے
ساتھ فقہ حنفی کے عمیق اور گہرے مطالعہ
کے نہ ہونے کی علامت ہے ورنہ اگر
انصاف کی نظر سے مطالعہ کیا جائے تو
انشاءاللہ مسلک حنفی حدیث کے
خلاف نظر نہیں آئے گا۔ حق تحقیق
عالم نے اس خاص باب میں اپنی عمر کا
طویل حصہ صرف کیا وہ کہتے تھے کہ:[1]
"ہم نے اپنی عمر کے تیس سال اس مقصد
کے لیئے صرف کیے کہ فقہ حنفی کے مواخذ
حدیث ہونے کے بارے میں اطمینان
حاصل کیا جائے"۔ الحمدللہ اپنی تیس سالہ محنت
اور تحقیق کے بعد اس بارے میں مطمئن
ہوں کہ فقہ حنفی حدیث کے مخالف نہیں
بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جس مسئلہ میں مخالفین
احناف جس درجہ کی حدیث رکھتے ہیں
کم از کم اسی درجہ کی حدیث اس مسئلہ

ع۱: بحوالہ سید محمد انظر شاہ کشمیری، حیات الخور ص ۱۴۲۔

کے متعلق حنفی مسلک کی تائید میں ضرور
موجود ہے اور جس مسئلے میں حنفیہ کے پاس
حدیث نہیں اور اس لئے وہ اجتہاد ہی کی بنیاد
رکھتے ہیں۔ وہاں دوسروں کے پاس بھی حدیث نہیں۔"

یہ خیالات امام العصر حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب
کشمیری کے ہیں۔ جن کا اظہار آپ اپنے درس میں اکثر فرماتے
تھے جن دماغوں میں انصاف کی ادنیٰ سی تابانی موجود ہے وہ
اس حقیقت کی تصدیق کریں گے ع ۱

"زیر نظر کتاب (زجاجۃ المصابیح) اس
مقصد کو سامنے رکھ کر تالیف کی گئی ہے کہ
مشکوٰۃ شریف کے طرز پر ان تمام احادیث
کو جمع کیا جائے۔ جن سے فقہ حنفی کی تائید
ہوتی ہے۔ مولف علام نے ہر باب کے شروع
میں قرآنی آیت کا ذکر کرنے کے بعد مسلک
حنفیہ کی موئید احادیث کو جمع کیا ہے۔ تمام
احادیث سند و متن کے اعتبار سے نہایت
قوی اور سلسلہ روایت 'سلسلۃ الذہب' سے
احادیث متفق علیہ اور علیٰ شرط الشیخین
ہیں۔ فٹ نوٹ میں مولانا نے اقوال حنفیہ

ع ۱ : حضرت عبداللہ شاہ 'نفر المصابیح حصہ چہارم' ص ۲۱۴۔

کی تفصیل فقہائے احناف کے اقوال عقائد
کے مسائل کلام کے مباحث معارف الحدیث
اور معارف القرآن کو تفصیل سے پیش کرکے
کتاب کی قیمت کو ہر حیثیت سے بالاتر کر دیا ہے
فقہ حنفی پر اعتراضات کا جواب حدیث کی
تعبیر متعین کرنے کے بعد فقہ حنفی کی وضاحت
اس کتاب کی خصوصیت ہے۔

ذمہ داری کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ
"زجاجۃ المصابیح" فقہ حنفی کی موئیدات
میں اسی حیثیت کی مالک ہے جو فقہ شافعی
میں مشکوٰۃ شریف کو حاصل ہے۔ کتاب
کی اصل قدر و قیمت مطالعہ کے بعد معلوم کی
جائے گی۔

تبصرہ نگار طلبہ اور مدرسین حضرات
سے اس "انمول موتی" اور "در نایاب" کے
مطالعہ کی خاص طور پر سفارش کرتا ہے"

۵ - ماہنامہ معارف ماہ اپریل ۱۹۵۵ء اعظم گڑھ میں اس طرح
اظہار رائے کیا گیا: [1]

"حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کی فقہ پر بہت پرانا اعتراض ہے کہ

---

[1]: حضرت عبداللہ شاہ، نور المصابیح حصہ چہارم
ص ۲۱۵ -

امام صاحب احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
کے مقابلہ میں قیاس و رائے کو ترجیح دیتے
تھے اور فقہ حنفی کی بنیاد حدیث و سنت
سے زیادہ قیاس پر ہے۔ مگر ہر زمانہ میں
اس کے اتنے جوابات دیے جا چکے ہیں کہ
اب اس اعتراض کی کوئی وقعت باقی
نہیں رہ گئی ہے۔

مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب
جو عالم دین ہونے کے ساتھ ایک صاحب باطن
بزرگ بھی ہیں، اسی نقطہ نظر سے
مشکوٰۃ المصابیح کے طرز پر جامع المصالح
چار جلدوں میں تالیف فرمائی ہے۔ اس میں
ابواب کی ترتیب فقہی ہے اور ہر باب سے
متعلق حنفی مسائل کی تائید میں احادیث و
سنن اور اقوال و آثار صحابہ و تابعین
کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کے
ساتھ ان مسائل کے متعلق حاشیہ میں آیات
قرآنی بھی لکھ دی گئی ہیں۔ جن مسائل میں ائمہ
احناف کے اقوال مختلف ہیں، ان میں مفتی
بہ قول اختیار کیا گیا ہے اور اسی کی احادیث
نقل کر دی گئی ہیں۔ فقہ حنفی کے جن مسائل پر
اعتراض کیا جاتا ہے ان کا مدلل جواب بھی دیا گیا ہے۔

اور ان سے متعلق احادیث کے مفہوم کی
توضیح اور تعین کرکے حنفی مسلک کی
وضاحت کی گئی ہے۔ اور حسب ضرورت حنفی
کتابوں کے حوالے سے مسائل کا بھی اضافہ
اندراج کیا گیا ہے اور ان سے متعلق
حدیثیں بھی نقل کر دی گئی ہیں۔ اس کے
علاوہ نقض اور خصوصیات بھی ہیں۔ جن کا
اندازہ اصل کتاب کے مطالعہ ہی سے
ہو سکتا ہے۔ ان خصوصیات نے اس کتاب
کا افادہ اور زیادہ بڑھا دیا ہے۔ حضرت
مولف نے یہ کتاب مرتب کرکے فقہ
حنفی کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔"

۶۔ دفتر دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور کی رائے اس تالیف
کے ضمن میں یہ ہے کہ: ع۱

"بسم اللہ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی
کتاب مستطاب "نور الصباح" احقر کے سامنے
ہے اور باصرہ نواز ہے، جستہ جستہ مقامات سے
استفادہ کی سعادت متیسر ہوئی جس سے قلب نے

ع۱: حضرت عبداللہ شاہ، نور الصباح حصہ چہارم، ص ۲۱۵ تا
۲۱۷۔

"دو وجہوں سے فرح و سرور کا اثر لیا اولاً
اس بنا پر کہ کتاب مذکور فن حدیث کی
خدمت کا بہترین مجموعہ ہے۔ جس میں
مشکوٰۃ المصابیح کے طرز پر فقہی
ابواب کی ترتیب سے ہر باب کی متعلقہ
روایات پاکیزہ ترتیب کے ساتھ
جمع کر دی گئی ہیں اور ساتھ ہی حواشی اور
تنبیہات کے ذریعہ مقصد حدیث کا
ماخذ قرآن سے پیش کرتے ہوئے مؤید
روایات کا ذخیرہ مزید پیش کر دیا گیا ہے
جو فن کی عمدہ ترین خدمت ہے۔

ثانیاً اس بنا پر کہ یہ کتاب مذہب
حنفی کے ماخذوں اور مؤیدات کا ایک
زبردست خزانہ ہے جس کی کئی زمانہ
اشد ضرورت تھی کیوں کہ اصحاب مدارس میں
مروجہ کتب حدیث اکثر و بیشتر شوافع
کی تالیف ہیں جن میں مذہب شافعی کا
مؤید ذخیرہ تو کافی مل جاتا ہے۔ لیکن
حنفی مسلک کا تائید کا مواد خاطر خواہ
دستیاب نہیں ہوتا جس سے طلبہ اور مستفیدین
تو مذہب حنفی کے بارے میں تشنہ رہ جاتے ہیں
اور مخالفین مذہب حنفیہ کے دل و دماغ پر یہ
اثر پڑتا ہے کہ مذہب حنفی حدیث کے لحاظ

سے بے مایہ اور خفلس ہے یا اُس کی موید روایتوں
کا وجود ہی نہیں پائے تو وہ ضعاف اور کمزور
قسم کی روایات ہیں جو محدثین کے نزدیک کچھ زیادہ
قابل اعتناء نہیں، حالانکہ معاملہ ہر عکس ہے
حنفیہ کے یہاں قبول حدیث کا معیار محض سند
و روایت ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ تفقہ
کے دوسرے اصولی معیار بھی ہیں۔ جن کی رو سے
حدیثیں ان کے یہاں قبول کی جاتی ہیں، گویا
کسی مرحلہ پر کسی بھی روایت کو خواہ وہ
سنداً قوی ہو یا ضعیف تشریعاً قابل
احتجاج ہو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ ظاہر ہے
کہ جس مذہب میں قبول حدیث کا ایک ہی
راستہ نہ ہو بلکہ مختلف معیار ہوں جن کی
رو سے ضعیف سے ضعیف حدیث بھی ان
سے نہ چھوٹ سکتی ہو، اس مذہب کی نسبت
یہ خیال قائم ہو جانا یا کرا دینا کہ مذہب کو
حدیث سے کوئی تعلق نہیں اور کسی حدیث سے
تو کسی گری پڑی روایت سے ہے جسکا شمار
ارباب فن کے یہاں قابل اعتناء روایتوں میں
نہیں محض اسی بنا پر ہوا ہے حنفیہ نے متون
حدیث کی جمع و ترتیب میں زیادہ حصہ نہیں لیا
بلکہ وہ اکثر و بیشتر حدیث کی خدمت فقہی
نقطہ نظر سے کرتے رہے۔

اس کے بعد اس دور کا یہ آخری نقش ہے
جو زجاجۃ المصابیح کی صورت میں اہل علم
کی نگاہوں کے سامنے آرہا ہے۔ جس میں
فن کی خدمت کے ساتھ ساتھ مذہب
حنفی کی جو خاص طور سے
انجام دی گئی ہے۔ حنفی مسائل کے بنیادی
ماخذ اور ان کی تائید میں احادیث و آثار
اور سنن و فتاوی صحابہ کا ایک بڑا ذخیرہ
جمع کر دیا گیا ہے جس سے وہ تمام خدشات
رفع ہو جاتے ہیں جو مذہب حنفی کے بارے میں
مخالف مذہب کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔

مؤلف کتاب حضرت مولانا الحاج
سید عبداللہ شاہ صاحب نقشبندی حضرت سید
مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اتقیاء
دکن میں سے ہیں، جامع شریعت و طریقت
عالم ہیں اور مخلوق کو آپ کی ذات سے علمی
و عملی فوائد و برکات حاصل ہو رہے ہیں،
یہ کتاب آپ کی علمی خدمت کا شاہکار ہے،
اس لیے زجاجۃ المصابیح اپنے موضوع کی خوبی
کے ساتھ ساتھ اپنی سند کے لحاظ سے بھی قابل قدر
اور لائق استفادہ ہے۔ کیا اچھا ہو کہ مدارس دینیہ
میں مشکوٰۃ المصابیح کے ساتھ ساتھ یا اسکی جگہ
زجاجۃ المصابیح بھی پڑھائی جائے تاکہ طلباء کے سامنے مذہب
حنفی کے مدلل مسلک ہونے کی شہادتیں نقش کتاب و فقہ سے بھی مہیا ہو سکیں۔"

۷- اس تالیف سے متعلق ماہنامہ برہان دہلی
(جلد ۳۲ شمارہ ۳ ماہ رجب المرجب ۱۳۷۳ھ
/مارچ ۱۹۵۴ء کے تبصرہ) کا اقتباس ذیل میں
درج ہے کہ: [۱]

"احناف پر دوسرے مذاہب فقہ کی طرف سے
عام طور پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات
احادیث کے مقابلہ میں صرف قیاس سے کام
لیتے ہیں۔ فقہ حنفی کا دارومدار اسی پر ہے
اور احادیث و روایات کی زیادہ پرواہ
نہیں کرتے۔
زیر تبصرہ کتاب کا مقصد تالیف اسی
اعتراض کو رفع کرنا ہے۔ چنانچہ اس میں
مشکوٰۃ المصابیح کے طرز پر مختلف ابواب
فقہ کے ماتحت اغلب احادیث کو یکجا کیا گیا
ہے جن سے مسلک حنفی کی تائید ہوتی ہے۔ ہر
باب کے شروع میں امام بخاری کے ترجمۃ الباب
کے طرز پر اس باب سے متعلق قرآن مجید
کی متعدد آیات کو بھی نقل کر دیا گیا ہے جس

---

[۱]: حضرت عبداللہ شاہ، نور المصابیح حصہ چہارم، ص ۲۱۷۔

مشکوٰۃ میں ایک ہی باب کی احادیث
مختلف فصلوں میں ملتی ہیں۔ جس کے
باعث بسا وقت کسی ایک مسئلہ سے
متعلق تمام احادیث پر نظر رکھنا دشوار
ہو جاتا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کے فاضل مولف
نے اس زحمت سے بچانے کے لیے تمام
احادیث متعلقہ ایک ہی باب میں جمع
کر دی ہیں، علاوہ جمع شدہ احادیث
کے حاشیہ پر تشریحی و توضیحی نوٹ لکھ
متن میں کسی خاص قول یا عبارت یا مسلم
کی تحقیق بھی ہے۔

امید ہے کہ علم حدیث کے طلباء
اور علماء اس کی قدر کریں گے۔ فاضل مولف
مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب
حیدرآبادی کے حسن عمل اور محنت کی داد
دیں گے۔"

۸ - تبصرہ ماہنامہ تجلی دیوبند (دسمبر ۱۹۶۱ء)

زجاجۃ المصابیح (عربی) جلد پنجم: ۱

زجاجۃ المصابیح اس رفیع الشان کتاب کے بعض حصوں پر ان صفحات میں پہلے بھی تبصرہ ہو چکا ہے، اس وقت اس کا پانچواں جزء پیش نظر ہے جس پر یہ مکمل ہو گئی ہے، الحمد للہ علی ذالک اس کے جامع مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب مسلمانوں کے سواد اعظم کی طرف سے تبریک و تحسین کے مستحق ہیں، سواد اعظم کا حنفی ہونا محتاج بیان نہیں، مشکوٰۃ اپنے طرز کی عمدہ کتاب ہے لیکن اس کے جامع شیخ ولی الدین خطیب تبریزی شافعی المسلک تھے اور قدرتی طور پر انھوں نے اس میں اپنے مسلک کی رعایت کی ہے۔ ضرورت تھی کہ اسی نوع کی کوئی کتاب حنفی مسلک کا لحاظ رکھتے ہوئے مدون کی جائے، نہایت خوشی کی بات ہے کہ یہ ضرورت زجاجۃ المصابیح نے کافی حد تک پوری کر دی ہے۔ اب یہ حنفی مدارس کے ارباب انتظام کا کام ہے کہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیں اور نصاب کا جزء بنائیں۔ اس میں حضرت جامع نے بڑی عرق ریزی اور کاوش کی ہے جو اعتراضات فقہ حنفی پر مختلف حلقوں سے کیے جاتے رہے ہیں انھیں دفع کرنے میں موصوف کی مساعی کافی وزن دار ہیں، فقہ حنفی کے مفتی بہ اقوال کی تدوین کے بعد انھوں نے ان کی توثیق کرنے والی احادیث بھی زیب قرطاس فرمائی ہے اور احناف کے سر سے اس لغو الزام کو اتارا ہے کہ ان کی فقہ محض رائے پر مبنی ہے۔

۱: حضرت عبداللہ شاہ، نور المصابیح حصہ اول، ص ۳۳۲ -

احادیث پر مبنی نہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کتاب کی طباعت و کتابت بھی نہایت پاکیزہ ہوئی ہے اور کاغذ عمدہ ہے۔

۹۔ "قومی آواز" لکھنؤ

(از اخبار قومی آواز مورخہ ۲۸ ڈسمبر ۱۹۵۹ء لکھنؤ ص ۲) :ع ۱

نور المصابیح حصہ اول حدیث نبوی یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو جو عربی میں اردو میں ایک عہد تک منتقل کیا جا چکا ہے۔ حدیث کی مستند کتابوں کا اردو ترجمہ تو عام طور پر رائج بھی ہے۔ زیر نظر کتاب "نور المصابیح" بھی اردو ترجمہ ہے۔ زجاجۃ المصابیح کا جو عربی میں ہے اور جس کے فاضل مولف ابن عبد کے ایک عالم مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی و قادری ہیں۔ اصل کتاب "زجاجۃ المصابیح" میں حدیث کی متداول کتابوں سے احادیث کو کے کر ترتیب دی گئی ہے شاید ہی کوئی ایسی حدیث اس کتاب میں ہو جو علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نئی ہو لیکن جہاں تک کتاب زجاجۃ المصابیح کی ترتیب کا تعلق ہے۔ اس نے کتاب کو کافی اہم بنا دیا ہے یعنی حدیثوں سے فقہ حنفی کے مسائل کا استنباط فاضل مولف کے

ع ۱: حضرت عبداللہ شاہ، نور المصابیح حصہ دوم، ص ۳۵۸ -

پیش نظر حدیث کی ایک مشہور اور مقبول کتاب "زجاجۃ المصابیح" ہے جس کے مولف شافعی المسلک تھے جنہوں نے فقہ شافعی کے نقطہ نظر سے مشکوٰۃ میں احادیث کو جمع کیا تھا "زجاجۃ المصابیح" کے مولف نے فقہ حنفی کے نقطہ نظر کو ملحوظ رکھکر اپنی کتاب کو مرتب کی اور مزید اضافہ یہ کیا کہ حدیثوں سے حنفی مسائل کا جو استنباط و استخراج کرنے لئے اور جہاں کہیں مفہوم حدیث کے سلسلہ میں تعبیر کا اختلاف نظر آیا وہاں فاضل مولف نے اس مفہوم کی وضاحت کردی ہے جو احناف نے اختیار کیا ہے اور حنفی علمائے احناف کے استدلال بھی نقل کیے ہیں۔

اس انداز ترتیب نے کتاب "زجاجۃ المصابیح" کی افادیت بہت بڑھادی اور اس کے اردو ترجمے کی افادیت بھی اس لحاظ سے بڑھ گئی ہے کہ حدیثوں کے ساتھ فقہ حنفی کے مسائل اور ان کے اصول و فروع بھی اردو میں موزوں انداز میں آگئے۔

۱۰۔ "ذوالقرنین" بدایون (یوپی)

تبصرہ نور المصابیح از اخبار وکیلی ذوالقرنین (بدایون یوپی) مورخہ ۲۲ر جنوری ۱۹۶۰ء م ۲۱ر رجب ۱۳۷۹ھ جلد ۱۵۸ ع ۳ مترجمہ مولانا مفتی الدین صاحب۔ سائز ۲۶ × ۳۰ ثابت و طباعت اعلیٰ کاغذ گلیزڈ و سفید صفحات (۳۱۱) قیمت (للعہ) ۱/ ع

"یہ کتاب زجاجۃ المصابیح حصہ اول کا اردو ترجمہ ہے اور اجزاء ذیل پر شامل ہے کتاب الایمان کتاب العلم اور کتاب الطہارت اور اس کے تحتانی ابواب۔ اردو داں اصحاب کیلئے ایک بیش بہا سرمایہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ترجمہ بھی ایک حنفی فاضل نے کیا ہے۔ خدا ان کو جزائے خیر دے دار الاشاعت دیوبند اور ناقدین کا کہ جن کی بدولت ہمیں ایسی بیش بہا اور بیش قیمت کتاب شائع کی ہے۔ ہم سب کو مصنف اور مترجم کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کی ایک جلد ہر مسلمان کے گھر میں رہے اور بار بار پڑھی جائے کتاب عام فہم اردو میں ہے جلی قلم ہے کم پڑھے لکھے لوگ بھی باسانی مطالعہ کر سکتے ہیں۔"

ع۱: حضرت عبداللہ شاہ، نور المصابیح حصہ دوم، ص ۳۵۹۔

"اختتامیہ تصنیفات"

حضرت محدث دکن قدس سرہ کے تصنیفات پر اختتامیہ لکھنے سے پہلے راقم کے ذہن میں یہ بات آئی کہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ کے تصنیفات میں ایسی کونسی بات ہے جو ماری کے ذہن میں ممتاز مقام پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ (۱۱۷۶ھ) م (۱۷۶۲ء) کی کتاب "التفہیمات الالٰہیہ" جس کو خزائن الحکمت کہا گیا۔ اس میں قرآن مجید کے علوم کو سات حلیات پر مبنی بتلایا گیا ہے۔ ۱۔ الٰہیات۔ ۲۔ تکوینات۔ ۳۔ وعظ وارشاد۔ ۴۔ شرعیات۔ ۵۔ آخرت کا تذکرہ ۶۔ کافروں سے بحث ومجادلہ۔ ۷۔ قصص۔

جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اس کتاب کی روشنی میں اگر ہم حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ محدث دکن کے علمی کارناموں کا جائزہ لیں تو یہ نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ یہ سات علوم قرآنی محدث دکن کی تصنیفات سے ظاہر ہوتی ہیں۔ چنانچہ الحسنات میں: سلوک محمدیہ، علاج السالکین اور معراج نامہ کا شمار ہوتا ہے۔

۲۔ وعظ وارشاد میں: مواعظ حسنہ حصہ اول و دوم۔

۳۔ شرعیات میں: زجاجۃ المصابیح (عربی) "نور المصابیح" (اردو) فضائل نماز اور فضائل رمضان۔

۴۔ آخرت کے تذکرہ میں: شہادت نامہ، کتاب المحبت، شہادت نامہ۔
۵۔ قصص میں: میلاد نامہ، یوسف نامہ اور گلزار اولیاء مذکور ہیں۔

اس کے علاوہ "سبعات" اور "القول الجمیل"
مؤلف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مطالعے سے یہ بات
سامنے آتی ہے کہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔
ایک ظاہری دوسرے باطنی۔ ظاہری حیثیت کی حفاظت فقہا
اور محدثین نے کی اور باطنی پہلو جس کا نام "احسان" ہے۔ اس کی
حفاظت اولیاء اللہ نے فرمائی ہے۔ ہر زمانے میں اولیاء اللہ
میں کوئی نہ کوئی بزرگ ضرور پیدا ہوتا ہے جس کو عنایت الٰہی سے
اس امر کی استعداد ملتی ہے کہ وہ دین باطن کے قیام اور
اشاعت کی کوشش کرے اور یہ کام بزرگوں سے انجام پاتا ہے۔
بزرگوں کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں ان کی رفعت شان
کا ہر چا ہوتا ہے۔ خلقت ان کی طرف کھنچتی چلی آتی ہے۔
ہر شخص ان کی تعریف کرتا ہے اور ان کی صحبت اور تاثیر میں
جذب ہو جاتا ہے اور یہ تاثیر کی غیر معمولی قوت ہے۔ یہ بزرگ
حضرات صاحب کرامت ہوتے ہیں۔ ان کی دعائیں بارگاہ حق
میں مقبول ہوتی ہیں۔ لوگ ان کے مسلک پر چلنے لگتے ہیں۔ جیسے
حضور غوث اعظمؒ، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ،
حضرت بابا شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت خواجہ معین الدین
چشتی سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ وغیرہ شامل ذکر ہیں۔

اگر ہم حضرت محدث دکن کی شخصیت پر غور کریں تو اس
بات کا یقین کامل ہو جاتا ہے کہ حیدرآباد دکن میں جو دھویں
صدی ہجری یا بیسویں صدی عیسوی میں یہ شخصیت حضرت
محدث دکن ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب تھے جن کی
کرامت کہیے یا فیض عالمگیر یا عنایت الٰہی کا کرشمہ
کہیے کہ بفضلہ تعالیٰ آپ کی عربی کتاب حدیث "زجاجۃ المصابیح"
(عربی) اردو ترجمہ "نور المصابیح" شائع ہو گئی۔

حیدرآباد دکن کے قادری سلسلہ کے بزرگ حضرت
سید وحید پاشاہ قادری موسوی نے حضرت محدث دکن کے
چھوٹے صاحب زادے میاں سید رحمت اللہ شاہ صاحب جو
اُن کے پوتر داماد ہوتے ہیں۔ فرمایا تھا کہ آپ کے آبا نے
الٰہی کتاب (زجاجۃ المصابیح) لکھی ہے کہ اِن شاء اللہ
آئندہ کوئی اس کی عربی میں شرح لکھے گا اور کوئی اردو
میں کام کرے گا۔ بقول کسی شاعر کہ ؎

الٰہی تا ابد آستان یار رہے ÷ یہ آسرا ہے غریبوں کا برقرار رہے۔
مہ و انجم کے خالق بھروسی شمع فروزاں کر

اسی آفاق پر پھیر بے رونقی معلوم ہوتی ہے۔

بابِ پنجم

تعلیمات

۱۰ "اذکار و اشغال"

طریقت میں اذکار و اشغال سالک کے

اصحاب میں داخل ہیں یعنی بغیر اذکار و اشغال کے سالک

اپنا راہِ سلوک طے نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ پیرِ کامل

سے جب بیعت کی جاتی ہے تو ہر شیخ اذکار اور

اشغال کی تعلیم دیتا ہے۔

ذکر: ذکر الٰہی سالک کی غذا ہے۔ جس طرح انسان

بغیر غذا کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ بالکل اسی طرح سالک کی

زندگی اور اس کی غذا ذکر الٰہی ہے۔ ذکر کی فضیلت میں اللہ

تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ"[1] "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرتا ہوں"

---

[1]: "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" قرآن شریف، پارہ ۲، آیت نمبر ۱۵۲۔

حدیث قدسی ہے اگر تم مجھے تنہا یاد کرو تو میں تم کو تنہائی
میں یاد کرتا ہوں، اگر تم مجھے محفل میں یاد کرو تو میں تم سے
بہتر فرشتوں کی مجلس میں یاد کرتا ہوں۔

اس حدیث کی روشنی میں اگر ہم حضرت قبلہؒ کی زندگی
کا جائزہ لیں تو آپ کی زندگی ایک مثالی زندگی تھی۔ پانچ وقت
کی نماز باجماعت مسجد میں ادا فرماتے اور
بنفس نفیس امامت فرماتے اور بعد نماز فجر تقریباً دیڑھ
گھنٹہ ارادت مندوں اور مریدین کے ساتھ حسن گوشہ ذکر کی
محفل سجاتے ایسا معلوم ہوتا کہ اس مبارک محفل پر نور کی
بارش ہو رہی ہے۔ سکون و اطمینان کی چادر گویا سب کے
اوپر رکھی ہوتی ہے۔ یہ لطف تو وہی حضرات بتا سکتے ہیں۔
جو اس محفل میں شریک ہوا کرتے تھے۔

ہندوستان کے ایک عالم حیدرآباد تشریف لائے اور
حضرت کی اس محفل کو دیکھ کر حیران تھے کہ اتنی دیر حضرت کا

ذکر کی محفل کو قائم کرنا اور مریدین کو توجہ دینا اس زمانہ
میں عنقا ہے۔ طریقہ نقشبندی میں ذکر خفی ہوا کرتا ہے اور
طریقہ قادریہ میں ذکر جہری ہے۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ
ذکر خفی فرماتے اور ان کی تعلیم دیتے اور سلوک مجددیہ میں
ذکر کے اسباق سلسلہ بہ سلسلہ دیتے ہے۔ البتہ بعض
مریدین کو ذکر جہری بھی "لا الہ الا اللہ" بتاتے۔ اس کا
طریقہ یہ ہے کہ چوزانو الٹی یا التی مار کر بیٹھنا اور بائیں طرف
سے بآواز بلند لا الہ کہتے ہوئے سر کو گھما کر درمیان
میں آنکھوں کو کھول کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے۔ الا اللہ
کی ضرب دل پر لگانا۔ چونکہ حضرت قبلہ قدس سرہ قادری
طریقہ میں بھی مرید فرماتے اور یوں فرماتے کہ میں "تم کو حضرت
خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور حضرت سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی
کی خادمی میں دیا۔" قبول کیئے تو عرض کرتا قبول کیا پھر لطیفہ قلب
کی تعلیم دیتے یعنی اللہ اللہ کو دل میں کہنا (زبان سے نہیں۔)

مذکورہ بالا توجہ کی مجلس روزانہ باقاعدہ بعد نماز فجر منعقد ہوا کرتی اور دوسری بات ذکر کی یہ تھی کہ ہمیشہ دل سے اَللّٰہُ اَللّٰہ کا ذکر جاری رہا کرتا۔ تیسری بات یہ کہ خاموش اور بند زبان کی نوک کو اوپر کے دانتوں سے لگا کر اَللّٰہ اَللّٰہ فرمایا کرتے۔ یہ عمل اس وقت ہوتا۔ جب آپ باہر تشریف لے جاتے۔

۲- اشغال: حضرت قبلہؒ کے اشغال یہ ہوتے کہ بعد محفل ذکر اور مجلس توجہ تلاوت قرآن پاک مسجد میں ہوا کرتی۔ اس کے بعد دعاؤں کی کتاب "الحزب الاعظم از ملا علی قاریؒ" کی پڑھا کرتے۔ اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہوتا کہ ہر دعا کی تکرار بشمار بار فرمایا کرتے اور دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا اللہ رب العزت کے حضور حاضر ہیں اور معروضات فرما رہے ہیں۔

حضرت قبلہؒ فجر کے لیئے جب مسجد تشریف لاتے تو صبح صادق سے پہلے تشریف لاتے اور وضو فرما کر اپنی نشست کی جگہ جو جال ہے۔ اس کو پکڑ کر کھڑے ہو کر صحن کی طرف رخ کر کے

وضو کے بعد کی دعا میں "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ" باآواز پڑھی ترنم کے ساتھ ہر فقرہ پر ٹھہر کر۔ تکرار سے ہر بیٹھنے والوں پر ایک کیف سا طاری رہتا تھا۔

ہر نماز میں پورے سنن اور نوافل ادا فرماتے۔ نماز میں عجلت نہیں فرماتے۔ چار رکعات سنت ہوں یا فرض بیس منٹ میں ادا ہوتے۔ رکوع اور سجود میں تسبیحات بیشمار تعداد میں ادا ہوتے۔ ایک مرتبہ تفریحاً تالاب میر عالم تشریف لے گئے۔ نماز عصر میں امامت فرمائی۔ چار رکعت پورے بیس منٹ میں ادا ہوئے۔ اس شہر کے ایک غریب عالم مولانا حبیب عبداللہ اور حضرت مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمہ نماز میں شامل تھے جب نماز ختم ہوئی تو مولانا حبیب عبداللہ صاحب نے فرمایا۔ "ھٰکذا صلاۃ العلماء"۔ (یہ علماء کی نماز ہے) حضرت عبداللہ شاہ کا جلنا بھونا اٹھنا بیٹھنا سب اتباع سنت میں ہوا کرتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ سنت نبوی ﷺ کا ایک نمونہ صادق ہے۔

ظہر کی نماز کے بعد اکثر لوگ ملاقات اور کچھ عرض کرنے کے لیے تشریف رکھتے۔ آپ ہر ایک سے دریافت فرماتے ہر ایک اپنا مطلوب عرض کرتا اور کوئی کچھ نہ کہتا تو آپ اپنی جگہ خاموش تشریف رکھتے۔ عجیب پروقار مجلس ہوا کرتی تھی۔

ہندوستان کے ایک نامور عالم دین مولانا سید مناظر احسن گیلانی سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ کے عزیز اور قریب ہوتے تھے۔ حیدرآباد تشریف لائے انہوں نے دریافت کیا کہ حیدرآباد میں کوئی بزرگ شخصیت ہے تو بتائیں۔ آپ کو حضرت قبلہ کا پتہ دیا گیا یہ سیدھے مسجد پہونچے۔ حضرت نماز ظہر ادا فرما کر اپنی جگہ تشریف فرما تھے۔

حضرت نے راستہ میں دریافت کیا کہ حضرت عبداللہ شاہ کا مکان کہاں ہے؟ ملنے کے اوقات کیا ہیں؟ جواب ملا کہ یہاں کوئی وقت نہیں ہے۔ جب چاہیں آپ مل لیں اس وقت تو حضرت عبداللہ شاہ صاحب مسجد میں تشریف فرما ہیں، جائیے اور مل لیجئے۔

وہ حاضر ہوئے ـــ سلام کیا اور اس سادگی کو
دیکھ کر برجستہ یہ شعر کہہ دیا: ؎
ایک اشارے میں بدل دے جو نظامِ ہستی
مسجدوں میں ایسے بھی امام ہوتے ہیں ۔

دلائل الخیرات، درود شریف کی کتاب وہ بھی حضرت
قبلہ رح پڑھا کرتے تھے۔ سات دن کے سات ختم ہیں۔ ہر دن ایک
ختم پڑھا جاتا ہے۔ دوشنبہ سے یہ کتاب شروع کی جاتی ہے۔
اس لیے کہ دوشنبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ولادت
وفات اور ہجرت (مکہ سے مدینہ منورہ) کا دن ہے۔ الحمد للہ
صدیوں سے یہ کتاب ہر سالک اور عاشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے ورد میں رہتی ہے۔ حضرت قبلہ رح جب حج کے بعد مدینہ منورہ
تشریف لے گئے تو وہاں شیخ الدلائل سے ملاقات کی اور ان سے
سندی اور وہی سند سنا کر عطا فرماتے تھے۔ بالعموم اس
کا دور ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف
کے دوران ہوا کرتا تھا۔ حضرت قبلہ قدس سرہ بنفس نفیس
سماعت فرماتے۔ اعراب اور املاط کو درست فرمایا کرتے۔

اسباق: اسباق کے لیئے یہ بات مشہور تھی کہ آپؒ مریدی کے فوراً بعد سے ہی اسباق کی طرف رجوع کرتے اور جیسے جیسے مرید اسباق کی تکمیل کرتا جاتا اس سے کیفیت معلوم کرتے اور دوسرے سبق کی طرف رجحان بڑھاتے اور اس کی مشق کرواتے یہاں تک کہ مرید آپؒ کے تمام اسباق کی تکمیل کرلیتا اس پر آپؒ مسرت کا اظہار فرماتے۔

آپؒ تفسیر القرآن کا درس بھی دیا کرتے تھے۔
درس حدیث بعد نماز عشاء ہوا کرتا تھا۔
ابتدائی قواعد سے کر مشکوٰۃ پڑھائی

(باقی صفحہ ۳۹۰ پر)۔ اس درس سے فیض حاصل کرنے والوں میں مکہ مسجد کے مدرسہ حفاظ کے صدر مدرس قاری عبدالرحیم صاحب، موجودہ خطیب عبداللہ قریشی الذہری کے والد بزرگوار اور نام پلی کے حکیم محمود خاں صاحب، لال دروازہ کے مولوی غوث الدین صاحب قابل ذکر ہیں۔

"مستحبات و مکروہات"

اعمال میں تمام سنتوں کے علاوہ مستحبات کا خیال فرماتے۔ وضو کے لیے باوجود کمزوری کے مسجد کے حوض کو ایک کنارے سے پار کر کے دوسرے کنارے پر قبلہ رو تشریف فرما کر وضو کرتے اور اسی طرح باوجود علالت و کمزوری اپنے شیخ حضرت سید محمد بادشاہ بخاری قدس سرہ کے عرس میں تشریف لیجاتے وہاں آپ مزار شیخ کے سامنے مراقب رہتے۔ عصر میں تشریف لیجاتے اور بعد مغرب واپس ہوتے۔ ایک ہفتہ بعد خود بھی اپنے مکان پر ماتحہ کر کے تقریباً تمام مصلیان مسجد اور پڑوسی حضرات کو مدعو رکھتے۔

ہر سال ۲۸ جمادی الاوّل کو گھانسی بازار محلے میں حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی قدس سرہ جو حضرت کے دادا پیر ہوتے تھے، بعد نماز فجر

تشریف لیجاتے اور مراقب رہتے ۔۔ اسی طرح
پہاڑی شریف حضرت بابا شرف الدین ؒ کو بالعموم ہر سال
۲۰ شعبان کو دن میں تشریف لے جاتے اور کافی دیر مراقب
رہتے اور کبھی احمد نگر فرسٹ لانسر درگاہ حضرت سید احمد بادیا ؒ
کی زیارت کو تشریف لے جاتے ۔ ہر سال اپنے والد ماجد حضرت شاہ راجو قتال حسینی بیرون فتح دروازہ کے پائیں میں آرام فرماہیں ۔ سالانہ فاتحہ فرماتے ۔ قرآن خوانی اور قصیدہ بردہ شریف ہوتا ۔ جس کو حضرت قبلہ ؒ بے حد پسند فرماتے تھے ۔ — حضرت قبلہ ؒ کی پوری زندگی اتباع سنت کے سے وقف تھی ۔ یہ بات معروف تھی کہ جو حضرت قبلہ ؒ کا مرید ہوگیا وہ خود بخود نمازوں کا شریعت کا پابند ہوجاتا تھا ۔

یہ شعر پورا آپ ؒ پر صادق آتا ہے : ع

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیئے مسلماں میں اسی لیئے نمازی ۔

معاصرین اہل اللہ حضرت قبلہ ؒ کی نظم و ضبط کا کوہ ہمالہ کہا کرتے تھے ۔

آپؐ نے پوری زندگی مسجد ہی میں گذاردی۔ آپؐ کی پوری زندگی ایک صدی کی تاریخ تھی اور مشرقی تہذیب اور ثقافت کی آئینہ دار تھی۔

حضرت سلمہؓ کا ایک مستحب عمل یہ بھی تھا کہ آپؐ تہجد کی نماز باجماعت روزانہ ادا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت سلمہؓ کی تعلیمات میں مراقبے کی حدیث بہت اہم ہے۔ یوں تو مراقبے کا عمل تقریباً سلاسل عمل میں موجود ہے۔ آپؐ اس عمل پر بہت زیادہ توجہ مرکوز فرماتے ہیں۔

آپؐ نماز ظہر تاخیر سے ادا فرماتے تاکہ تاخیر کرنے والوں کو اپنے کاروبار سے چھٹکارا پاکر ادا کرنے میں سہولت حاصل ہو سکے۔ جو ایک مستحب عمل ہے۔ اس طرح نماز عشاء بھی بڑی تاخیر سے ادا کرتے۔

مکروہات کے ضمن میں حضرت سلمہؓ تقریباً جملہ مکروہ قسم کے کام ہیں۔ ان سے خود بھی اجتناب کرتے اور دوسروں کو بھی تلقین فرماتے کہ ایسے کاموں سے پناہ مانگیں جس سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی ناراضی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں

ایک واقعہ مشہور ہے کہ آپؒ کسی مرید کی شادی
میں شرکت کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ
میں آپؒ کی موٹر خراب ہوگئی دوسری موٹر کا
بندوبست ہونے تک آپ اسی موٹر میں تشریف
فرما رہے۔ اُس مقام پر بہت زور و شور کے ساتھ
لاؤڈ اسپیکر پر گانے بجائے جا رہے تھے جو ایک
مکروہ فعل ہے۔ آپؒ اپنے کانوں میں انگلیاں
رکھ لیں اور یہ انگلیاں اُس وقت تک نہیں نکالیں
جب تک کہ آپؒ وہاں سے رخصت نہیں ہوگئے۔

"کرامات"

حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کی کرامات کے بیان سے پہلے کرامات پر چند باتیں بیان کرنا ضروری ہیں۔ واضح ہو کہ اولیاء اللہ سے کرامات برحق ہیں۔ جس طرح نبیؑ سے معجزات برحق ہیں ویسے ہی ولی کامل سے کرامات خود بخود ظاہر ہوتے ہیں۔ ولی کی کرامت دراصل نبیؐ کا معجزہ ہوتا ہے۔

ذاکر حسن عبیدی اپنی کتاب مجموعہ خطبات جمعہ موسوم بہ خطبات موعظت مکمل جلد اوّل و دوم میں کرامت کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ: ع۱

> "بعض ولیوں کی ذات سے بطور اعزاز کے اللہ تعالیٰ ایسے کام ظاہر کرا دیتا ہے جن کو عام لوگ نہیں کر سکتے۔ اولیاء سے صادر شدہ ایسے کاموں کو کرامت کہتے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اولیاء کرام سے کرامت صادر ہونا حق ہے۔ لیکن ہر ولی سے کرامت صادر ہونا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس ولی سے صادر کرانا چاہتے ہیں کرا دیتے ہیں اور جس سے نہیں چاہتے اُن سے کرامت واقع نہیں ہوتی حالانکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بڑے مخصوص بندوں میں سے ہوتے ہیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جن سے کرامت صادر ہو صرف ولی ہوتے ہیں اور جن سے کرامت دیکھنے میں نہ آئے وہ

ع۱: خطبات موعظت، ذاکر حسن عبیدی صاحب، ص-۲۲۸-

اللہ کے مقرب اور ولی نہیں۔"

آپ آگے فرماتے ہیں کہ: ع۲

"پس یاد رکھیے کہ عرف عام میں جن باتوں کو کرامت سمجھا جاتا ہے ان کا صادر ہونا نہ تو ولی کی علامت ہے اور نہ ہر ولی سے کرامت واقع ہونا ضروری ہے اور کرامت حقیقہ یعنی خلاف عادت بغیر اسباب ظاہری و مخفی کے کوئی بات صادر ہونا یہ یقیناً مقبولیت کی دلیل ہے جو صرف عبد صالح سے ظہور میں آتی ہے۔"

مزید برآں فرماتے ہیں کہ: ع۲

"پھر اولیاء سے کرامت صادر ہونا تو حق ہے لیکن وہ کرامت دکھانے پر بذات خود قادر و مختار نہیں ہوتے کہ جب چاہیں اور جسے چاہیں کرامت دکھا سکیں۔ جس کو چاہیں اولاد و مراد دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں بلکہ ظہور کرامت کے لیئے وہ صرف درمیانی واسطہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کا واسطہ بنا لیتے ہیں پس اولیاء اظہار قدرت کا ایک درمیانی وسیلہ ہیں وہ خود کچھ نہیں کرتے ہیں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے کیئے سے ہوتا ہے۔"

ع۱ اور ع۲: خطبات موعظت، ڈاکٹر حسن محمد ی صاحب، ص-۲۲۹-

کرامت کا مشہور واقعہ حضرت عمرؓ کا بھی ہے کہ آپ جمعہ کے
دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ یا ساریہ الجبل —
اس وقت حضرت ساریہؓ جو سپہ سالار تھے۔ نہاوند میں دشمنوں
کے مقابلہ میں پہاڑ کے محاذ کی طرف سے غیر متوجہ تھے۔ حضرت عمرؓ
کی آواز سنکر پہاڑی محاذ پر ایک طاقتور دستہ روانہ کیا۔ وہی
کامیابی کا سبب بنا۔ مدینہ منورہ سے حضرت عمرؓ کا حضرت
ساریہ کو آواز دینا اور ان کا سننا یہ کتنی بڑی کرامت ہے۔
انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔ روح کا حقیقی
تعلق جوہر ملائیکہ اور ملاء اعلیٰ سے ہے لیکن روح جب
بدن سے متعلق ہو تو بدن کی تدبیروں میں اپنی اصلیت
سے غافل ہو گئی اور اس کا یہ جوہر اعلیٰ کمزور ہو گیا۔ لیکن
جب روح کو ایمان، معرفت خداوندی اور حب الٰہی
حاصل ہوتا ہے تو ملاء اعلیٰ کا انعکاس اس میں آجاتا ہے
اور وہ دوبارہ انوار قدسیہ کو لے کر عالم پر باذن الٰہی
تصرف کرتا ہے اور عادت کے خلاف کام انجام پاتے ہیں
اور اسی کو کرامت کہتے ہیں۔
حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ کا سب سے
بڑا شہکار کام زجاجۃ المصابیح عربی کا پانچ جلدوں ترتیب
دینا بہت بڑی کرامت ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی کرامت کہلائی جا سکتی
ہے۔ ایک علماء کی جماعت کا کام آپ نے تن تنہا انجام دیا ہے۔

اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ رح سے مختلف کرامتیں ظاہر ہوتی رہیں کچھ درج ہیں -

ایک صاحب بڑے فکر مند تھے - ان کی بیوی بیمار بیٹھ گئیں اسے کا نام ہی نہیں لیتی - وہ حضرت قبلہ رح کے پاس آئے عرض کرنے لگے - حضرت قبلہ نے اس بات کو کئی بار سنا اور اپنی ایک انگلی موڑ کر کہا جاؤ وہ انشاء اللہ آجائے گی - وہ آگئی - ایک صاحب نے حضرت کی حرکت کو تاک رہے تھے کہ آپ انگلی موڑ رہے ہیں - عرض کیا حضرت آپ نے انگلی کو موڑ کر ان سے کہا تو حضرت نے فرمایا میں نے اس کا دل موڑ دیا اور وہ آمادہ ہو گئی -

ایک صاحب کے سر میں ہمیشہ درد رہتا - ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کروا کر تھک گئے افاقہ نہیں ہوا - تنگ آکر حضرت قبلہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے - حضرت قبلہ نے سنکر کہا - میاں تیرنا چھوڑ دو - ان صاحب کو عجیب عادت تھی بالعموم راتوں کو تیرا کرتے تھے - لہٰذا تیرنا بند کر دیا اور سر کا درد جاتا رہا -

مرزا شکور بیگ کے الفاظ میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب کی یہ بھی ایک زندہ جاوید کرامت ہے کہ آج نقشبندی چمن جو کسی زمانے میں ویران و سنسان تھا، حضرت کی آخری آرام گاہ کے لیے منتخب کیا گیا جو تاج احمد الدولہ کے پاس واقع ہے۔ اس وقت میں حضرت کے ساتھ حاضر تھا مگر لوگ آپ کو کہیں اور جگہ کا زمین دلوانا چاہتے تھے۔ میرے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ مقام ناہموار ہے کسی بھی طرح کی سہولت نہیں ہے آخر یہ جگہ آپ کو کیسے پسند آئے گی۔ میرے اس خیال کے دل میں آتے ہی آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کیوں شکور بیگ یہ مقام اچھا ہے نا؟ فوراً میں نے بھی کہہ دیا۔ ہاں حضرت اچھا ہے۔ آپ نے اسی مقام کو اپنی پسندیدگی کی جگہ ٹھہرایا اور آج الحمدللہ یہ مقام نقشبندی چمن بنکر ابھرا۔ جہاں ہر قسم کی سہولت درکار ہے۔ یہ آپ کی کرامت نہیں تو اور کیا ہے کہ ویران جگہ کو منتخب فرما کر گل و گلزار بنا ڈالا۔

مرزا شکور بیگ حضرت عبداللہ شاہ صاحب کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ انہوں نے راقم الحروف کو بتلایا کہ ان کی شاعری کا رخ آپ نے اپنی کرامت سے موڑا ہے۔ مرزا شکور بیگ پہلے پہل مزاحیہ و طنزیہ شاعری کیا کرتے تھے۔ اور ادبی حلقوں میں طنز و مزاح کے شاعر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ باتوں ہی باتوں میں آپ نے

اُن سے فرمایا کہ آپ شاعری کا رُخ حضورؐ اور اسلام کی طرف
کیوں نہیں موڑتے۔ مرشد نے مرید کو کچھ اس انداز میں
تلقین کی کہ مرزا شکور بیگ کو سمجھنے کے لیے طنز و مزاح
سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی اور نعت گوئی کو
شعار بنایا۔ حضرت کی رضیعت بھری تلقین کا یہ فیضان
تھا کہ اردو ادب کو شکور بیگ کی شکل میں ایک
بہترین اسم نعت گو شاعر مل گیا۔

ایک اور موقع پر مرزا شکور بیگ نے
فرمایا کہ جس وقت میرے دل میں مرید ہونے کا خیال
پیدا ہوا اور حضرت عبداللہ شاہ کا نام سُنا تو مرید
ہونے کی نیت سے گیا مگر دل میں خیال آیا کہ مجھے الیسا
مرید ہونا نہیں ہے جیسے دوسرے حضرات ہوا کرتے ہیں
میں نے حضرت سے کہا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار
سے مشرف ہونا چاہتا ہوں اگر یہ ہو سکتا ہے تو مرید کریں۔
اس پر آپ نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی اور فرمایا بسم اللہ۔
اس طرح میں مرید ہو گیا جاتے وقت حضرت نے ایک وظیفہ
عنایت کیا اور کہا کہ رات میں عشاء کے بعد پابندی سے اسے پڑھا
کریں، وظیفہ پڑھنے کے کچھ ہی دن بعد عازم مکہ مدینہ ہوا جاتے وقت
حضرت سے ملاقات کی پھر دوبارہ حضرت نے تلقین کی کہ مدینہ منورہ
میں جالی مبارک کے پاس وظیفہ پڑھیں۔

جب میں وہاں پابندی سے حزب ہدایت پڑھنے لگا تو ایک دن مجھ پر بدحواسی کا عالم طاری ہو گیا اور میرے ہاتھ سے تسبیح چھوٹ گئی کچھ دیر کے بعد حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ آئے اور میرے دونوں شانوں کو پکڑ کر جھنجھوڑا حضرت ﷺ کی سواری آرہی ہے اور مجھے سرکار دو عالم ﷺ کے قدموں پر ڈال دیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عرش سے فرش تک نور ہی نور تھا۔ جب مجھ پر سے بدحواسی ختم ہوئی تو نہ حضرت قدس سرہ نظر آئے اور نہ ہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دکھائی دیئے میں نے دل میں خیال کیا کہ حضرت کی مدد سے میری خواہش و مراد اب پوری ہوئی۔

کرامتوں کے ضمن میں مرزا شکور بیگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب قدس سرہ کے ساتھ پابندی سے ظہر کی نماز باجماعت ادا کیا کرتا تھا۔ نماز کے بعد حضرت استراحت کیا کرتے تو میں ان کی خدمت میں حاضر رہتا۔ ایک دن آپ کی خدمت انجام دیتے ہوئے دل میں یہ خیال آیا کہ کاش آپ حضور نبی کریم ﷺ کے دیدار سے مشرف فرما دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا؟ اس خیال کا دل میں آنا ہی تھا کہ حضرت نے اپنی آنکھیں کھولیں اور ایک دوسرے مرید سے یوں مخاطب ہوئے کہ بابا لوگ حضور ﷺ کے دیدار کی بڑی تمنا کرتے ہیں لیکن انھیں یہ جان لینا چاہیئے کہ وہ سنتوں پر عمل نہیں کرتے

اگر وہ سنتوں پر عمل کرلیں تو اُن کے لیے ایسا ہی ہے جیسے انہوں نے حضورؐ کی زندگی میں دیدار سے مشرف ہوئے۔ شکور بیگ ان باتوں کو سن کر دل میں عہد کرلیا کہ وہ آپؐ کے قول کے مطابق اپنی ساری زندگی کو سنتوں میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے۔ [1]

---

[1] شخصی انٹرویو - مرزا شکور بیگ ؒ - ۱۵ اکتوبر ۹۲ء حیدرآباد -

انختِتَامِيَه

"اختتامیہ"

تصوف کا آج کل صرف نام رہ گیا ہے۔ میری مراد تصوف سے انکار نہیں ہے لیکن لوگوں نے تصوف کی جو صورت بنا رکھی ہے وہ در حقیقت تصوف نہیں بلکہ تصوف کی رسمی شکل ہے اندرونی مغز نہیں ہے۔ دین کی اصل روح اور اس کی جان احکام الٰہی کی اخلاص و محبت کے ساتھ پیروی کرنا ہے اگر یہ نہیں رہا تو پھر دین کہاں باقی رہا اگر دین اسلام حقیقی طور پر موجود ہے تو اس کو تصوف کہا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

جب ہم تصوف کے معنی اور اس کی حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں تو تصوف حرص و ہوا کی غلامی سے آزادی پانے، باطل کے مقابلہ میں جرأت، مردانگی دکھانے اور دنیاوی لذتوں کو مٹانے، اپنے مال کو دوسروں پر خرچ کرنے کا نام ہے مگر آج کے دور میں تصوف باقی نہیں رہا۔ نہ تصوف کے جاننے والے رہے اور نہ تصوف پر عمل کیا جا رہا ہے اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ تصوف کی امدت کو گھٹا دیا گیا اور اس کے تین پروردہ دنیا داری کے اصول رائج ہیں جس کو تصوف کا نام دیا گیا ظاہراً شکل و صورت تصوف کے مطابق بنا لیتے ہیں اور باطناً تصوف کا فقدان نظر آتا ہے۔

چنانچہ مشائخین وعلماء دین سے کم اور دنیا سے بہت زیادہ شغف رکھنے والوں میں شمار کیئے جانے لگے ہیں۔

تصوف کا مقصد اور اس کی تعلیمات یہ ہیں کہ دنیا میں مسافر اور پردیسی کی طرح رہو یہاں کی لذتوں میں گرفتار نہ ہو جاؤ جو انسان کے حقیقی دشمن ہیں۔ نفس امارہ خواہشات نفسانی غضب حرص لالچ گھمنڈ پر قابو پالیا جائے تو نفس مطمئنہ حاصل ہوتا ہے اور یہ نفس مطمئنہ کسی سے نفرت نہیں کرتا بلکہ دوسروں کی خدمت کے لیئے ہوتا ہے تصوف کے سارے مجاہدات کا خلاصہ یہ ہے کہ پیار محبت پیدا کی جائے کینہ کپٹ اور دشمنی کی سیاہی سے دل کا آئینہ پاک صاف رہتا ہے اور تصوف کا مقصد بھی اسی کے سوا اور کچھ نہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اگر کوئی اللہ سے محبت کا دم بھرتا ہے اور اس کی مخلوق سے نفرت کرتا ہے تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔

صوفیاء کی زندگیوں کا جب ہم گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو مندرجہ بالا صفات میں وہ آگے آگے دکھائی دیتے ہیں کہ وہ تمام انسانوں مسکینوں فقیروں اور دردمندوں کے دکھ کو بانٹتے تھے ان کی خدمت کرنے میں سچی خوشی محسوس کرتے تھے یہی وہ اعمال تھے جنھوں نے ان کو عوام کے

ہر طبقے میں مقبول عام بنا دیا تھا۔ چنانچہ آج کے اس اضطراب آمیز
دور میں تصوف کوئی اہم راستہ دکھانے میں معاون بن سکتا ہے
تو یہی ہے کہ مخلوق خدا کے ساتھ بھائی چارہ اور میل جول کا
راستہ اختیار کیا جائے۔ بالفاظ دیگر پیغام انسانیت اور
صوفیانہ تحریک آج کی سماجی و سیاسی زندگی کی ضرورت ہے۔
کیوں کہ یہ تحریک انسان کو انسان بنانا سکھاتی ہے جو آج
کے دور میں ناپید ہے۔

تصوف ایک مکتب فکر اور ایک طرز زندگی کا نام ہے
تصوف کے کئی سلسلے وجود میں آئے ان میں سے کسی سلسلے
کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہوئی کیونکہ ہر ایک کا منشاء
یہی ہے کہ وہ ایک خدا کی عبادت کرے اور اس کی ذات میں
کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اس کے علاوہ سنت رسول کی
سختی کے ساتھ عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرے
اس کے راستے میں درپیش مشکلات کا سامنا کرے تاکہ
اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو اور وہ راضی ہو جائے۔ اسطرح
اللہ تعالیٰ کو جاننے پہچاننے کی کوشش میں کئی صدیاں گذر گئیں
سینکڑوں خانقاہ وجود میں آئے کسی نے اپنے طریقے کی
حد سے تلاش کرنا چاہا کسی نے سخت مجاہدوں اور ریاضتوں
کو وسیلہ بنایا کوئی مظاہر کی پرستش کرنے لگا مگر یہ ایسا
عالم اسرار ہے کہ ہزار کوشش کے باوجود ایک پردہ اٹھتا ہے

تو دس پردے پڑ جاتے ہیں۔ ایسے میں یہ کسطرح کہا جا سکتا ہے
کہ کوئی مخصوص سلسلہ کسی دوسرے سلسلے سے بازی لے جاتا ہے
یا فوقیت رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ جس سلسلے سے
تعلق رکھتے ہیں اس سلسلے کی تعلیمات اور اس میں پائے
جانے والا تصوف کوئی الگ نہیں ہے بلکہ اس کی بھی وہی
خصوصیت ہے جو دوسرے سلاسل کے تعلیمات اور تصوف
سے متعلق ہے۔ حقیقت میں ساری کائنات کا خالق لازوال
اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ہر وجود کا مدار اسی پر ہے اگر کوئی شخص
کسی دوسرے شخص کی محبت کا دم بھرے اور اس کے بجول
سے نفرت کرے تو وہ دوست کہلانے کا مستحق نہیں۔
اسی میں تصوف اور صوفیاء کے پیغام کا سارا خلاصہ
آجاتا ہے جو تمام سلسلوں سے متعلق ہے بقول شاعر:

رستے الگ الگ ہیں ٹھکانہ تو ایک ہے
آواز مختلف ہے مگر بولتا ہے ایک

تمام سلاسل کے بزرگوں کی یہی تعلیمات ہیں کہ وہ سب کو
اللہ کی عبادتوں اور اس کے حبیب پاک سے محبت و قربت
کے علاوہ مخلوق خدا کی ہمدردی و محبت کرنا سکھاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ نے مسکینوں کی مدد کرنے

دردمندوں کا مداوا کرنے، بھوکوں کو کھانا کھلانے، امن و بھائی چارہ کا درس، قناعت، توکل، تسلیم و رضا اور صبر و استقامت کی تعلیم دی۔ خاص طور پر آپؒ کی تعلیمات میں بندے کو اس کی غفلتوں کا بھرپور احساس بھی دلایا گیا ہے اور اسے خوف خدا اور آخرت کا ڈر دلایا گیا تاکہ بندہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اپنے آخرت کی منزل کو بہتر بنا و خوبی سنوار سکے۔

حضرتؒ کی تعلیمات میں یہ درس دیا گیا ہے کہ اس دو روزہ زندگی کو دائمی زندگی سے حقیر جانیں اور صرف رضائے الٰہی کو مشعل بنالیں تاکہ آخرت میں شرمندگی کی نوبت نہ آئے اور سارا ٹھکانہ جنت الفردوس قرار پائے۔ آپؒ کی تعلیمات سے آج کی دنیا کو بہت کچھ سیکھنے ملتا ہے

حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کے بعد اس سلسلے کو آپؒ کے فرزند اکرم الوالد کمات حضرت سید خلیل اللہ شاہؒ نے باقی رکھا اور آپؒ کے بعد موجودہ متولی نشین الوالد سید انوار اللہ شاہ صاحبؒ برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

آپؒ کی تصنیفات میں طرز تحریر نمایاں خصوصیات کے حامل تھیں جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ تصنیفات کی اہمیت اور ان کی افادیت کا جائزہ بھی متعلقہ ابواب میں موجود ہے۔ جہاں آپؒ کی جملہ تصنیفات پر

الگ الگ اظہار خیال کیا گیا ہے ہر تصنیف اپنی مثال آپ ہے جس میں آپؒ نے اپنی تعلیمات کو پیش نظر رکھا ہے۔ بات کو واضح اور پُر مغز بنانے کے لئے حکایتوں سے بھی کام لیا گیا ہے ہر تصنیف کا یہی مقصد ہے کہ خوف الٰہی اور آخرت کا ڈر پیدا کیا جائے تاکہ بندہ گناہ سے بچا رہے اور نیکی کی طرف راغب ہو کر اپنا دائمی ٹھکانہ جنت الفردوس حاصل کرے۔ کہیں میں سالک کو سلوک کی تفصیل سے روشناس کرواتے ہیں، کہیں خوف خدا کی تعلیم دے رہے ہیں کہیں رضائے الٰہی میں جان کی بازی لگانے کی تلقین کر رہے ہیں۔ کہیں محب اور محبوب کے فرق کو واضح کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہؒ اپنی زندگی میں جو عظیم کام انجام دیا وہ احادیث کا کام ہے۔ جس کی بناء آپؒ کو دنیا میں مستند عالم و فقیہی مانا گیا ہے۔ اسی کی وجہ سے آپؒ نے سارے عالم میں محدث دکن کے نام سے شہرت پائی۔ خود آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے زندگی تمام کوئی کام انجام نہیں دیا اگر کوئی کام کیا ہوں تو وہ زندگی بھر کا عظیم اثاثہ احادیث احناف کا کام ہے۔

کتابیات

کتابیات

نمبر شمار	نام مصنف/مرتب	کتاب کا نام	مطبع/ناشر	مقام اشاعت	ایڈیشن	سن اشاعت
۱-	مترجم اشرف علی تھانوی	قرآن مجید				
۲-	تجرید بخاری	صحیح بخاری شریف				
۳-	امام ولی الدین	مشکوٰۃ شریف	اعتقاد پبلشنگ	نئی دہلی	-	۱۹۸۷ء
۴-	کلیم قریشی	آبروئے دکن خصوصی نمبر	منیار بکڈپو	چارکمان حیدرآباد	اول	-
۵-	ڈاکٹر محمد عبدالستار خان نیازی	سوانح مبارک مع ارشادات	؍؍	حیدرآباد	ثانی	۱۳۸۴ھ
۶-	محمد علیخاں مجددی القادری	مقدس حالات زندگی	پیر سنز پریس	؍؍	اول	۱۳۸۴ھ
۷-	سید عبدالرؤف صافی	مرقع حسنات	منیار بکڈپو	؍؍	؍؍	۱۹۶۵ء
۸-	عبدالصمد صارم الازہری	تاریخ تصوف	ادارہ علمیہ	لاہور	؍؍	۱۹۶۹ء
۹-	عبدالباری	تجدید تصوف وسلوک	اشرفیہ	-	-	۱۹۷۳ء
۱۰-	ضیاء الحسن فاروقی	ہندوستان میں تصوف	آل احمد سرور	-	اول	۱۹۷۲ء
۱۱-	ڈاکٹر تارا چند	تمدن ہند پر اسلامی اثرات	مجلس ترقی ادب	لاہور	؍؍	۱۹۶۶ء
۱۲-	ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری مترجم ابوالحسنات سید محمد احمد قادری	کشف المحجوب	اسلامک بک فاؤنڈیشن	معارف پرنٹنگ پریس لاہور	-	۱۹۷۸ء
۱۳-	سید ولی الدین	قرآن اور تصوف	-	دہلی	-	۱۹۷۸ء
۱۴-	بشیر احمد ڈار	تاریخ تصوف	ادارہ ثقافت اسلامیہ	لاہور	اول	۱۹۶۲ء
۱۵-	نسیم الدین	دکن کے صوفیانہ گیت	مقالہ ایم فل غیر مطبوعہ	حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی	-	۱۹۹۲ء
۱۶-	حکیم محمود بخاری	شجرہ مبارک اولیاء خاندان اور تصوف	کھڑے شاہ بخاری	کھڑپہ	-	۱۹۵۸ء

سلسلہ شمار	نام مصنف/مرتب	کتاب کا نام	مطبع/ناشر	مقام اشاعت	ایڈیشن	سن اشاعت
۱۷-	پروفیسر آل احمد سرور	ہندوستان میں تصوف	انٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ	دہلی	اول	۱۹۸۷ء
۱۸-	حضرت عبداللہ شاہ صاحب نقشبندیؒ	گلزار اولیاء	سنیار بکڈپو	حیدرآباد	؍؍	۱۳۳۴ھ
۱۹-	؍؍ ؍؍ ؍؍	گلدستہ طریقت	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۴۸ھ
۲۰-	؍؍ ؍؍ ؍؍	علاج السالکین	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۵۵ھ
۲۱-	؍؍ ؍؍ ؍؍	کتاب المحبۃ	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۶۹ھ
۲۲-	؍؍ ؍؍ ؍؍	مواعظ حسنہ	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۷۴ھ
۲۳-	؍؍ ؍؍ ؍؍	قیامت نامہ	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۷۶ھ
۲۴-	؍؍ ؍؍ ؍؍	نور المصابیح اول	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۷۷ھ
۲۵-	؍؍ ؍؍ ؍؍	معراج نامہ	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۷۸ھ
۲۶-	؍؍ ؍؍ ؍؍	سلوک محمدیہ	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۷۸ھ
۲۷-	؍؍ ؍؍ ؍؍	نور المصابیح دوم	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۸۰ھ
۲۸-	؍؍ ؍؍ ؍؍	میلاد نامہ	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۸۱ھ
۲۹-	؍؍ ؍؍ ؍؍	شہادت نامہ	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۸۳ھ
۳۰-	؍؍ ؍؍ ؍؍	فضائل نماز	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۸۳ھ
۳۱-	؍؍ ؍؍ ؍؍	نور المصابیح سوم	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۸۳ھ
۳۲-	؍؍ ؍؍ ؍؍	فضائل رمضان	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۸۳ھ
۳۳-	؍؍ ؍؍ ؍؍	نور المصابیح سوم	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۸۴ھ
۳۴-	؍؍ ؍؍ ؍؍	نور المصابیح ہفتم	؍؍	؍؍	؍؍	۱۳۹۳ھ

سلسلہ نمبر	نام مصنف/مرتب	کتاب کا نام	مطبع/ناشر	مقام اشاعت	ایڈیشن	سن
۳۵-	حضرت عبداللہ شاہ نقشبندیؒ	نور المصابیح حصہ ششم	منیار بکڈپو	حیدرآباد	اول	۱۴۰۷ھ
۳۶-	〃 〃 〃 〃 〃	〃 پنجم	〃	〃	〃	۱۴۰۷ھ
۳۷-	〃 〃 〃 〃 〃	〃 ششم	〃	〃	〃	۱۴۰۸ھ
۳۸-	سید محمد انظر شاہ کشمیری	حیات انور	-	کشمیر	〃	-
۳۹-	ڈاکٹر حسن عبیدی	خطبات موعظت	-	-	اول و دوم	-
۴۰-	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	خطبات بہاولپور				
۴۱-	ڈاکٹر میر ولی الدین	خواجہ بندہ نواز کا تصوف	-	دہلی	اول	۱۹۶۶ء
۴۲-	عبداللہ غوث	اسلامی تصوف	-	لاہور	〃	۱۹۹۰ء
۴۳-	غلام محمد یحییٰ شاہ نظامی	تحفہ سالکین	حیدرآباد	حیدرآباد	〃	۱۹۸۹ء
۴۴-	عبداللہ غوث	تعلیمات تصوف	کراچی	کراچی	〃	۱۹۹۰ء
۴۵-	محمد حسام الدین	خلفائے راشدین	حیدرآباد	پنجہ شاہ	〃	۱۹۹۳ء
۴۶-	خواجہ حمید احمد حسنی	سید النبی صلعم	شاہ گنج	حیدرآباد	〃	۱۹۹۰ء
۴۷-	غلام محمد یحییٰ نقشبندی	ناصر الطلاب کتابچہ	محلہ بازلہ	حیدرآباد	〃	۱۹۸۹ء
۴۸-	〃 〃 〃 〃	نگار دانش	غیر مطبوعہ	〃	〃	۱۹۹۵ء
۴۹-	〃 〃 〃 〃	السلاغ	اعجاز پریس	〃	〃	۱۹۹۴ء
۵۰-	خواجہ عبدالحمید	جامع اللغات اردو	-	لاہور	〃	۱۹۳۵ء
۵۱-	ضمیر الدین	فیروز اللغات اردو کشندی	جے ایس سنگھ	دہلی	〃	—
۵۲-	زاہد القادری	خاتون جنت	آستانہ بک ڈپو	نئی دہلی	〃	〃
۵۳-	مرزا شکور بیگ	اخبار سیاست	حوالہ لالہ رودہ	حیدرآباد	۲۱ر اکتوبر ۹۲ء	روز شنبہ ۹۲ء
۵۴-	〃 〃 〃	شخصی انٹرویو	بازار گھاٹ	حیدرآباد	۱۵ر اکتوبر	۱۹۹۲ء

Appendix

منسلکات

کاروان زندگی حضرت قبلہؒ

۱۔ ولادت باسعادت یوم الجمعہ دس ذی الحج ۱۲۹۴ھ
م ۱۰ر جون ۱۸۷۱ء پانچ ساعت صبح عمل میں آئی۔

۲۔ تقریب تسمیہ خوانی بدست حضرت عافیت شاہ
افغانی ثم المدنی ؒ ۱۲۹۶ھ

۳۔ تحصیل علم ۱۲۹۶ — ۱۳۱۷ھ

۴۔ عطاء سند حدیث شریف از مولانا عبدالرحمٰن سہارنپوری وطناً
وحیدرآبادی مدفناً (درخط صالحین) ۱۳۱۷ھ

۵۔ سفر حج و زیارت مدینہ منورہ (۱۹۰۰ء) ۱۳۲۰ھ
(بعہد خلافت عثمانیہ ترکی)

۶۔ تکمیل تالیف زجاجۃ المصابیح (عربی) در پنج مجلدات۔

۷۔ زجاجۃ المصابیح (عربی) جلد اوّل ۱۳۷۳ھ م ۱۹۵۳ء

۸۔ ،، ،، ،، جلد دوم ۱۳۷۵ھ م ۱۹۵۵ء

۹۔ زجاجۃ المصابیح (عربی) جلد سوم ۱۳۷۷ھ م ۱۹۵۷ء

۱۰۔ " " " جلد چہارم ۱۳۷۹ھ م ۱۹۵۹ء

۱۱۔ " " " جلد پنجم ۱۳۸۰ھ م ۱۹۶۰ء

۱۲۔ بیعت بدست حق پرست سید محمد پادشاہ بخاری"
نقشبندی و قادری ۱۳۲۰ھ

۱۳۔ عطائے خلافت از حضرت بخاری شاہ صاحب قدس سرہ
۱۳۲۷ھ

۱۴۔ اشاعت نور المصابیح (اردو ترجمہ زجاجۃ المصابیح)
حصہ اول ۱۹۵۹ء

۱۵۔ اردو ترجمہ نور المصابیح اشاعت حصہ دوم ۱۹۶۱ء

۱۶۔ " " " " " حصہ سوم ۱۹۶۲ء

۱۷۔ " " " " " حصہ چہارم ۱۹۶۲ء

۱۸۔ " " " " " حصہ پنجم بعد وصال حضرت قبلہ"

۱۹۔ " " " " " حصہ ششم " " " "

۲۰۔ " " " " " حصہ ہفتم " " " "

۲۱۔ " " " " " حصہ ہشتم " " " "

۲۲۔ " " " " " حصہ نہم زیر تکمیل ہے۔

۲۳ - تالیف گلزار اولیاء ۱۳۳۴ھ

۲۴ - تفسیر یوسف نامہ ۱۳۴۸ھ

۲۵ - علاج السالکین - ۱۳۵۵ھ

۲۶ - کتاب المنحۃ - ۱۳۶۹ھ

۲۷ - مواعظ حسنہ حصہ اول ۱۳۷۴ھ

۲۸ - قیامت نامہ ۱۳۷۶ھ

۲۹ - معراج نامہ ۱۳۷۸ھ

۳۰ - سلوک مجددیہ ۱۳۷۸ھ

۳۱ - میلاد نامہ ۱۳۸۱ھ

۳۲ - فضائل نماز ۱۳۸۲ھ

۳۳ - شجاعت نامہ ۱۳۸۳ھ

۳۴ - فضائل رمضان ۱۳۸۳ھ

۳۵ - مواعظ حسنہ حصہ دوم ۱۴۰۳ھ بعد وصال -

۳۶ - عطاء خلافت برسید شاہ خلیل اللہ علیہ الرحمہ و دیگر
بیعت مریدین ۱۳۸۰ھ م ۱۹۶۲ء

۳۷ - وصال مبارک یوم پنجشنبہ ۱۸ ربیع الثانی ۸ ½ ساعت صبح ۱۳۸۷ھ
م ۲۷ اگست ۱۹۶۷ء بمقام حسینی علم حیدرآباد دکن -

"معمولات شب و روز و دیگر"

۱ - ادائی نمازہائے پنجگانہ بہ امامت نفس نفیس : مسجد علی آقا حسینی علم -

۲ - اوقات ملاقات برائے خواتین : بہ مکان خود ۱۱ تا ۲ ساعت دن -

۳ - اوقات ملاقات برائے مردانہ : بہ مسجد علی آقا حسینی علم درمیان نماز ظہر و عصر -

۴ - توجہ و مراقبہ اور حلقہ ذکر : بعد نماز فجر بہ مسجد علی آقا حسینی علم در حلقۂ مریدین دیڑھ گھنٹہ -

۵ - تلاوت کلام پاک : بعد حلقۂ ذکر -

۶ - وظیفۂ حزب اعظم : (دعاؤں کی کتاب)

۷ - تناول طعام دو وقت : صبح اور بعد مغرب

۸ - املاء اور جوابات خطوط : بعد طعام شب قبل نماز عشاء

۹ - نماز عشاء : رات ساڑھے دس بجے -

۱۰ - نماز تراویح : بہ مسجد علی آما حسینی علم

۱۱ - نماز تہجد : باجماعت درعشرہ آخیر ماہ رمضان -

۱۲ - نماز جمعہ : مکہ مسجد تاریخی حیدرآباد دکن -

۱۳ - نماز عیدین : عیدگاہ واقع نزد تالاب میر عالم

"ایک تعارف ایک جائزہ"

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خان صاحب

سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ

خلف حضرت محدث دکن قدس سرہ -

حضرت شیخ طریقت محدث دکن قدس سرہ نے درج ذیل

حضرات کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا -

۱۔ مولانا ابوالبرکات حضرت سید خلیل اللہ شاہ صاحب (فرزند اکبر)

۲۔ مولانا سید رحمت اللہ شاہ صاحب (فرزند اصغر)

۳۔ مولانا سید عبدالروف صاحب

۴۔ حضرت غلام جیلانی صاحب

۵۔ حضرت صدیق حسین صاحب

۶۔ حضرت جناب میر لطف علی خاں صاحب

۷۔ جناب عبدالرزاق صاحب ملیح

۸۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ درجہ ذیل سطور میں ڈاکٹر صاحب کا مختصر سا تعارف پیش کیا جارہا ہے جو ان دنوں شکاگو امریکہ میں مقیم ہیں۔ فقہ اور حدیث پر کام انجام دے رہے ہیں۔ ان کے تعارف کو پیش کرنے کی دو وجوہات ہیں۔

۱۔ "محدث دکن قدس سرہ کی تامل قدر تصنیف زجاجۃ المصابیح کی طباعت و اشاعت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ عربی ایڈیشن کی طباعت کے وقت انہوں نے دو مرتبہ پوری کتاب اپنے مرشد گرامی کو سنائی، تیسری بار اپنے استاذ محترم مولانا ابوالوفاء افغانی رح کو سنائی، پانچویں جلد کے باب مناقب سیدنا ابوبکر صدیق رض تک پہنچے تھے کہ علامہ افغانی علیل ہوگئے اور ۱۹۷۵ء میں ان کا وصال ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب نے حیدرآباد شہر کی ایک مسجد میں ہر اتوار کو اس کتاب کا درس دینا شروع کیا اور اس طرح تدریسی دور بھی مکمل ہوگیا۔

بھر مولانا مدثر الدین شیخ الادب جامعہ نظامیہ
حیدرآباد دکن نے ترجمہ کی پہلی دو جلدیں نور الصباح
کے نام سے مکمل کیں تو اس پر نظر ثانی کا کام بھی
ڈاکٹر مولوی محمد عبد الستار خاں صاحب سابق صدر شعبہ
عربی جامعہ عثمانیہ اور چند دیگر حضرات نے انجام دیا۔
اب تک اردو ترجمہ کی آٹھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔
ان میں بھی ڈاکٹر صاحب کا نمایاں حصہ ہے۔

ڈاکٹر محمد عبد الستار خاں صاحب کی تحریک
پر ہی فرید بک اسٹال لاہور کی طرف سے زجاجۃ الصباح
(عربی) اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے۔
ہمارے فاضل دوست مولانا حافظ شاید اقبال
عربی اور اس کے سامنے اردو ترجمہ کی ترتیب لفظ
بعض مقامات پر ضروری حواشی لکھنے کا کام انجام
دے رہے ہیں اس سلسلے میں جناب سید جنید
ان کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کو اپنے پیر و مرشد گرامی اور ان کی تصنیف
زجاجۃ المصابیح کے ساتھ کسقدر والہانہ لگاؤ ہے۔ حقیقت
یہ ہے کہ مرید صادق کو اپنے مرشد کامل متبع شریعت کے
ساتھ ایسی ہی عقیدت ہونی چاہئیے کہ وہ فنا فی الشیخ کے مقام کو
پہونچ جائے۔ تب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انوار و برکات کے
دروازے کھلتے ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں صاحب کی اپنے شیخ سے والہانہ
عقیدت و محبت کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے مرشد گرامی کا تفصیلی
تذکرہ مرتب کیا ہے۔ جو واقعی انھیں کو حق پہونچتا ہے۔ اس تذکرہ
میں انہوں نے محدث دکن حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہؒ
کا خاندانی پس منظر، سوانح حیات، تحصیل علم، بیعت و سلوک،
اجازت و خلافت، شب و روز کے معمولات، سوز و گداز،
اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم صلعم کی محبت و اطاعت، مسلک
اہل سنت اور فقہ حنفی کی خدمات جلیلہ، تبلیغ دین اور رشد و
ہدایت، اولاد امجاد اور خلفاء و مریدین کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

اور اس طرح بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے شیخ طریقت
محدث دکن کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کا
ذریعہ فراہم کر دیا ہے۔

ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں صاحب ۲۸ اکتوبر
۱۳۴۳ھ م ۱۹۲۴ء کو حیدرآباد دکن سے اٹھارہ میل
دور ایک گاؤں مدیرم میں پیدا ہوئے ان کا سلسلہ
نسب اس طرح ہے۔ ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں بن محمد
اسماعیل خاں ابن محمد یسم اللہ خاں ابن ابراہیم خاں
ابن بڑے خاں۔ ان کے جد اعلیٰ بڑے خاں، قندہار
افغانستان سے سلطنت آصفیہ کے قیام کے کچھ
عرصہ بعد حیدرآباد دکن آکر مدیرم گاؤں میں قیام
پذیر ہوئے یہیں ڈاکٹر صاحب کی ولادت ہوئی،
بچپن میں گھریلو ماحول اسلامی آداب اور مشرقی تہذیب
و شرافت کے رنگ میں رنگا ہوا ملا۔ اسکول سے لے کر
لونیورسٹی تک تعلیم حاصل کی، قراءت کے بعد جامعہ
عثمانیہ کے استاذ مقرر ہوئے یہاں تک شعبہ
عربی کے صدر رہے۔

حضور صلعم کی سنت کے مطابق داڑھی سر پر عمامہ
پابند صوم وصلوٰۃ بزرگان دین کے ساتھ عقیدت مزاج میں
سادگی اور وضعداری حسن اخلاق سے آراستہ تبلیغ دین کے
جذبے سے سرشار مرشدگرامی کے انتہائی عقیدت مند
حنفیت کے دلدادہ زجاجۃ المصابیح کی اشاعت اور اس
کے اردو اور انگریزی ترجمہ کے لیے دن رات فکرمند گذشتہ
سال حج و زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد لاہور تشریف
لائے تو خاص طور پر حضرت داتا گنج بخش لاہوری اور حضرت
میاں میر قدس سرہ کے مزارات پر احترام سے حاضری دی۔

ان کی شخصیت کی تعمیر میں پہلے تو گھر کے دینی ماحول کا
دخل ہے پھر انھیں ایسے اساتذہ اور مشائخین کرام ملے۔ جن کی
تعلیم و تربیت کا ان پر گہرا اثر ہے۔ حکومتی تعلیم کے دوران ہی
قاری عبدالرحمٰن جموی اور حافظ قاری ولی اللہ سے قرارت عشرہ کی
تعلیم حاصل کی۔ ابھی میٹرک تک تعلیم مکمل نہیں کی تھی کہ ۱۹۴۰ء
میں محدث دکن مولانا سید عبداللہ شاہؒ سے بیعت ہوئے اور
ان سے ذکر الٰہی حاصل کیا۔ ان کے علاوہ علامہ ابوالوفاء افغانیؒ
(م ۱۹۷۵ء) سے علمی استفادہ کیا۔

سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ مولانا جمیل احمد کی خدمت میں بھی حاضری دیتے رہے اور روحانی استفادہ کرتے رہے۔

ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں صاحب کے چند معروف اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا حافظ سید مقصود علی خیرآبادی (شاگرد علامہ عبدالحق خیرآبادی)۔
۲۔ پروفیسر مناظر احسن گیلانی۔
۳۔ مولانا محمد عبدالباری ندوی۔
۴۔ مولانا سید ابراہیم اریب۔
۵۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالحق۔
۶۔ مولانا سید نبی مولف منہاج العربیہ۔
۷۔ مولانا سید عثمان جعفری الہ آبادی وغیرہم۔

ڈاکٹر صاحب کی اہل اللہ سے عقیدت کا یہ عالم ہے کہ جہاں سے انہیں روحانی فیض ملا مرشدگرامی کے وصال کے بعد دہلی کے مجددی سلسلہ کے بزرگ مولانا ابوالحسن زید فاروقی سے وابستہ ہیں اور اکتساب فیض حاصل فرماتے ہیں۔

آجکل ڈاکٹر صاحب اپنے صاحبزادے امان اللہ خاں امجد کے پاس شکاگو امریکہ میں مقیم ہیں اور دین متین کی بیش از بیش خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تکمیلی وضاحتیں

پیغمبر: پیغمبر یا رسول وہ عالی فطرت انسان ہے جو وحی الٰہی سے ممتاز ہوتا ہے۔ پیغمبر بے خطا بے گناہ معصوم صادق اور امین ہوتا ہے تاکہ تبلیغ الٰہی کی صحت خلق اور اُمت پر تمام ہو سکے تاکہ پیغمبر کی دعوت اور اس کی تبلیغ و قبول میں سہولت و تقویت ہو۔ خدائے تعالیٰ اس کو معجزات عطا فرماتا ہے۔

رسول صاحبِ شریعت تازہ ہوتا ہے اور نبی تابع رسول۔

پیغمبر صاحب وحی مصلح کے مدنظر خیر دنیوی ہوتا ہے اور خدائے تعالیٰ پیغمبر کے توسط سے خیر دارین اور بہبودی دنیا و آخرت اور صلاح و فلاح عطا فرماتا ہے۔ نبی صاحب وحی ہوتا ہے جو قطعی و یقینی امر ہے۔ نبی دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ نبی صفات طیبہ و فضائل خصائل سے آراستہ ہوتا ہے۔ اُمت کی فلاح دارین کے سوا ان کی ذاتی غرض کچھ نہیں۔

ولی اللہ : "ولی کے معنی دوست کے ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کو دوست رکھتے ہیں۔ اولیاء کہلاتے ہیں۔ البتہ ایک وقت وہ آتا ہے کہ اطاعت شعار اور عبادت گذار بندہ کو اللہ تعالیٰ بھی دوست رکھنے لگتا ہے۔ اور یہ ماعدہ کلیہ ہے کہ جب کسی سے مسلسل محبت و الفت کی جاتی رہے تو محبوب بھی اپنے عاشق کو دوست رکھنے لگتا ہے۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ: "ایک بزرگ کو جستجو ہوئی کہ کسی ولی اللہ کو تلاش کر کے اس کی صحبت سے فیض حاصل کیا جائے۔ چنانچہ اس جستجو میں انہوں نے استخارہ کیا اور رات کو خواب میں دیکھا کہ نماز فجر میں امام کے داہنی طرف تمہارے قریب جو شخص آکر نیت باندھے وہ ولی اللہ ہے۔ چنانچہ وہ بزرگ اللہ کے دوست سے صحبت اختیار کرتے ہیں اور خود بھی محبوب حقیقی سے جا ملتے ہیں۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں حضرت انسان کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اشرف المخلوقات کا شرف بخشا حاجتیں بھی دیں اور اپنی دوسری مخلوق کی ان کی حاجت براری کے لئے پیدا کیا۔ بے شک

۱: بحوالہ کتاب: تذکرہ خواجہ گیسو دراز از خواجہ صاحب قبلہ ص 95۔

علم و حکمت اللہ تعالیٰ کے صفات ہیں۔ جو ملائکہ اور انبیاء سے زیادہ حضرت انسان کو جو لقدر سمت اوست عطا ہوئی ہیں۔ گویا یہ خلافت کی پیش بندی تھی۔ معلوم ہوا کہ خلافت انہی کو دی جاتی ہے جو علم و فراست کو اپنی خداداد صلاحیتوں میں سمو لے اور اپنی احتیاج کی گرہ کو ناخن تدبیر سے کھولے پھر اپنے بندوں کو اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اپنے وجود در پردہ کا پتہ پہونچایا۔ پھر اپنی قدرت کے بے پناہ کرشموں سے یقین کی منزلیں طے کروائی۔ ایمان لانے والے ایمان لائے اللہ پر اس کے رسولوں پر اس کی کتابوں پر اس کی قدرت کاملہ پر اس کی ذات و صفات پر اس کے فرشتوں پر اس کے در پردہ وجود پر۔ بالآخر جنھوں نے علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین کی منزلیں طے کر لیں تو خود اللہ اور اللہ کے رسول صلعم کے محبوب ہو گئے۔ ان کا ایمان شک و شبہ سے پاک و بالاتر ہے اور یہ منزلیں پس پشت ہو جاتی ہیں۔ اور جو راضی بہ رضا ہو جاتے ہیں تو ان میں ایک اور وصف بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کے علم اور عمل سے ایمان ظاہر ہونے لگتا ہے اور دوسرے ایمان والے کے لئے تجدید ایمان کا ثبوت فراہم کرتا ہے ایسے ہی خاص اولیاء اللہ ہوا کرتے ہیں۔

محدث : محدث کے لغوی معنی حدیث کو ترتیب دینے والے کے ہیں۔ جن کی تعداد کم از کم سوا لاکھ ہے۔ یوں تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے اقوال مبارکہ کی تصحیح، جب بھی آپ ؐ صحابہ کرام کو کوئی بات بتلاتے تو حدیث کے ذمرے میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کا ایک چلتا پھرتا عملی نمونہ تھے۔ آپ ؐ سے جو بھی میدان عمل میں حرکات وسکنات سرزد ہوئے۔ ان کی راویوں نے حدیث کی شکل دے ڈالی۔ ان راویوں مستند و معتبر بخاری مسلم شامل ذکر ہیں۔ جنھوں نے آپ ؐ کو قریب سے دیکھا اور آپ ؐ کے ہر ادا و قول کو نوٹ فرمایا تھا۔ اس کے بعد دیگر راویوں میں مشکوٰۃ ابن ماجہ ابن کثیر امام ولی الدین ترمذی شامل ہیں۔ جنھوں نے آپ ؐ کی تقلید فرمائی ہے۔

محدث وہ جو اپنے وجود میں متاخر ہو یعنی پہلے نہ تھا پھر ہوا۔ چنانچہ حضرت قبلہ الوالحسنات سید عبداللہ شاہ قادری محدثی و نقشبندی بھی اس خصوص میں محدث دکن کہلائے۔ اس خصوص میں آپ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔

قطب: وہ ایک فرد جو ہر زمانہ میں نظر خداوندی کا محل ہوتا ہے۔
قطب عالم وجود میں اس طرح ہے جیسے روح بدن میں۔
قطبستہ الکرای' قطب الاقطاب کے مرتبہ کا نام ہے اور
اس سے مراد نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہے۔

ابدال: "قطب کے مرتبہ کے بعد چند اولیاء اللہ ایسے ہیں جو
بارگاہ الٰہی کے سرہنگ اور ارباب حل وعقد ہیں۔ یہ صرف
چالیس افراد ہیں۔ جن میں سے بائیس (۲۲) شام میں، اٹھارہ (۱۸)
عراق میں۔ جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا تو ان کی جگہ اللہ
دوسروں کو بدل فرما دیتا۔" [1]

ابو درداء سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے چند بندے
ہیں کہ انھیں ابدال کہتے ہیں جو مرتبہ انھیں عطیب ہوا ہے۔ وہ
روزہ، نماز، خشوع و خضوع حسن ظاہری سے نہیں ہوا بلکہ خالص
تقویٰ، نیت حسنہ اور سلامت صدر اور تمام مسلمانوں پر رحمت
کی وجہ سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے علم کے ساتھ برگزیدہ
فرما کر اپنی ذات پاک کے لیے خالص بنایا ہے۔ ان میں برائی بالکل نہیں

[1] بحوالہ کتاب: نفحات الانس از حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی
ص ۹۰۹ -

"ان کی طبیعت سب سے زیادہ نرم اور وہ سب سے زیادہ سلجھی ہوئی ہوتی ہے۔ تیز رو گھوڑے تند ہوائیں باوصف اپنی تیزی کے ان کے مرتبہ کو پا نہیں سکتے۔ ان کے قلوب نیکیوں کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کے گروہ ہیں۔ آگاہ رہو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔" [1]

غوث: جب کوئی قطب ملہماً دیناً دیناً بن جاتا ہے تو اس کو غوث کہتے ہیں۔

اوتاد: ایسے چار حضرات جو دنیا کی چاروں جہات میں موجود ہیں یعنی مشرق، مغرب، شمال و جنوب۔ یہ چاروں حضرات دنیا کے چار رکنوں کی طرح ہیں۔ ان ہی چار حضرات کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ جہات اربعہ کو محفوظ رکھتا ہے۔ یعنی ان ہی حضرات کے باعث جہالت اربعہ خداوند تعالیٰ کا محل نظر ہیں۔ ("کاشانی" و "ابن العربی") ان حضرات کا درجہ سبعت ابرار کے نیچے ہے اور حضرات نقیب سے بلند تر ہے۔ نقیب کے بعد قطب و غوث کا مرتبہ ہے۔

---

[1] بحوالہ کتاب: قصص اولیاء از ابی محمد عبداللہ بن اسعد یمنی یافعی ص ۲۶ -

اتصال : اتصال سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے عین (وجود) کو وجود احدیت سے متصل دیکھے اور اس کے وجود غیبی کا تعلق درمیان سے اٹھا دے اور سالک اس اتصال وجود کو بغیر انقطاع کے مشاہدے کرتے۔ یہاں تک کہ وجود خدا کے ساتھ اتحاد ہو جائے۔

سالک : "سالک وہ ہے کہ جو قدرت علم اور قوت حال سے مقامات کی سیر میں مشغول ہے اور سالک وہ ہے جس کا علم درجہ عین الیقین پر پہنچ چکا ہے۔" ۱ھ

عارف : "عارف وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا مشہود بخشا ہو۔ لیکن احوال اس پر ظاہر نہ ہوئے ہوں۔ ایسے شخص کے حال کو علم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ علامہ کاشانی فرماتے ہیں کہ : "عارف وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی ذات، صفات، اسماء و افعال کا مشاہدہ کرایا ہو اور معرفت وہ ہے جس میں شہود کی گفتگو کی جاتی ہے۔" ۲ھ۔

۱ھ : بحوالہ کتاب : نفحات الانس از حضرت جامی علیہ الرحمہ
اور
۲ھ : " " ص ۹۲۱ - اور - ص ۹۲۳

عالم : "حضرت علی ہجویری" مخلوقات خداوند کریم کو عالم کہتے ہیں۔ شیخ کاشانی" فرماتے ہیں کہ وہ ظل ثانی ہے اور وجود حق کے ساتھ واحد ہیں جو صور ممکنات میں ظاہر ہے۔

عالم جبروت : عالم الاسماء و عالم صفات الٰہیہ کو کہتے ہیں۔

عالم الامر : عالم ملکوت و عالم غیب و عالم الارواح کو کہتے ہیں جو بغیر مادہ اور مدت کے واسطے سے ظہور وجود میں آیا۔

عالم المخلوق : عالم الملک و عالم الشہادۃ عالم اجساد و عالم جسمانیات کو کہتے ہیں اور وہ جو کچھ امر الٰہی کے بعد مادہ اور مدت کے ساتھ وجود ہوا۔

زہد : "زہد سالک کو مقامات طریقت سے ہر مقام کے حصول کے لیے ہمت مند کرتا ہے۔ اس لئے ورع کو مقتضی زہد قرار دیا گیا ہے۔ زاہد دنیا سے علاقہ کو سرچشمہ شمار کرتا ہے۔ زہد کی مشائخ عظام نے اپنے اپنے الفاظ میں تعریف کی ہے۔

شیخ ابو سلیمانی" دارانی فرماتے ہیں کہ زہد دنیا میں ٹاٹ پہننا اور جو کی روٹی کھانے کا نام نہیں ہے بلکہ دنیا سے دل نہ لگانا اور

اُمیدوں و آرزوؤں کو کوتاہ کرنا ہے۔

شیخ سہیل بن عبداللہ تستری کہتے ہیں کہ بندگانِ خدا کا خدا کی طرف متوجہ ہونا زہد ہے۔ شیخ یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ زہد کے تین حروف زا، ہ، د ہیں۔ زا سے مراد زہرِ زینت، ہ سے مراد ترکِ ہوا اور د سے مراد ترکِ دنیا ہے۔[1]

ارادہ: آتشِ محبت کی وہ چنگاری جو عارف کے قلب میں ظہور میں آتی ہے۔ جس کے باعث وہ دوامی حقیقت کے لیے مستعد ہو جاتا ہے۔

ادب: ان چیزوں سے واقفیت کا نام ہے۔ جن کے وسیلہ سے تمام گوناگوں خطاؤں سے احتراز کیا جائے۔ ادب سے مراد بھی تو ادب شریعت ہوتی ہے اور کبھی ادب خدمت کبھی ادب حق، ادب شریعت کے معنی رسوم شریعت پر قائم رہنا ہیں۔ ادب خدمت سے مراد یہ ہے کہ بعد کمال خدمت پر کمر بستہ رہنا۔ ادب حق یہ ہے کہ صاحب ادب یہ معلوم کرے کہ اس کا حق دوسروں کے ذمہ کیا ہے اور دوسروں کے حقوق اس کے ذمہ کیا ہیں۔ (ابن العربی)

---

[1] بحوالہ کتاب: نفحات الانس از حضرت جامی قدس سرہٗ ص ۹۲۰

فقیر : اس کے لفظی معنی حسب ذیل ہیں۔ جس سے فقیر کی شان ٹپک پڑتی ہے اور وہ حقیقی معنوں میں فقیر بنکر ابھرتا ہے۔

ف = فاقہ، ق = قناعت، یہ = یاد، ر = ریاضت۔

ان چاروں اجزائے مرکب کا نام فقیر ہے۔ جو اللہ کی یاد میں ہمیشہ سرتاپا مست غرق رہا کرتا ہے۔

مجذوب : وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں منتخب فرمالے اور بغیر کوشش اور مجاہدہ کے اس کو تمام مقامات اور مراتب عالیہ پر پہونچادے۔

خوف : کسی امر مکروہ کے پیش آنے سے ڈرنا یا کسی امر مستحسن کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا ڈر ہونا۔ خوف سالک کے علم و معرفت سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ :

"خوف یقین و معرفت کا اول مقام ہے۔ معرفت کے حصول کے بعد خوف پیدا ہوتا ہے اور خوف سے زہد صبر اور توبہ پیدا ہوتے ہیں۔" [1]

---

[1] : بحوالہ کتاب : نفحات الانس از حضرت جامی علیہ الرحمہ ص ۹۱۸ -

ذکر: "زبان سے خداوند تعالیٰ کا نام لینا اور اس میں فکر کرنا۔ ذکر کو افضل العبادہ قرار دیا گیا ہے۔ کلمہ طیبہ اصل اور عین ذکر ہے۔ صوفیہ حضرات کے یہاں ذکر کی بہت سی شرطیں ہیں۔ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ ذاکر تلفظ کے ساتھ ذکر کرے ۔ ۔ ۔

حصّے میں ختم ہو گیا۔ میرے صحابہ تاروں کے مانند ہیں۔
تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے راہ ہدایت پر رہو گے۔ سرکار
دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بہتر میرے زمانے
کے لوگ ہیں پھر وہ جو اُن کے بعد ہیں۔ جس نے مجھے دیکھا یا میرے
دیکھنے والے کو دیکھا وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔ میرے صحابہ
کو برا نہ کہو۔" ۱

مرید: "اپنے ارادہ سے آزاد و آراستہ۔ مرید وہ ہے کہ
اسماء کے تمام دروازے اس پر وا کر دیے گئے ہوں۔
مرید اسم کے وسیلہ سے متوصلین الٰہی سے ہے۔

مجاہدہ: نفس کو بدنی مشقتوں کا عادی اور پابند بنانا اور ہوا و
ہوس کی مخالفت کرنا۔

مراقبہ: بندہ کا اس بات پر یقین ہونا کہ خداوند عالم تمام
احوال میں قلب و ضمیر اور رازہائے درونی سے آگاہ ہے۔
مراقبت علم دل است در قرب حق تعالیٰ۔ مراقبت کے
حال اوّل کی تعریف یہ ہے یعلم السرائر فاند مطلع علی الضمائر۔

۱: بحوالہ کتاب: خلفائے راشدین کی سیدت اور فضائل
از حسام الدین صاحب جلد ۱ ص ۲۔

مرشد: وہ ہستی ہے جو دوسروں کی رہنمائی کرے راہ مستقیم کی طرف کرے۔ اس کی نگرانی ہی سے سلسلے کرے۔

وجد: بغیر جدوجہد و تکلف کے جو کچھ قلب پر وارد ہو۔ اور جس حرارت کو پاتے ہیں کہ اس پر قوت سے مراد ہے جو دلدار کے دل پر درخشاں ہوتا ہے اور دلدار خانوں میں سرمایا جاتا ہے۔

وجود: اوصاف بشریت کو چھپانے کے واسطے سے خود کا اپنی ذات سے بے تعلق ہو جانا اس میں وجود حق کا واسطہ بھی ہوتا ہے کہ جب سلطان حقیقت ظہور فرماتا ہے تو بشریت باقی نہیں رہتی ۔ ۱ -

۱ : بحوالہ کتاب: نفحات الانس از مولانا عبدالرحمٰن جامی ص ۹۲۲ -

شجرۂ حضرات نقشبندیہ رضی اللہ عنہم اجمعین

یا فتاحُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بحرمت شفیع المذنبین رحمۃ للعلمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

الٰہی بحرمت خلیفۂ رسول اللہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

الٰہی بحرمت مصاحب رسول اللہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

الٰہی بحرمت حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

الٰہی بحرمت امام ہمام حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

الٰہی بحرمت سلطان العارفین قطب العاشقین حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ عنہٗ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابویوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجۂ جہاں حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ مولٰنا محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ مولٰنا محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد باباسماسی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت سید السادات حضرت خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجۂ خواجگان پیر پیراں امام الطریقت حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد شرف الدین زاہد رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ مولٰنا خواجگی محمد امکنگی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت محبوب صمدانی امام ربانی مجدد الف ثانی امام الطریقت حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت ایشاں حضرت شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت حافظ محمد محسن رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت سید السادات حضرت سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت شمس الدین حبیب اللہ عارف باللہ قیوم زماں قطب جہاں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قطب الاقطاب فرد الافراد حضرت شاہ عبد اللہ المعروف بہ غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت شیخ واصل مرشد کامل عارف باللہ حضرت شاہ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت شیخ وقت قطب دوراں عارف باللہ حضرت سید محمد بادشاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت شیخ واصل مرشد کامل حضرت ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت جمیع حضرات نقشبندیہ بر فقیر ابو البرکات سید خلیل اللہ ابن ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ رحم فرما و عاقبتش بخیر گرداں بحرمۃ النبی و الہ الامجاد۔

امّا بعدُ ..... محمد عظمت اللہ خان .....

در طریقۂ عالیہ نقشبندیہ بیعت نمودہ داخل محفل گردانیدم حق سبحانہٗ تعالےٰ

..... مسمّی ... مذکور را از فیوضاتِ مرشداں

حظ وافر نصیب متکاثر مع استقامت شریعت عطا فرمائد

آمین یا ربّ العٰلمین وصلّی اللہ تعالےٰ

علیٰ خیر خلقہٖ محمّد وّ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

برحمتک یا ارحم الرّاحمین ط

ابوالبرکات سیّد خلیل اللہ کان اللہ لہٗ ابن حضرت ابوالحسنات سیّد عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ

جامیا واقفِ دم باش عزیزاں رفتند — جامی ہوشیار رہو جاؤ کہ دوست احباب چل بسے (مر گئے) اپنے لئے بھی آخرت کی فکر کرو (یعنے عبادت میں مشغول ہو جاؤ) آخر تم بھی تو مہمان ہو (یعنے تم کو بھی تو مرنا ہے)۔

فکرِ عقبیٰ بکن آخر کہ تو ہم مہمانی

کم خور و کم خسپ و کم گو ہم بجہلا کم نشیں — کم کھاؤ، کم سوؤ، کم کہو، جاہلوں میں کم بیٹھو۔

دائما در ذکر باش و خویش را بیں بدتریں — ہمیشہ ذکر میں رہو، اور اپنے کو سب سے کمتر جانو۔

باعاشقاں نشیں و غم عاشقی گزیں — اللہ تعالےٰ کے عاشقوں کے ساتھ بیٹھو، اور اللہ تعالےٰ کا عشق اختیار کرو

باہر کہ نیست عاشق کم کن ازو قریں — جو اللہ تعالےٰ کا عاشق نہ ہو، اس کے نزدیک مت پھٹکو۔

از طفیل خواجگانِ نقشبند — یا اللہ خواجگانِ نقشبندؒ کے صدقے میں

کارِ دنیا عاقبت محمود باد — دین اور دنیا کے ہر کام بہتر ہو جائیں۔

شجرۂ حضرات قادریہ رضی اللہ عنہم اجمعین

یَا فَتَّاحُ

ذِکْرُ الْمَوْلٰی مِنْ کُلِّ اَوْلٰی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلًا یَّھْدِیْ اِلٰی طَرِیْقِ الْاِیْمَانِ لِلْعٰلَمِیْنَ وَصَیَّرَہٗ وَسِیْلَۃً مَرْضِیَّۃً لِلْوُصُوْلِ اِلٰی صِرَاطِ النَّجَاۃِ وَالْیَقِیْنِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ اَفْضَلِ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ حَبِیْبِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

اَمَّا بَعْدُ فَھٰذِہٖ شَجَرَۃٌ قَادِرِیَّۃٌ مَنْ تَوَسَّلَ اِلَیْھَا وَمَلَ اِلَی الْمَرَامِ

الٰہی بعجز و انکسار عبدک الضعیف ابوالبرکات سید خلیل اللہ کان اللہ لہٗ ابن حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ قدس سرہٗ

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید محمد پادشاہ بخاری قدس سرہٗ

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید خواجہ احمد بخاری قدس سرہٗ

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید حسین بخاری قدس سرہٗ

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید محی الدین پادشاہ بخاری قدس سرہٗ

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید علی بخاری قدس سرہٗ

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید فریدالدین بخاری قدس سرہٗ

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید علی صوفی بخاری قدس سرہٗ

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ فریدالدین صوفی قدس سرہٗ

الٰہی بحرمت راز و نیاز شیخ الشیوخ حضرت شیخ علی صوفی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سلطان العارفین قطب العاشقین سید شاہ عبداللطیف قادری
لاہوری قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ احمد بن شیخ محمد الکھوی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ محمد بن شیخ قاسم قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ قاسم بن شیخ عبدالباسط قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ عبدالباسط بن شیخ شہاب الدین ابی العباس احمد قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ شہاب الدین ابی العباس احمد بن شیخ بدرالدین حسن قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ بدرالدین بن شیخ علاؤالدین علی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ علاؤالدین علی بن شیخ شمس الدین محمد قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ شمس الدین محمد بن شیخ شرف الدین یحییٰ قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ بن شیخ شہاب الدین احمد قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ شہاب الدین احمد بن شیخ عماد الدین ابی صالح نصر قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ عماد الدین ابی صالح نصر بن شیخ تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت غوث الصمدانی محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ ابوسعید المبارک المخزومی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ ابوالحسن علی بن محمد بن یوسف القرشی الہنکاری قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ ابوالفرج طرطوسی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ ابوالفضل عبدالواحد بن عبدالعزیز التمیمی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ ابوبکر عبداللہ شبلی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید الطائفہ حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ عبداللہ سری سقطی قدس سرہٗ

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ داود طائی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ حبیب عجمی قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ اجل مرشد اکمل حضرت شیخ حسن بصری قدس سرہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت امیر المومنین امام المشارق والمغارب اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین رحمۃ للعلمین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین وسلم تسلیماً مبارکاً کثیراً کثیراً۔ دعا محمد عظمت اللہ خان

بیعت وارادت ..... قادری

دریں سلسلۂ قادریہ عالیہ مقبول و پذیرباد۔
الٰہی بحرمت جمیع حضرات قادریہ رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین بر
دعا محمد عظمت اللہ خان
..... قادری

رحم فرما دعا قبلتش بخیر گرداں از فیوض مرشدان حظ وافر و نصیب متکاثر مع استقامت شریعت عطا فرمائد
آمین آمین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین ط

ابوالبرکات سید خلیل اللہ کان اللہ لہٗ ابن حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ

کم خور کم خسپ و کم گو ہم بجہلا کم نشیں — کم کھاؤ، کم سوؤ، کم کہو، جاہلوں میں کم بیٹھو۔
دائما در ذکر باش و خویش را بیں بدتریں — ہمیشہ ذکر میں رہو، اور اپنے کو سب سے کمتر جانو
با عاشقاں نشیں و غم عاشقی گزیں — اللہ تعالےٰ کے عاشقوں کے ساتھ بیٹھو، اور اللہ تعالےٰ کا عشق اختیار کرو
با ہر کہ نیست عاشق کم کن ازو قریں — جو اللہ تعالےٰ کا عاشق نہ ہو، اسکے نزدیک مت پھٹکو

ہدایت نامہ مُریدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طالبِ خدا محمد عظیم الرشید خاں ولد ... محمود اللہ رحمان ... کو حضرت پیرانِ پیر غوث اعظم سیدی عبدالقادر رضی اللہ عنہٗ کے اور حضرت سید بہاؤالدین نقشبند رضی اللہ عنہٗ کے خادمی میں دیکر نقشبندی اور قادری دونوں طریقوں میں مُرید کیا ہوں، اللہ تعالیٰ اس مُریدی کو قبول فرمائے۔

(۱) پہلی وصیت یہ ہے کہ پانچ وقت نماز پابندی سے پڑھا کرو (مرد کے لئے ہر نماز جماعت کیساتھ پڑھنے کی کوشش کرو)۔

(۲) دوسری وصیت یہ ہے کہ دو سو مرتبہ درود شریف روزانہ پڑھا کریں، دن کو نہ ہو سکا تو رات کو پڑھ کر سویا کریں۔

(۳) تیسری وصیت یہ ہے کہ بائیں چھی سے دو انگل نیچے پسلی کی طرف دل کی جگہ ہے اپنے دل میں اَللّٰہُ اَللّٰہُ کہا کریں یعنی درود شریف، قرآن شریف زبان سے پڑھا کریں جیسا کہ ابتک پڑھتے تھے لفظ اَللّٰہُ اَللّٰہُ کو زبان سے نہ پڑھیں، بائیں پسلی کی طرف خیال رکھ کر اپنے دل میں اَللّٰہُ اَللّٰہُ کو ایسا سوچیں کہ دل میں بولے جیسا معلوم ہو، یہی اَللّٰہُ اَللّٰہُ کا پڑھنا ہے، ہمیشہ دل کی طرف متوجہ رہکر دل میں اَللّٰہُ اَللّٰہُ کہنے کی عادت ڈالیں بیٹھے، لیٹے، چلتے، پھرتے ہر وقت دل میں اَللّٰہُ اَللّٰہُ کہنے کی عادت ڈالیں، لیکن عادت نہ ہونے سے بھولا جاتا ہے اسکا کچھ مضائقہ نہیں، جب یاد آئے یاد رہے تک دل میں اَللّٰہُ اَللّٰہُ کہتے رہیں، جب بھول جائیں کچھ مضائقہ نہیں، یہ تو ہمیشہ کا ذکر ہے لیکن فرصت کے وقت جب فرصت ملے آنکھ موندکر زبان روک کر میرا تصور (خیال) اسطرح کریں کہ میرے دل سے اَللّٰہُ کا فیض نکلکر اپنے دل میں آرہا ہے اور اسکے ساتھ اَللّٰہُ اَللّٰہُ کو دل میں سوچیں اور تسبیح پر گنتے جائیں، اسطرح اَللّٰہُ اَللّٰہُ روزانہ دو ہزار مرتبہ گن کر دل میں کہا کریں۔

ف: اوپر کی ہدایت میں جہاں جہاں اَللّٰہُ اَللّٰہُ کی تلقین کی گئی ہے اس میں یہ صراحت ضروری ہے کہ پہلے لفظ اَللّٰہ کے ھ کو آڑا پیش دیکر پھوٹ پڑھیں اور دوسرے لفظ اَللّٰہ کے ھ کو جزم دیکر یعنے ٹھیر کر پڑھیں

ف: ذکر کے وقت وُضوء کی ضرورت نہیں ہے۔

ف: اس طرح سمجھانے کے بعد اگر پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو خط لکھکر مجھ سے دریافت کرلیا کریں

A1001

برای آگاہی طالبان جدول تاریخ ولادت وفات مشائخ طریقت علیہم التحیۃ والثناء السلسلۃ المشائخ النقشبندیۃ الاویسیۃ المجددیۃ

نمبر شمار	اسمائے بزرگان	تاریخ ولادت	تاریخ رحلت	مولد شریف	مقام مزار مبارک
۱	حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم	دوشنبہ ربیع الاول عمر ۶۳ سال	دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ	مکہ معظمہ	مدینہ منورہ حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
۲	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	شب چہارشنبہ ۷ ذیحجہ عمر ۶۳ سال	شب سہ شنبہ ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ	"	روضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
۳	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	عمر ۲۵ سال	۱۰ رجب سنہ ۲۳ھ	اصفہان	مداین
۴	حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر	دوشنبہ ۲۲ شعبان سنہ ۲۴ھ	۲۴ جمادی الاول سنہ ۱۰۱ھ	مدینہ منورہ	مدینہ منورہ
۵	حضرت امام جعفر صادق رح	دوشنبہ ۱۳ ربیع الاول سنہ ۸۰ھ	دوشنبہ ۱۵ رجب سنہ ۱۴۸ھ	" "	جنت البقیع
۶	حضرت بایزید بسطامی رح	پنجشنبہ ۵ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶ھ	جمعہ ۱۵ شعبان سنہ ۲۶۱ھ	شام	بسطام
۷	حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رح	دوشنبہ ۱۴ شوال سنہ ۳۱۳ھ	سہ شنبہ ۱۵ رمضان سنہ ۴۲۵ھ	طالقان	خرقان
۸	حضرت خواجہ ابوالقاسم گرگانی رح	دوشنبہ ۱۳ محرم سنہ ۳۰۴ھ	۲۳ صفر سنہ ۴۵۰ھ	قریہ گرگان	کاشان
۹	حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رح	سہ شنبہ ۱۳ ذیحجہ سنہ ۳۳۴ھ	۴ ربیع الاول سنہ ۴۷۷ھ	قریہ فارمد	طوس
۱۰	حضرت خواجہ ابویوسف ہمدانی رح	جمعہ ۲۷ صفر سنہ ۴۴۰ھ	چہارشنبہ ۲۷ رجب سنہ ۵۳۹ھ	دمشق	مرو
۱۱	حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رح	دوشنبہ ۱۲ شعبان سنہ ۴۵۵ھ	دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۵۷۵ھ	غجدوان	غجدوان
۱۲	حضرت خواجہ عارف ریوگری رح	۲۷ رجب سنہ ۵۵۱ھ	غرہ شوال سنہ ۶۱۵ھ	ریوگر	ریوگر
۱۳	حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رح	سہ شنبہ ۱۸ شوال سنہ ۶۲۷ھ	۱۷ ربیع الاول سنہ ۷۱۵ھ	قریہ انجیر فغنہ	وابکنی
۱۴	حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رح	چہارشنبہ ۱۶ شوال سنہ ۶۳۱ھ	۲۸ ذیقعدہ سنہ ۷۲۱ھ	خراسان	خوارزم
۱۵	حضرت خواجہ محمد یاسا سیاسی رح	سہ شنبہ ۲۵ رجب سنہ ۵۹۱ھ	سہ شنبہ ۱۰ جمادی الثانی سنہ ۷۵۵ھ	طبرستان	قریہ سماسی
۱۶	حضرت سید امیر کلال رح	جمعہ ۱۱ جمادی الثانی سنہ ۷۷۶ھ	پنجشنبہ ۵ جمادی الثانی سنہ ۷۷۲ھ	سوخار	قریہ سوخار
۱۷	حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رح	دوشنبہ ۴ محرم سنہ ۷۱۸ھ	[illegible] الاول سنہ ۷۹۱ھ	سمرقند	بخارا
۱۸	حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رح	دوشنبہ ۱۷ ذیحجہ سنہ ۶۹۵ھ	شب چہارشنبہ ۲ رجب سنہ ۸۰۲ھ	جغانیان	قریہ جغانیان
۱۹	حضرت خواجہ یعقوب چرخی رح	چہارشنبہ ۱۴ شعبان سنہ ۷۸۱ھ	دوشنبہ ۵ صفر سنہ ۸۵۱ھ	قریہ برقہ	بلغنون
۲۰	حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رح	پنجشنبہ ۴ رمضان سنہ ۸۰۶ھ	شب شنبہ ۲۹ ربیع الاول سنہ ۸۹۵ھ	بخارا کہنہ	سمرقند
۲۱	حضرت مولانا محمد زاہد رح	سہ شنبہ ۱۴ شوال سنہ ۸۵۲ھ	سہ شنبہ غرہ ربیع الاول سنہ ۹۳۶ھ	.....	وخشوار
۲۲	حضرت مولانا محمد درویش رح	چہارشنبہ ۱۶ شوال سنہ ۸۴۶ھ	۱۹ محرم سنہ ۹۷۰ھ	.....	قریہ اکنہ
۲۳	حضرت خواجگی محمد امکنگی رح	دوشنبہ ۱۴ رمضان سنہ ۹۰۷ھ	۲۲ شعبان سنہ ۱۰۰۸ھ	دمشق	اکنہ
۲۴	حضرت خواجہ باقی باللہ رح	پنجشنبہ ۱۷ رجب سنہ ۹۷۲ھ	دوشنبہ ۲۵ جمادی الثانی سنہ ۱۰۱۲ھ	دہلی	بیرون شاہجہاں آباد
۲۵	حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رح	جمعہ نصف شب ۱۴ شوال سنہ ۹۷۱ھ	سہ شنبہ ۲۸ صفر سنہ ۱۰۳۴ھ	سرہند	سرہند
۲۶	حضرت خواجہ محمد معصوم رح	۱۱ شوال سنہ ۱۰۰۹ھ	۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۷۹ھ	"	"
۲۷	حضرت شیخ سیف الدین رح	شنبہ ۲۹ صفر سنہ ۱۰۴۹ھ	۱۹ جمادی الاول سنہ ۱۰۹۸ھ	"	"
۲۸	حضرت حافظ محمد محسن رح	.....	..... سنہ ۱۱۴۷ھ	دہلی	دہلی
۲۹	حضرت سید نور محمد بدایونی رح	سہ شنبہ ۱۴ ذیحجہ سنہ ۱۰۳۷ھ	۱۱ ذیقعدہ سنہ ۱۱۲۵ھ	دہ بولان	بیرون کوٹلہ سلطان المشائخ دہلی در مقام حضرت غلام علیشاہ
۳۰	حضرت مرزا مظہر جان جانا رح	صبح جمعہ ۱۱ رمضان سنہ ۱۱۱۱ھ	جمعہ ۱۰ محرم سنہ ۱۱۹۵ھ	کالا باغ مالوہ	دہلی در خانقاہ خود
۳۱	حضرت شاہ عبداللہ المعروف غلام علیشاہ رح	..... سنہ ۱۱۵۸ھ	شنبہ ۲۲ صفر بعد اشراق سنہ ۱۲۱۶ھ	پٹیالہ ضلع پنجاب	محلہ اردو شریف حیدرآباد
۳۲	حضرت شاہ سعداللہ صاحب رح	.....	۲۸ جمادی الاول سنہ ۱۲۷۰ھ	موضع اجڑی ملک	چنچلگوڑہ قریب درگاہ آغا شاہ
۳۳	حضرت سید محمد پادشاہ بخاری رح	.....	۱۰ جمادی الاول سنہ ۱۳۲۸ھ	پگلی پنجاب	نقشبند حسین بیرون
۳۴	حضرت ابوالخیر سید عبداللہ شاہ رح	۱۰ ذیحجہ سنہ ۱۲۹۲ھ	۱۸ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۴ھ	شیر قول حیدرآباد	فتح دروازہ حیدرآباد

(مکتبہ خادم محمد داؤدی یاقوت پورہ)

(مطبوعہ دائرہ پرنٹنگ پریس چھتہ بازار)

۲۰ ذالقعدہ سنہ ۱۳۸۱ھ